BNWS201VAT

صنف کی تفہیم

(Understanding Gender)

بی۔اے۔/بی۔کام۔/بی۔ایس سی۔ (آنرس)

چار سالہ پروگرام

دوسرا سمسٹر (ویلیو ایڈیڈ کورس)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2025, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-994195-3-7
Course : Understanding Gender
First Edition : September 2025
Copies : 9000
Price : 155/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Prof. Ameena Tahseen, Department of Women Education, MANUU, Hyderabad

Editorial Board/Editors

Prof. Ameena Tahseen,
Department of Women Education,
Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Dr. Mohd. Naseemuddin Farees,
Urdu Consultant, Centre for Distance and Online Education
Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Prof. Tabrez Ahmad,
MANUU Law School,
Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Production

Prof. Nikhath Jahan,
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla
Assistant Registrar,
Purchase & Stores Section,
MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C)/Guest Faculty,
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in, Publication*:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314, Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by Ibrahim Akram Siddique, DEO, CDOE, MANUU

Printed at Karshak Print Solution Pvt. Ltd. Hyderabad

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	7

اکائی نمبر	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ نمبر
1۔	صنف: ایک تعارف (Gender: An Introduction)	پروفیسر آمنہ تحسین شعبہ تعلیم نسواں، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد Prof. Ameena Tahseen Department of Women Education, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad	9
2۔	صنفی تصورات (Gender Concepts)		45
3۔	پدرانہ نظام (Patriarchy)		83
4۔	صنف کی سماج کاری (Socialization of Gender)		113
5۔	تعلیم اور صنفی مساوات (Education and Gender Equality)		134
6۔	ہندوستان میں صنفی مسائل (Gender Issues in India)		162
7۔	صنفی بنیاد پر تشدد کی تفہیم (Understanding Gender Based Violence)		193
8۔	ہندوستان میں خواتین کے لیے آئینی دفعات (Constitutional Provisions for Women in India)		216

پروف ریڈر (Proofreader): ڈاکٹر تبریز حسین، فیکلٹی شعبہ تعلیم نسواں، مانو، حیدرآباد

ٹائٹل پیج(Title Page): ابراہیم اکرم صدیقی، ڈی ای او، سی ڈی او ای، مانو، حیدرآباد

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ +A حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری / گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثرانداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو / ہندی / انگریزی / عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن

شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضاالله خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

گذرے برسوں کے دوران عالمی سطح پر سماج کی مجموعی ترقی میں صنفی مساوات (Gender Equality) کی ضرورت واہمیت کو نہ صرف تسلیم کیا گیا' بلکہ مرد اساس معاشروں میں رائج مختلف صنفی تعصبات اور امتیازات (Gender Biases and Discriminations) کی نشاندہی کی گئی اور اس کے نقصانات سے سماج کو روشناس کروانے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ قابلِ توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ اقوام متحدہ کی جانب سے پیش کیے گئے" پائیدار ترقی کے اہداف (Sustainable development Goal-2030)" میں بھی صنفی مساوات کے حصول کو لازم قرار دیا گیا۔ کل سترہ اہداف میں ' ہدف نمبر پانچ کو" صنفی مساوات" کے لیے مختص کیا گیا۔ اقوام متحدہ کے ساتھ مذکورہ معاہدے میں شامل تمام ممالک بشمول ہندوستان کو صنفی مساوات کے حصول کا پابند بنایا گیا۔ اگر چہ کہ 'ہندوستان میں صنفی مساوات کو فروغ دینے کی سعی پچھلے کئی برسوں سے کی جاتی رہی ہے لیکن عصرِ حاضر میں مختلف النوع کوششوں کے ذریعے تمام شعبہ ہائے حیات میں صنفی مساوات کے حصول پر زیادہ توجہ مرکوز کی جارہی ہے تا کہ پائیدار ترقی کے تمام اہداف کو بہ آسانی حاصل کیا جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سماج میں بنیادی طور پر" صنفی حسّاسیت (Gender Sensitization) کی زیادہ ضرورت محسوس کی گئی۔ لہٰذا جہاں صنفی حسّاسیت کے لیے دیگر اقدامات کو اپنایا گیا وہیں تعلیمی نظام اور درسگاہوں کو سماج میں شعور بیداری کی ذمہ داری سونپی گئی۔ تعلیم چونکہ سماج کی ذہن سازی اور مثبت تبدیلی کا ایک اہم آلہ ہوتی ہے' لہٰذا صنفی حسّاسیت کو تعلیمی نظام اور نصاب کا حصّہ بنایا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ صنفی حسّاسیت سے متعلق نصابی اور زائد از نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ میں بیداری لائی جاسکتی ہے۔ طلبہ صنفی حسّاسیت کے نتیجے میں صنفی مسائل سے بخوبی واقفیت حاصل کر پائیں گے اور حاشیائی گروہوں 'بشمول عورت اور دیگر تمام جنسی شناخت والے افراد کے خلاف مروجہ امتیازات کے خاتمے کے حصّے دار بن پائیں گے۔ مزید برآں' صنفی حسّاسیت پر مبنی نصاب کے ذریعے سماج میں صنفی برابری کے علاوہ خواتین کی بااختیاری کے متعلق مثبت تبدیلی کو بھی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں مختلف پنج سالہ منصوبوں، پروگرامز وپالیسیز اور قوانین کے ذریعے صنفی مساوات کو فروغ دینے بالخصوص خواتین کی تعلیم اور ان کی فلاح وبہبود وترقی کی کوششیں کی گئیں لیکن' National Policy on Education (NPE- 1986) میں پہلی مرتبہ تعلیم کے ذریعے تمام مروجہ صنفی امتیازات کے خاتمہ اور مساوات کے فروغ پر زور دیا گیا نیز تعلیمِ نسواں پر خاص توجہ مرکوز کی گئی۔ مذکورہ پالیسی سازی کے بعد کئی اہم اقدامات اپنائے گئے' جبکہ (National Education Policy (NEP-2020 میں بھی اسکول سے لے کر اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں صنفی حسّاسیت کو ملحوظ رکھنے کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی جانب سے تمام انڈر گریجویٹ طلبہ کے لیے کورس "صنف کی تفہیم (Understanding Gender) " کا لزوم اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ کورس بہ طور "Value added course" چار سالہ انڈر گریجویٹ پروگرامس (ریگولر اور فاصلاتی نظامِ تعلیم) کے نصاب کا لازمی جز ہے، جو دو کریڈٹ کے حصول کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔

”صنف کی تفہیم (Understanding Gender) “ کورس کے خود اکتسابی مواد کو ‘ NEP-2020 کے رہنمایانہ خطوط اور UGC-DEB کے اصولوں پر تیار کیا گیا ہے۔ یہ خود اکتسابی مواد ‘ دو بلاگ پر مشتمل ہے ‘ جس کا نصاب جملہ آٹھ اکائیوں پر مبنی ہے۔ مذکورہ اکتسابی مواد کا مقصد صنفی مساوات کو فروغ دینا اور دقیانوسی تصورات پر مبنی صنفی نظامِ فکر (Gender Ideology) کو تبدیل کرنا ہے۔ اس نصاب کی تیاری میں دو اہم نکات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ ایک یہ کہ طلبہ کو صنفی طور پر حسّاس فرد بنایا جائے۔ دوسرے انھیں ہر قسم کے امتیازات کے خاتمے نیز صنفی مساوات کے فروغ کے ایک اہم ایجنٹ کے طور پر تیار کیا جائے تاکہ وہ صنفی انصاف پر مبنی معاشرے کی تعمیر اور ملک کی ترقی کے حصّہ دار بن سکیں۔ ان میں ایسے اسباق شامل کیے گئے ہیں ‘ جو طلبہ کو نہ صرف سماج میں صنفی برابری، مساوات اور احترام کے احساس کو بیدار کرنے کا باعث بنیں گے ‘ بلکہ روایتی صنفی اصولوں اور امتیازی سلوک کو ختم کرنے کے عزم سے انھیں ہم کنار بھی کریں گے۔ مذکورہ نصاب کی تحریر میں روزمرہ کی مثالوں کے ذریعے توضیحی طریقہ کار کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ نصاب ‘ طلبہ کو ” صنف “ کی اصطلاح، تعریف، کلیدی تصورات اور ان کے سماج پر اثرات سے متعارف کرواتا ہے اور سماج کی ترقی میں رکاوٹ بننے والے صنفی مسائل (Gender issues) سے بھی روشناس کرواتا ہے۔ اس کورس سے پائیدار ترقی (Sustainable Development) کے عمل میں صنفی عدل اور مساوات (Gender Equity & Equality) کی اہمیت و ضرورت سے واقفیت حاصل ہوگی اور ان میں تحقیقی و تنقیدی شعور کا بھی فروغ بھی ہوگا۔ مذکورہ کورس کی تکمیل کے بعد طلبہ جہاں ” صنف کو بہ طور سماجی تعمیر “ سمجھ پائیں گے وہیں ”صنف بہ طور ایک تجزیاتی آلہ “ واقفیت حاصل کرلیں گے اور آگے اپنے تعلیمی سفر و کیریر کے علاوہ ذاتی زندگی میں بھی اس نقطۂ نظر کو استعمال کرنے کے قابل بن جائیں گے۔ صنف کی تفہیم اور حسّاسیت کے حوالے سے مذکورہ اکتسابی مواد ‘ نہ صرف مانو کے انڈر گریجویٹ طلبا و طالبات کے لیے فائدہ بخش ہے ‘ بلکہ دیگر شعبہ جات میں اعلیٰ تعلیم و تحقیق سے وابستہ اسکالرز کے علاوہ عام افراد کے اکتساب کے لیے بھی موزوں ہے۔

پروفیسر آمنہ تحسین

کورس کوآرڈینیٹر

صنف کی تفہیم

(Understanding Gender)

اکائی 1۔ صنف: ایک تعارف

(Gender: An Introduction)

اکائی کی ساخت(Unit Structure)

1.0 تمہید(Introduction)

1.1 مقاصد(Objectives)

1.2 صنف کی تفہیم: ضرورت واہمیت(Understanding Gender: Need and Importance)

1.3 صنف کے معنی(Meaning of Gender)

1.4 صنف کی تعریف و تشریح(Definition and Explanation of Gender)

1.5 جنس اور صنف میں فرق(Difference in Sex and Gender)

1.6 صنفی نظامِ فکر(Gender Idealogy)

1.6.1 نظامِ فکر سے کیا مراد ہے(What is meant by Idealogy)

1.6.2 نظامِ فکر اور نظریہ کے مابین فرق(Difference between Idealogy and Theory)

1.6.3 صنفی نظامِ فکر(Gender Idealogy)

1.7 صنفی درجہ بندی(Gender Stratification)

1.8 مردمرکوزیت(Androcentricism)

1.9 صنف بطور سماجی و ثقافتی تشکیل(Gender as a Socio-Cultural Construct)

1.10 صنفی نقطۂ نظر(Gender Perspective)

1.10.1 نقطۂ نظر سے کیا مراد ہے(What is meant by Perspective)

1.10.2 صنفی نقطۂ نظر: معنی و تشریح(Gender Idealogy: Meaning and Explanation)

1.11 صنف بطور ایک عدسہ(Gender as a Lens)

1.11.1 صنفی عدسہ کی ضرورت واہمیت(Need and Importance of Gender Lens)

1.12 صنف بطور ایک تجزیاتی آلہ(Gender as an Analytical Tool)

1.12.1 صنفی عدسہ اور تجزیاتی آلہ میں فرق
(Difference between Gender Lens and Analytical Tool)
1.13 اکتسابی نتائج(Learning Outcome)
1.14 فرہنگ(Glossary)
1.15 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)
1.16 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

1.0 تمہید(Introduction)

ماہرینِ سماجیات کے مطابق ''سماج' مختلف مذاہب، تہذیب، رنگ و نسل کے افراد کے آپسی رشتوں اور اصول و ضوابط کے ساتھ مل جل کر رہنے کا ایک نظام ہے''۔ یعنی سماج یا معاشرہ سماجی تعلقات اور رشتوں کا ایک مکمل نظام ہے جو افراد یا گروہوں کے درمیان موجود ہے۔ یہ نظام افراد کے درمیان مختلف قواعد و ضوابط کے تابع ہوتا ہے' جو وقت کے ساتھ بدلتا بھی رہتا ہے۔ سماج کو ایک بڑا گروہ بھی کہا جاتا ہے اور اس گروہ کے اراکین افراد ہوتے ہیں' جس میں عورت و مرد یعنی بائنری افراد(Binary people) کے علاوہ(Non-Binary people) غیر بائنری یعنی دیگر جنسی شناخت والے افراد، بچے، بوڑھے اور جوان سب شامل ہیں۔ سماج میں رہنے والے افراد خواہ کسی عقیدے، مذہب، ذات پات، زبان و تہذیب، رنگ و نسل اور جنس کے حامل ہوں' سماج کی تشکیل اور ترقی کے لیے ضروری ہوتے ہیں' لیکن عورت و مرد کا وجود سماج کی تشکیل کا سب سے اہم عنصر ہوتا ہے۔ عورت و مرد کے درمیان تعلقات مختلف قسم کے ہو سکتے ہیں لیکن ان کے نجی اور سماجی تعلق اور حصّہ داریوں کے بغیر کوئی معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا اور نہ ارتقاء کا عمل ممکن ہو سکتا ہے۔ الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماج کی ترقی اور ارتقاء کے لیے عورت و مرد' دونوں کا وجود، اشتراک اور حصّہ داری ناگزیر ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تہذیب و تمدن میں دونوں نے اپنا بھرپور حصّہ ادا کیا ہے' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ سماجی تعلقات اور اصول و ضوابط' مختلف طرز کے امتیازات اور تفرقات میں ڈھلتے چلے گئے۔ جس کے نتیجے میں عورت و مرد دونوں کے مقام و مرتبہ میں تفاوت پیدا ہو گیا۔

صدیوں پر مشتمل تاریخ بتاتی ہے کہ سماجی ڈھانچہ ہمیشہ یکساں نہیں رہا۔ تہذیب و تمدن کے ارتقاء اور سیاق و سباق کی تبدیلی کے مطابق سماج کے طور طریقے بھی وقت کے ساتھ بدلتے رہے۔ چونکہ یہ افراد کے باہمی رشتوں اور تعلقات کا معاشرتی نظام ہے اسی لیے اس میں مختلف عقائد، روایات، خصوصیات، پیشے یا سماجی و صنفی رویوں کی بنیاد پر تناؤ اور تفرقات بھی پیدا ہوتے رہے اور سماج کئی طرح سے گروپ بندی یا طبقہ بندی یا درجہ بندی(Social stratification) کا شکار ہوا' نیز سماج کی مختلف گروہوں میں تقسیم عمل میں آتی گئی۔ جس

کے نتیجے میں سماجی سطح پر اعلیٰ وادنیٰ، اونچ نیچ اور طاقتور وکمزور گروہ کے تصور کے علاوہ ' جنسی شناخت کی بنیاد پر ' عورت و مرد کے درجات میں بھی فرق پیدا ہوتا گیا۔ سماج میں مختلف طرح کے طبقات بنتے چلے گئے اور اسی کے مطابق سماجی اصول بھی بنائے گئے۔ جیسا کہ پروفیسر عذرا عابدی (سماجیات کا تعارف۔ 2017) لکھتی ہیں:

''سماجی طبقہ بندی وہ سماجی نظام ہے جس کے اندر سماج کے مختلف گروہوں کو اوپر سے نیچے کی حیثیت یا مقام حاصل ہو جاتے ہیں۔ سماجی طبقہ بندی سماج کو مختلف درجے میں تقسیم کرنے اور اس کے مطابق سماجی ڈھانچہ میں ان کی حیثیت اور رول کو طے کرنے کا ایک سماجی نظام ہے''

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صدیوں کے ارتقائی سفر میں سماجی طبقہ بندی کے اثرات سے کئی طبقات متاثر ہوئے لیکن سب سے زیادہ اثرات ' عورت و مرد کے باہمی تعلقات، مقام اور مرتبہ پر مرتب ہوئے۔ جنس کی بنیاد پر سماج کی تقسیم عمل میں آئی اور پدرانہ غلبے کا نظام (Patriarchy) قائم ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں صنفی عدم مساوات (Gender inequality) تمام شعبۂ حیات میں رائج ہوتی چلی گئی اور مرد مرکزیت میں آ گئے جبکہ خواتین پسماندہ ہو کر حاشیہ پذیر ہو گئیں۔

دنیا کے بیشتر ممالک کی طرح ہندوستان بھی عدم مساوات کا شکار ملک ہے۔ ہندوستان میں صدیوں سے ذات پات، طبقہ اور صنف کی بنیاد پر عدم مساوات چلی آ رہی ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عدم مساوات، تاریخی، سماجی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی سیاق و سباق کے ساتھ ہندوستانی سماج میں بہت گہرائی سے پیوست ہے۔ متعدد کوششوں کے باوجود صنفی مساوات کا حصول آج بھی ہندوستان کے لیے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ پدرانہ نظام کے اصول و ضوابط، ذات پات، طبقاتی نظام اور صنف پر مبنی سماجی درجہ بندی اور امتیازات آج بھی کم و بیش اسی طرح رائج ہیں جس طرح پچھلی صدیوں میں رہے ہیں۔ روایتی صنفی سوچ و فکر، کردار، تعلیمی و معاشی تفاوت اور سیاسی قیادت میں خواتین کی کمی کے علاوہ تمام شعبوں میں صنفی عدم مساوات پھیلی ہوئی ہے۔ خواتین کی پسماندگی، محکومیت، غربت اور ان کے خلاف تشدد کی روایتوں کا خاتمہ نہیں ہو پایا ہے۔ کچھ بدلی ہوئی شکل میں وہ روایتیں بیشتر خاندانوں میں جوں کی توں برقرار ہیں۔ امتیازی رویّوں اور سلوک کو مرد اساس سماج کے پروردہ افراد نے صدیوں سے قبول کر رکھا ہے اور اسے مکمل طور پر روز مرہ کی زندگی میں شامل کر لیا ہے۔ صدیوں سے چلی آ رہی صنفی روایتوں سے نہ صرف خواتین بلکہ پورے معاشرے کی ترقی متاثر ہوئی ہے۔ دراصل معاشرے کے بیشتر افراد صنفی تعصب اور مسائل کو قابل توجہ نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس کا احساس و ادراک رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سماج میں بالخصوص طلبہ میں صنفی حسّاسیت پیدا کی جائے۔ انھیں روایتی صنفی کرداروں اور دقیانوسی تصورات سے آگے بڑھ کر پدرانہ سماج کی پیچیدگیوں کو سمجھنے ' کے قابل بنایا جائے تاکہ وہ صنفی مساوات کے حصول کے ذریعے انفرادی و اجتماعی ترقی کے ایجنٹس بن سکیں۔ لہٰذا ہم اس اکائی میں صنف کے معنی و تعریف کے علاوہ جنس اور صنف میں فرق

اور صنفی نظام فکر اور سماج پر اس کے اثرات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس اکائی کے ذریعے ہم نہ صرف صنف کے تصور کی سماجی تشکیل کو سمجھیں گے بلکہ اس کے متعلق سماجی نظریات کو بھی جاننے کی کوشش کریں گے نیز صنف بطور ''عدسہ اور تجزیاتی آلہ'' کی اہمیت سے بھی واقفیت حاصل کریں گے۔

1.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- ''صنف'' کے معنی اور تعریف و تشریح کو سمجھ سکیں گے۔
- حیاتیاتی پہچان یعنی جنس اور سماجی تشکیل یعنی صنف کے فرق کو بہتر طریقے سے سمجھ پائیں گے۔
- سماج میں مروجہ صنفی سطح بندی اور نظامِ فکر کی مختلف جہات سے واقفیت ہوگی۔
- ''صنف'' کی اصطلاح کو نہ صرف سماجی تشکیل کے طور پر سمجھیں گے بلکہ بطور ایک تجزیاتی آلہ کے بھی سمجھ جائیں گے۔

1.2 صنف کی تفہیم: ضرورت واہمیت(Understanding Gender: Need and Importance)

عورت اور مرد' انسان کے دو روپ ہیں۔ دونوں دو مختلف جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ قدرت نے دونوں کو مختلف حیاتیاتی پہچان دی ہے' لیکن انسان کی حیثیت سے ان میں کوئی تفریق نہیں رکھی۔ دونوں کو سماج کی اہم اکائی کا رتبہ دیا۔ لیکن سماجی ضابطے عورت و مرد کے مقام و مرتبے میں فرق کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سماج میں عورت و مرد کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد بھی ہوتے ہیں۔ جن کی درجہ بندی جنس کی بائنیری شناخت کے طور پر نہیں کی جاسکتی لیکن انسان کے طور پر کی جاسکتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سماج میں مختلف طرح کے افراد ہوتے ہیں اور تمام افراد کے لیے انسانی حقوق بشمول' باوقار زندگی، تحفظ، بنیادی حقوق اور ترقی کے مواقع لازمی ہوتے ہیں' لیکن آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ سماج میں تمام افراد کو یکساں حقوق و مواقع حاصل نہیں ہیں۔ ہمارے سماج میں مختلف سطحوں پر عدم توازن پایا جاتا ہے۔ مختلف نظریات اور روایتوں کی بنیاد پر سماج مختلف طبقات میں تقسیم ہوتا ہے اور حقوق و مواقعوں کی تقسیم بھی اسی طرح عمل میں آتی ہے۔ جس کے نتیجے میں کچھ طبقات ترقی کے منازل طے کرتے ہیں اور مرکزیت میں ہوتے ہیں جبکہ کچھ طبقات حاشیہ پذیر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ کسی بھی سماج کی آبادی کا تقریباً نصف حصّہ خواتین پر مشتمل ہوتا ہے اسی لیے ان کے مقام و مرتبہ کو دوسرے نصف حصّہ سے تقابل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں تو ہمیں عورت و مرد کی حیثیت میں نمایاں فرق دیکھنے کو ملتا ہے۔ عورت و مرد کے درمیان مقام و مرتبہ کا فرق کسی ایک ملک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ دنیا کے بیشتر سماجوں میں یہ عدم توازن واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ سماجی

تحقیقات اور مختلف رپورٹس کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ بیشتر سماجوں میں ٬عورت و مرد کے وجود کے متعلق سماجی نظریات اور رویّے، بنیادی انسانی حقوق اور مواقعوں کی فراہمی میں شدید امتیازات اور جبر واستحصال کی روایات پائی جاتی ہیں۔اگرچہ کہ عالمی و قومی سطح پر سماج میں مساوات کو عام کرنے کی پالیسی سازی نیز مختلف النوع اقدامات کو گذری چند دہائیوں کے دوران تیز تر کیا گیا٬لیکن عورتوں کی پسماندہ حیثیت کو مکمل طور پر بہتر نہیں بنایا جاسکا اور نہ ہی ان کے متعلق امتیازی رویوں اور تشدد کو ختم کیا جاسکا۔اس تناظر میں یہ محسوس کیا گیا کہ اس فرق،رجحان اور رویوں کا ایک خاص نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے اور جنسی شناخت کی بنیاد پر عورت و مرد کے درمیان سماجی فرق کے متعلق صدیوں سے چلے آرہے فرسودہ نظریات اور روایات کو جاننے کی کوشش کی جائے۔چنانچہ بیسویں صدی کی سترہویں دہائی سے حقوقِ نسواں کے جہدکار، مفکرین، سماجی علوم کے ماہرین اور نظریہ سازوں کی جانب سے پدرانہ نظام میں عورت کی پسماندگی اور تمام شعبۂ حیات میں دونوں کے درمیان فرق اور امتیازات کو بہتر طور پر سمجھنے اور غور وفکر کرنے کے لیے لفظ ''صنف ''(Gender) کو ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔وقت کے ساتھ یہ اصطلاح ایک تجزیاتی آلہ کے طور پر سماجی علوم میں تحقیق و تنقید اور علمی شعبہ ''مطالعاتِ نسواں'' کا حصّہ بن گئی۔ تعلیمی نظام میں مطالعاتِ نسواں پروگرام کی شروعات کے نتیجے میں صنفی تصورات اور اس کے دائرہ کار پر مباحث زور پکڑے اور اصطلاحی معنوں میں '' صنف'' کا استعمال خوب ہونے لگا۔اس اصطلاح کا ایک خاص سماجی وتہذیبی پس منظر ہے اور اس کے ساتھ مزید تصورات بھی وابستہ ہیں۔ جن پر ہم آگے کی اکائیوں میں معلومات حاصل کریں گے۔

ہم میں سے بہت سے افراد اس بات سے واقف ہیں کہ ٬مساوات، انصاف، انسانی حقوق کے علاوہ مذہب، ذات، طبقہ، رنگ و نسل اور جنس کی بنیاد پر امتیاز کے خاتمے اور تمام افراد کی مجموعی ترقی نیز سماجی، معاشی اور سیاسی شمولیت کے لیے فی زمانہ تمام ممالک کوشاں ہیں اور مختلف النوع اقدامات کو اپنا رہے ہیں۔اس تناظر میں ''صنف کی تفہیم'' ایک اہم تصوّر، علمی مباحثہ، فکر اور جدید رجحان کے طور پر سامنے آتی ہے۔صنف کا تصور٬پدرانہ نظام کے سماجی وثقافتی روایتوں کی گہرائیوں تک پہنچنے اور سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔صنف کی تفہیم کے نتیجے میں روایتی سماجی اصولوں کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ یہ تصور مساوی معاشرے کی تشکیل کے لیے ذہن سازی کرتا ہے۔چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انصاف پر مبنی معاشرہ کی تشکیل اور مساویانہ ترقی پر مبنی پالیسیز کی عمل آوری کے لیے تمام افراد بشمول طلباء کو صنف کے تصوّر اور اس کے دائرہ کار کو سمجھنا ضروری ہے۔اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سماج میں صنفی عدم مساوات کے نتیجے میں اہم معاشی اور سیاسی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مطالعات اور رپورٹس کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ صنفی طور پر مساوی معاشروں میں مضبوط معیشت، بہتر حکمرانی اور مجموعی طور پر امن وسکون ہوتا ہے۔اسی لیے صنفی مساوات کی ضرورت واہمیت کو تمام ذہنوں تک پہنچانا ناگزیر لگتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صنف کی تفہیم کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔اس تعلیمی پروگرام کا مقصد طلباء کو صنف سے متعلق مسائل کا تنقیدی تجزیہ کرنے کے لیے

معلومات اور ہنر سے آراستہ کرنا ہے۔ سرکاری و غیر سرکاری شعبے جات اور تنظیمیں فی زمانہ کام کی جگہ پر صنفی حسّاسیت کی اہمیت کو تیزی سے تسلیم کر رہی ہیں۔ لہٰذا ایسے طلبہ جو اس ضمن میں علم سے آراستہ ہیں یا باقاعدہ کورس ''صنف اور مطالعاتِ نسواں'' کے فارغ التحصیل ہیں' وہ کام کی جگہ پر جامع منصفانہ ماحول پیدا کرنے، ملازمت کے منصفانہ طریقوں کو یقینی بنانے اور صنفی بنیاد پر امتیاز کو دور کرنے میں اپنا حصہ بہتر طور پر ادا کر سکتے ہیں۔

''صنف کی تفہیم'' محض ایک علمی کوشش نہیں ہے' بلکہ یہ تفہیم سماج کی مثبت تبدیلی کے لیے ایک کیٹالسٹ (Catalyst) قرار دی جاسکتی ہے۔ عصرِ حاضر میں انسانی حقوق، مرد و عورت اور دیگر جنسی شناخت والے افراد کے لیے مساویانہ حقوق و مواقع، محفوظ اور با وقار زندگی، ترقی کے دھارے میں ان کی شمولیت کی کوششیں زور پکڑتی جا رہی ہیں۔ ایسے میں صنفی تصورات اور تعلقات (Gender concepts and relations) کی از سرِ نو وضاحت کرنے کے لیے ''صنف کی تفہیم'' لازمی ہے۔ صنف کی تفہیم سماج کی پیچیدگیوں کو سمجھنے میں ایک فکری بنیاد فراہم کرتی ہے اور سماج سے ایسے نقصان دہ صنفی دقیانوسی تصورات (Gender Stereotypes) اور امتیازات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے' جو افراد کی ذاتی اور پیشہ ورانہ ترقی کو محدود کرتے ہیں۔ صنف کی تفہیم کے بنیادی مقاصد میں' سماجی انصاف اور صنفی مساوات کو فروغ دے کر ایک ترقی یافتہ سماج کی تعمیر کرنا ہے۔

''صنف کی تفہیم'' ایک ایسی علمی فکر ہے جو گرچہ کہ عورت و مرد کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کو مرکز میں رکھ کر مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتی ہے لیکن اس علمی فکر اور عمل کا خاص محور و مرکز سماج میں مروج صنفی عدم مساوات و مسائل کو جاننا اور خواتین کو بااختیار بنانا ہے۔ خواتین کے ساتھ صنفی انصاف اور مساوات پر توجہ مرکوز کرنے کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ' جنس کی بنیاد پر سماج کی درجہ بندی کے نتیجے میں عورت بطور طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہونے والوں میں شامل ہے' جس میں تمام مذاہب، ذات، نسل اور عمر کی خواتین شامل ہیں۔ ''صنف کی تفہیم'' دراصل عورت کی محکومیت، ان کی غربت اور پسماندگی، صنفی بنیاد پر تشدد، تنخواہوں میں صنفی فرق، تولیدی حقوق پر کنٹرول، اور کم سیاسی نمائندگی اور کمزور صحت وغیرہ جیسے مسائل پر توجہ مرکوز کرواتی ہے اور ان مسائل کو فروغ دینے میں سماجی اداروں کے رول نیز افراد کے ذہنی رویوں کا جائزہ لینے کی ضرورت سے واقف کرواتی ہے۔ سماج کے روایتی ڈھانچے اور نظریاتی تبدیلیوں کے لیے ذہنوں کو بیدار کرتی ہے۔ ''صنف کی تفہیم'' افراد کو تنقیدی سوچ عطا کرتی ہے اور ان کی سماجی آگہی کے معیار کو بڑھاتی ہے۔ انھیں پدرانہ نظام (Patriarchy) کے گہرے عقیدوں اور فرسودہ معاشرتی اصولوں پر سوال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ نصابِ تعلیم کے ذریعے صنف کی تفہیم، طلباء کو خاص طور پر پدرانہ نظام، صنفی امتیازات اور صنفی رول کے علاوہ طاقت کی حرکیات (Power dynamics) پر تحقیق کرنے، غور و فکر کرنے اور سماج کی ذہنی تبدیلی کے لیے کام کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔

''صنف کی تفہیم'' کی ضرورت اور اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ''صنف'' کو نہ صرف سماجی تصوّر کے طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے، بلکہ صنف کو ایک تجزیاتی آلے (Analytical Tool) کے طور پر بھی استعمال کیا جائے۔چونکہ ''صنف'' جہاں عورت اور مرد کے سماجی رول یا کردار کے متعلق سماج ہی کا تشکیل کردہ ایک ایسا تصور ہے جو دنیا کے تقریباً معاشروں میں زندگی کے تمام معاملات سے جڑا ہوا ہے اور جس کے اثرات سے عورتیں زیادہ متاثر ہوئی ہیں ساتھ ہی حقوق اور مراعات سے محروم ہیں اور پسماندہ زندگی گزار رہی ہیں۔ لہٰذا سماج میں ان کے وقار کو بحال کرنے نیز ان کے لیے مساویانہ حقوق کی فراہمی کے لیے ''صنف کی تفہیم'' ناگزیر محسوس ہوتی ہے۔''صنف'' سے جڑے مزید کئی تصورات ہیں جس کا راست تعلق انسانی رویوں سے ہے۔اسی لیے ان کا جاننا اور سمجھنا بھی ضروری ہے۔تانیثی مفکرین نے اس تصور کو تحقیق و مطالعات کے لیے ایک اہم نقطۂ نظر کے طور پر بھی متعارف کروایا ہے۔تاکہ تمام افراد یعنی مرد و عورت نیز دیگر جنسی شناخت والے افراد کی زندگی میں حاصل مواقع اور ترجیحات کا صنفی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے اور سماج سے عدم مساوات کا خاتمہ کیا جائے۔ ماہرین نے صنفی مساوات کو سماج وملک کی ترقی کے لیے نہ صرف ایک اہم ''کیٹالسٹ کے طور پر دیکھنے کی بات کی بلکہ جانچ پرکھ کے لیے ایک تجزیاتی آلہ یا تنقیدی عدسہ کے طور پر بھی استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔اس تجزیاتی آلے سے ہم پدرانہ اصولوں اور امتیازی رویوں کے افراد کی زندگی اور مواقع پر ہونے والے اثرات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ صنفی تجزیے ان کے لیے عملی اقدامات طے کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

مزید برآں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پچھلے کئی برسوں سے متعدد بین الاقوامی معاہدوں، اداروں، تنظیموں اور اور کانفرنسوں و مباحثوں کے ذریعے عالمی سطح پر ''صنفی مسائل'' کو سمجھنے اور ''صنفی مساوات'' کے فروغ کی کوششیں جاری ہیں۔اس سلسلے میں اقوامِ متحدہ کی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اقوامِ متحدہ کی جانب سے خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس' 1975 میں Mexico City میں، دوسری 1980 میں Copenhagen، تیسری کانفرنس 1985 میں Nairobi، چوتھی کانفرنس 1995 میں Beijing میں منعقد کی گئی۔ ان کانفرنس میں دنیا بھر کی خاتون مندوبین نے شرکت کی اور سماج میں عورت و مرد کے درمیان فرق اور مسائل کو زیرِ بحث لایا اور ان سے نمٹنے کا عہد کیا۔1995 میں منعقدہ خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس زیادہ بااثر کانفرنس قرار دی جاسکتی ہے۔اس کانفرنس میں خواتین کی بااختیاری کا تصور پیش کیا گیا اور تمام شعبہ حیات میں صنفی مساوات کو فروغ دینے کا عزم کیا گیا۔اس ضمن میں ایک اعلامیہ بعنوان '' The Beijing Declaration and the Platform for Action'' کے ذریعے تمام 189 ممالک بشمول ہندوستان سے عہد لیا گیا- علاوہ ازیں قومی ایکشن پلان کی تیاری، صنفی حکمت عملی اور سخت قانونی فریم ورک بنانے پر زور دیا گیا۔نہ صرف یہ اعلامیہ تیار کیا گیا بلکہ Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination against

اقوام متحدہ کے Women (CEDAW) کے ذریعے تمام ممالک کو امتیازات ختم کرنے کا پابند بھی بنایا گیا۔ سنہ 2000ء میں مختلف ممالک نے اقوام متحدہ کے ''ملینیم ڈیولپمنٹ گول ''(Millenium Development Goals) کے ذریعے ''صنفی عدم مساوات'' کو کم کرنے کے اپنے عزم کی دوبارہ تصدیق کی۔ خاص طور پر ملینیم ڈویلپمنٹ گول (3- MDG) میں ''صنفی مساوات کو فروغ دینے اور خواتین کو بااختیار بنانے کی اشد ضرورت پر پھر سے توجہ دلائی گئی' تاکہ ترقی کی رفتار کو تیز تر کیا جاسکے''۔ 2015 میں اقوامِ متحدہ کی جانب سے ''پائیدار ترقی کے اہداف''(Sustainable Development Goals-2030) کا معاہدہ پیش کیا گیا' جس میں کل سترہ اہداف رکھے گئے۔ ان میں ہدف نمبر 5 کے تحت تمام شعبۂ حیات میں ''صنفی مساوات'' کو حاصل کرنے پر خاص توجہ دلائی گئی ہے' جبکہ دیگر تمام اہداف کے لیے بھی صنفی نقطۂ نظر کو لازم قرار دیا گیا۔ مذکورہ عالمی تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صنفی مساوات کا فروغ عصرِ حاضر میں کتنی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''صنف کی تفہیم'' تمام افراد کے لیے لازمی ہو گئی ہے۔

ہندوستان میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی پسماندہ حیثیت کئی برسوں سے تشویش کا موضوع رہی ہے۔ حالانکہ پنچ سالہ منصوبوں اور پالیسیز و پروگرامز کے ذریعے صنفی مساوات نیز خواتین کی ترقی و بااختیاری کی کوششیں پچھلے کئی برسوں سے جاری ہیں۔ اگرچہ کہ حالیہ برسوں میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے' لیکن اس کے باوجود خواتین کو سماج میں مساویانہ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے آج بھی بے شمار چیلنجز درپیش ہیں۔ معاصر ہندوستانی سماج ایک طرف' جدیدیت ، ٹکنالوجی اور اقتصادی ترقی، شہریانہ ، صنعت کاری اور عالمیانہ (Globalization) کے اثرات کی بناء پر کئی نمایاں تبدیلیوں سے ہمکنار ہوا ہے۔ لیکن دوسری طرف ان تغیرات اور تبدیلیوں نے علاقائی عدم توازن، طبقاتی اور صنفی عدم مساوات کو تیز تر کیا ہے اور تعلیم سے لے کر اقتصادیات کے تمام شعبوں میں صنفی فرق (Gender gap) کو بڑھایا ہے۔ خواتین بڑھتے ہوئے عدم توازن کی گویا اہم علامت بن گئی ہیں۔ حکومت کی جانب سے خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے (Women Empowerment) کئی پروگرامز اور پالیسیز کے علاوہ قوانین نافذ کیے گئے ہیں جن کا مقصد خواتین کی صحت، تعلیم اور معاشی مواقع اور تحفظ فراہم کرنا اور انھیں بااختیار و فیصلہ ساز بنانا ہے۔ گرچہ کہ پچھلے چند برسوں میں تعلیم یافتہ اور معیشت میں حصّہ دار خواتین کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ خواتین کی خاطر خواہ تعداد' سیاست، تجارت اور مختلف شعبوں میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے لگی ہیں۔ خواتین کی یہ کامیابیاں تعداد اور تنوع کے اعتبار سے نہایت کم ہیں۔ ہندوستانی خواتین کی بڑی تعداد اب بھی تعلیم اور ترقی کے مواقعوں سے کافی دور ہیں۔ خاندان اور سماجی سطح پر صنفی امتیاز (Gender Discrimination)، خواتین کے خلاف تشدد، کم تعلیم، غربت اور کم اجرت والے کام، غیر مساوی تنخواہیں جیسے بے شمار مسائل کا انھیں سامنا ہے۔ مادہ جنین کشی (Female foeticide) اور نوزائیدہ بچیوں کا قتل، جہیز کا سخت نظام خاص طور پر دیہی علاقوں میں سخت تشویش کا باعث بنا ہوا ہے۔ گھر اور کام کی جگہ پر خواتین کا جنسی استحصال بھی

ایک اہم مسئلہ ہے۔ مذکورہ مسائل کے نتیجے میں ملک کی ترقی متاثر ہوئی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ United Nations Development Programme's (UNDP) 2025 Human Development Report (HDR) 2025 میں ہندوستان 193 ممالک میں 130 ویں نمبر پر ہے جبکہ Global Gender Gap Report-2025 میں ہندوستان کا مقام 146 ممالک میں 131 واں مقام حاصل ہے۔ عالمی سطح پر جاری کیے گئے ان رپورٹس اوران کی درجہ بندی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی سماج میں عورت و مرد کی حیثیت کے درمیان کتنا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اس صنفی تفاوت کو سمجھنے اور صنفی مسائل کا بخوبی اندازہ لگانے کے لیے ''صنف'' کے تصور کو مختلف طریقے سے سمجھنا اور اس سے جڑی توضیحات کی بھرپور تفہیم ناگزیر محسوس ہوتی ہے۔

1.3 صنف کے معنی (Meaning of Gender)

''صنف'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو زبان میں یہ لفظ مختلف سیاق وسباق میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی یہ لفظ معنی کے اعتبار سے اور اصطلاح کے طور پر بھی خوب استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے دونوں مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ فیروز الغات میں صنف کے معنی ''قسم، نوع، جنس، گونہ'' کے دیے گئے ہیں جبکہ ریختہ ڈکشنری' کے مطابق اس لفظ کے معنی ''قسم، جنس، ذات، نسل درجہ، گروپ، جماعت وغیرہ'' کے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال بالعموم جنس کی حیاتیاتی شناخت یعنی ''عورت و مرد'' کی پہچان کے لیے کیا جاتا رہا ہے' جبکہ لفظ ''جنس'' انسان کی حیاتیاتی پہچان ہے۔ لفظ 'صنف' کسی چیز کی قسم یا نوعیت کو ظاہر کرنے کے لئیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لفظ کو ایک اور لفظ کے ساتھ جوڑ کر مرکب الفاظ بنائے جاتے ہیں' جو مخصوص نوعیت، اقسام اور شناخت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اردو میں یہ مرکب الفاظ زیادہ مستعمل ہیں۔ مثلاً' صنفِ سخن، صنفِ لطیف یا صنفِ نازک، صنفِ قوی، صنف بندی وغیرہ۔ صنفِ نازک یعنی عورت جبکہ صنفِ قوی یعنی مرد' یہ دونوں مرکب الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ لفظ صنف کا استعمال ادب یعنی لٹریچر میں زیادہ ہوتا ہے۔ 'صنف'' کا استعمال نثر یا نظم کی مخصوص قسم کی شناخت کے طور پر کرتے ہیں' جیسے ناول، ڈرامہ یا افسانہ کی صنف یا شاعری کی اصناف میں غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ وغیرہ کو اصنافِ ادب کہا جاتا ہے۔

انگریزی زبان میں صنف کے لیے Gender کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو لاطینی زبان کے لفظ Genus سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ''قسم'' (Kind or Type) لیے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان میں لفظ جینڈر' کا استعمال بنیادی طور پر گرامر کے تناظر میں کیا گیا۔ یہ لفظ عورت و مرد کی جنسی شناخت یا الفاظ کو مذکر یا مونّث کی شناخت یا دیگر صورتوں کی قسم کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' جبکہ انگریزی ادب میں لفظ Genre ادبی تحریروں کی اقسام کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر کی سطور میں بتایا گیا کہ ''صنف'' کے صرف لفظی معنی ہی نہیں ہیں بلکہ اس کا استعمال خاص سماجی مفہوم یا اصطلاح کے طور پر بھی کیا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح سماج کی خاص طرزِ فکر اور عمل کی ترجمان ہے۔ جس میں عورت اور مرد دونوں کی سماجی و ثقافتی حیثیت کا تعین پوشیدہ ہے۔ ایسی اصطلاح جو، عورت و مرد سے وابستہ سماجی اور ثقافتی امتیازات، کردار اور مخصوص توقعات کو سمجھنے کے لیے زیادہ وسیع پیمانے پر استعمال کی جاتی ہے۔ اسی لیے ''صنف'' کو باقاعدہ سماجی نظام کی اصطلاح کے طور پر سمجھنا بھی ضروری ہے۔ انیسویں صدی کے آخری دہائیوں سے تانیثی مفکرین، محققین اور ناقدین اس لفظ کو اصطلاحی معنوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ تانیثی تحریکوں اور حقوقِ نسواں کے متعلق تحقیقات میں یہ لفظ خاص سیاق وسباق اور معنوں میں استعمال کیا جانے لگا ہے جو سماج میں عورت و مرد کی حیثیت میں فرق کو نمایاں کرتا ہے۔ یعنی عورت و مرد، دونوں کے درمیان کیے جانے والے امتیازات، رویے، سماجی اصول وضوابط اور ان کے مطابق دیے جانے والے کردار یا رول کی ترجمانی کے لیے اصطلاح کے طور پر ''صنف'' کا استعمال کیا جانے لگا ہے۔ یہ لفظ فی زمانہ علوم کی تمام شاخوں، ترقی کے پروگرام و پالیسیز اور اقدامات کے لیے ایک اہم عنصر اور تحقیق و تنقید کے لیے ایک تجزیاتی آلہ بن گیا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں بھی یہ لفظ مرکب لفظ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جیسے صنفی امتیازات، صنفی مساوات، صنفی انصاف وغیرہ۔ یہ تمام اصطلاحیں سماجی ڈسکورس، علمی مباحث اور تحقیق و تنقید کا حصّہ بن گئی ہیں۔

1.4 صنف کی تعریف و تشریح (Definition and Explanation of Gender)

انسان پیدائش کے وقت اپنی حیاتیاتی پہچان (Biological identity) لے کر پیدا ہوتا ہے جسے ''جنس'' (Sex) کہا جاتا ہے۔ جنس، یعنی مخصوص تولیدی اعضاء کی بنیاد پر پیدا ہونے والے بچے کی شناخت لڑکا یا لڑکی کے طور پر کی جاتی ہے۔ انسان کی پیدائش کے وقت یہ جنسی شناخت قدرت کی جانب سے عطا کردہ ہوتی ہے۔ قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ مخصوص تولیدی اعضاء اور ان کی کارکردگی سے ہٹ کر باقی تمام معاملات میں لڑکا اور لڑکی یا عورت و مرد کے درمیان کوئی قدرتی فرق نہیں ہوتا۔ بہ حیثیت انسان کے بنیادی صفات اور ضروریات میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ پیدائش کے بعد جیسے جیسے سماج کا حصّہ بننے لگتا ہے تو اسی جنسی شناخت کی بنیاد پر سماج ان کے لیے مخصوص اصول وضوابط اور سماجی رول طے کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہسپتال میں جب بچّہ لڑکا یا لڑکی کی جنسی شناخت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے تو نرس اسی مناسبت سے لڑکا ہے تو اسے نیلے کپڑے میں اور اگر لڑکی ہے تو اسے گلابی کپڑے میں لپیٹتی ہے اور اسے الگ الگ پہچان دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی طرح سے خاندانی سطح پر، کپڑے، رنگ، کھلونے، رسم ورواج، لوریاں اور گیت وغیرہ کے ذریعے سے لڑکا اور لڑکی دونوں میں تفریق کا عمل ابتدائی عمر سے ہی شروع ہو جاتا ہے جو ''مردانہ اور زنانہ'' مختلف صفات کی صورت میں

پرورش کے لیے لازم سمجھا جاتا ہے۔ سماج کے تعمیر کردہ "مردانہ اور زنانہ" صفات کو فروغ دینے کا یہ عمل خاندان سے لے کر سماج کے تمام اداروں کے تحت انسان کی ساری عمر جاری رہتا ہے۔ یہ فرق فطری یا قدرتی نہیں ہوتا ہے' بلکہ سماج کی جانب سے بنایا گیا ایک نظامِ تفریق ہے جو انسانی زندگی کے ارتقاء میں صدیوں سے رائج ہے۔ اسی کی بنیاد پر سماج مرد و عورت کے درمیان اپنے اپنے طور پر ان کے بنیادی حقوق اور وسائل کی فراہمی کے علاوہ زندگی سے جڑے تمام معاملات میں فرق کرتا ہے۔ ان کے ساتھ جدا جدا رویوں اور اصولوں کو اپناتا ہے۔ عورت و مرد کے درمیان کیے جانے والے فرق پر مبنی ایسے ہی تصوّرات، نظریات اور نظامِ فکر کو "صنف" (Gender) کا نام دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ "صنف" ایک اصطلاح ہے جو' عورت و مرد کے درمیان سماجی رول اور ذہنی رویوں نیز برتاؤ کے اس فرق کی ترجمان ہے جو معاشرہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ قدرتی اور فطری نہیں ہے بلکہ صدیوں کے دوران سماج کے ہاتھوں تشکیل پایا تصور ہے جو وقت، حالات اور ضرورت کے تحت تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ مختلف سماجوں میں صنف کا تصور اور عملی نظام مختلف بھی ہو سکتا ہے۔

صنف کی ایک تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ " صنف یعنی سماج کا یہ ایک ایسا نظامِ فکر ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں عورت اور مرد کے درمیان فرق پیدا کرتا ہے اور انھیں دو مختلف شناخت والی صفات کے حامل افراد مانتا ہے۔ یعنی حیاتیاتی یا جنسی شناخت (لڑکا یا لڑکی) کی بنیاد پر سماج مخصوص صفات اور اصول و ضوابط طے کرتا ہے پھر ان ہی اصولوں کے مطابق عورت و مرد کو اپنے سماجی کردار ادا کرنے ہوتے ہیں۔ تفرقہ والے ان سماجی رویوں کو "صنف" کہا جاتا ہے۔

تانیثی مفکر کملا بھسین اپنی کتاب "Understanding Gender" میں صنف کی تعریف و تشریح کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ "اس وقت لفظ صنف کا استعمال سماجی مفہوم یا اصطلاح کے طور پر ہو رہا ہے۔ اس لفظ کو ایک بہت ہی خاص مفہوم دے دیا گیا ہے جس کے معنی عورت اور مرد دونوں کی سماجی و ثقافتی حیثیت کا تعین ہے یعنی سماج مرد و عورت کو کس طرح سے دیکھتا ہے، انہیں کیسے کردار، حقوق اور وسائل فراہم کرتا ہے اور انہیں کس قسم کا رویہ و ذہنیت سکھاتا ہے۔ آج کل اس لفظ کا استعمال عورتوں و مردوں کے سماجی حقائق کو سمجھنے کے لیے تشریح کے ایک وسیلے کے طور پر بھی کیا جاتا ہے"

UN women کی جانب سے صنف کی تعریف اور وضاحت کس طرح سے کی گئی ہے دیکھیے

"صنف' مرد اور عورت کے سماجی صفات کے ساتھ ساتھ عورتوں اور مردوں کی حیثیت اور ان کے درمیان تعلقات سے مراد ہے۔ یہ صفات، مواقع اور تعلقات سماجی طور پر طے کیے جاتے ہیں اور سماجیانہ کے عمل کے ذریعے سیکھے جاتے ہیں۔ وہ سیاق و سباق/ وقت کے ساتھ مخصوص اور قابل تغیر ہوتے ہیں۔ صنف اس بات کا تعین کرتی ہے کہ ایک مخصوص سیاق و سباق میں عورت یا مرد سے کیا توقع کی جائے۔ زیادہ

تر معاشروں میں تفویض کردہ ذمہ داریوں، سرگرمیوں، وسائل تک رسائی اور ان پر کنٹرول کے ساتھ ساتھ فیصلہ سازی میں خواتین اور مردوں کے درمیان اختلافات اور عدم مساوات پائے جاتے ہیں"

World Health Organization(WHO) کے مطابق

"صنف سے مراد عورتوں، مردوں یا لڑکیوں اور لڑکوں کی وہ خصوصیات ہیں جو سماجی طور پر تعمیر یا تشکیل کی گئی ہیں۔اس میں ایک عورت، مرد یا لڑکی' لڑکے کی شناخت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات سے منسلک اصول، رویے اور کردار بھی شامل ہیں۔ ایک سماجی تعمیر کے طور پر' صنف ہر معاشرے میں مختلف ہوتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ بدل سکتی ہے"۔

جبکہ The United Nations Children's Fund(UNICEF) کی جانب سے صنف کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"صنف' ایک سماجی اور ثقافتی تعمیر ہے' جو مردوں اور عورتوں کی صفات میں فرق کو واضح کرتی ہے۔ عورتوں اور مردوں کے کردار اور ذمہ داریوں سے مراد ہے۔ جنس کی بنیاد پر کردار اور دیگر صفات مختلف ثقافتی سیاق وسباق میں وقت کے ساتھ بدلتے ہیں اور مختلف ہوتے ہیں۔ صنف کا تصور عورت اور مرد دونوں (نسائیت اور مردانگی) کی خصوصیات، قابلیت اور ممکنہ طرز عمل کے بارے میں رکھی گئی توقعات ہیں"

مذکورہ بالا تعریفوں اور تشریحات سے آپ یہ جان گئے ہوں گے کہ "صنف" کا تصور انسانی زندگی کے ارتقاء کے دوران ایک ایسے سماجی و تہذیبی نظام کے طور پر تشکیل دیا گیا' جو فرد کو اس کی جنسی شناخت یعنی عورت یا مرد ہونے کے مطابق جدا جدا ذہنی رویّے اور صفات و سماجی کردار عطا کرتا ہے۔اسی نظام کے تحت مردانیت ونسوانیت کے ترجمان اصول وضوابط بنائے جاتے ہیں۔ گویا صنف ایک ایسا تہذیبی نظام اور ذہنی رویہ ہے جو فطرت کے برخلاف کسی فرد کو اس کی حیاتیاتی شناخت یعنی عورت و مرد کے مطابق جدا جدا صنف پر مبنی صفات عطا کرتا ہے اور ایک دوسرے کو دیکھنے سمجھنے کے لیے ایک خاص نقطۂ نظر فراہم کرتا ہے۔ صدیوں کے دوراں رائج ہوئے اس نظامِ فکر کے نتیجے میں صنفی تصورات اور نظریات سماجی نظام میں کچھ اس طرح شامل ہوگئے کہ ان صفات کو عورت و مرد کے لیے نہایت لازم، فطری اور قدرتی سمجھا جانے لگا اور ان کی آبیاری نیز پاسداری کے لیے سماجی اور تہذیبی اصول بنا دیے گئے جو تمام عمر مختلف طرح سے افراد کے صنفیانہ (Gendarization) کا حصّہ بنتے رہتے ہیں۔ صنف پر مبنی صفات کی چند مثالیں دیکھیے

عورت	مرد	عورت	مرد
صابر	غصّہ ور	خوف زدہ ڈرپوک	بے خوف ونڈر
ماتحت،تابع و منحصر	حاکم،آزاد اور خود انحصار	جذباتی اور بے ہمت	مضبوط ارادوں اور ہمت والا
معصوم	چالاک	کمزور، نرم و نازک	بہادر اور طاقتور
نرم دل، مشفق و جذباتی	سخت مزاج، سخت دل	گھر بار سنبھالنے والی امورِ خانہ داری میں ماہر	روزی وروٹی کمانے والا

سماج کے یہ ذہنی رویے امتیازات پر مبنی ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر سماج نے عورت کو کمزور جنس یا صنفِ نازک اور جذباتی قرار دیا وہیں مرد کو طاقتور، بہادر اور صنفِ قوی کا تصور دیا' جبکہ عقلیت پسندی سے جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف جغرافیائی پس منظر میں مرد نازک و جذباتی جبکہ عورتیں نہایت قوی اور طاقتور بھی ہوتی ہیں۔ صنف کے اسی تصور کی بنیاد پر مخصوص ترجیحات بنائی گئیں، جہاں عورت کو نرم و نازک'کمزور'فرمابردار'ماتحت بنادیا وہیں مرد کو بالاتر'آزاد'بہادر'طاقتور مزاج کا حامل بنادیا۔یہ صنفی تقسیم مردانہ وزنانہ کے تصور سے کی جاتی ہے۔اسی تشکیل کی بناءپر عورت کا کردار متاثر ہو کر رہ گیا ہے۔

الغرض عصرِ حاضر میں صنف' ایک ایسی اہم اصطلاح کے طور پر رائج ہو گئی ہے'جو سماج میں عورت و مرد کے مقام کا تعین کرنے نیز ترقی کے معیار کو جانچنے کے لیے اہم نقطۂ نظریا تحقیق و تنقید کا آلہ کے طور پر بھی استعمال ہو رہی ہے۔اس خاص آلہ تحقیق و تنقید سے عورت اور مرد دونوں کی سماجی و ثقافتی حیثیت کے فرق اور مسائل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔جس وقت سے ''صنف'' کا تصوّر ایک تحقیقی و تنقیدی آلہ یا عدسہ کے طور پر ابھرا ہے اور اس کے ذریعے سے سماج کے صنفی نظریات کو جانچنے کی کوشش کی گئی تو کئی ایسے عوامل سامنے آئے جو افراد کی زندگی میں روایات کی طرح رائج ہیں۔یہ روایتیں حقیقت اور فطرت کا درجہ اختیار کرلی ہیں۔

1.5 جنس اور صنف کے مابین فرق(Difference between Sex & Gender)

بالعموم جنس اور صنف' دونوں الفاظ کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے استعمال بھی کیا جاتا ہے لیکن ان دو الفاظ میں نمایاں فرق موجود ہے' جسے سمجھنا ضروری ہے۔بنیادی طور پر یہ الفاظ مختلف حقائق اور تصورات کی نمائندگی کرتے ہیں جو معاشرے میں ہماری جنسی شناخت اور سماجی کردار کی وضاحت کرتے ہیں۔آگے کی سطور میں ہم ''جنس اور صنف'' کے امتیازات کو وضاحت سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات پر یہ سمجھنے کی کوشش کی تھی کہ سماج کی ترقی میں عورت و مرد کی شمولیت اور حصّہ داری کتنی اہم ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک جامع اور مساوی معاشرے کو فروغ دینے کے لیے جنس اور صنف کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ صنف کو سماجی تعمیر اور جنس کو حیاتیاتی وصف کے طور پر تسلیم کرنے سے ہم انسانی شناخت کے تنوع کی تعریف کر سکتے ہیں اور انفرادی صلاحیتوں کو محدود کرنے والے سخت اصولوں کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ حقوقِ نسواں کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں یہ سمجھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے کہ یہ تصورات ہماری زندگی کو کس طرح مخصوص زاویے عطا کرتے ہیں اور ہمارے نظریات کو کیسے تشکیل دیتے ہیں۔

''جنس" انسانی شناخت کو سمجھنے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ''جنس'' ایک حیاتیاتی وصف (Biological attribute) ہے۔ جنس سے مراد، نر اور مادہ کے درمیان حیاتیاتی فرق ہے۔ جیسے تولیدی اعضاء، کروموزوم اور ہارمونز، جنسی شناخت کے لازمی عناصر ہیں۔ یہ جنسی خصوصیات بچے کی پیدائش کے وقت ''لڑکے یا لڑکی بائنیری'' (Binary) کی شناخت کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ حیاتیاتی شناخت نسبتاً مستقل اور عالمگیر ہے۔ تاہم ہمیں یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ ہر کوئی ان بائنری زمروں میں فٹ نہیں ہوتا بلکہ سماج میں چند ایک ایسے بھی افراد ہوتے ہیں جن میں نر اور مادہ دونوں حیاتیاتی خصلتوں کا امتزاج ہو سکتا ہے۔ جن کا شمار غیر بائنیری افراد (Non-Binary people) یا دیگر جنسی شناخت والے افراد میں ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کے تناظر میں ایسے افراد کی مجموعی ترقی اور ان کے ساتھ امتیازی رویوں کا خاتمہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ہم عورت و مرد کی مساویانہ ترقی اور بااختیاری کی اہمیت سمجھتے ہیں۔

''جنس'' کو ایک قدرتی اور حیاتیاتی پہچان بھی کہا جا سکتا ہے۔ یعنی جنس سے مراد عورت اور مرد کے درمیان وہ حیاتیاتی فرق ہے جو عورت اور مرد کی شناخت کرواتا ہے جو بلحاظ زماں و مکاں یکساں ہوتا ہے۔ اس حیاتیاتی فرق میں کہیں بھی کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ دنیا کے کسی بھی مقام یا کسی رنگ و نسل، مذہب، ذات پات کی عورت اور مرد کی حیاتیاتی شناخت ایک ہی طرح سے کی جا سکتی ہے۔ دونوں میں جو نمایاں فرق ہوتا ہے وہ فطری اور قدرتی فرق ہوتا ہے۔ جبکہ ''صنف'' ایک سماجی تصور ہے جس کا تعلق جنس سے نہیں ہے لیکن یہ سماج کا تشکیل کردہ ایسا تصوراتی اور فکری نظام ہے جو عورت و مرد کے متعلق صفات، طرز فکر اور عمل کا ایک فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ جس کے دائرے میں رہ کر دونوں جنسوں کے درمیان فرق کی سماجی و نظریاتی تشکیل کی جاتی ہے اور اس کی نمائندگی کی تشریح کی جاتی ہے۔ یہ تشریح ہر سماج کی یکساں نہیں ہوتی بلکہ مختلف ہو سکتی ہے۔

بالعموم جنس اور صنف کو ہم معنی سمجھ لیا جاتا ہے جبکہ ''جنس اور صنف'' میں بڑا نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ جنس قدرتی اور حیاتیاتی پہچان ہے تو صنف سماجی اور تہذیبی پہچان ہے۔ اس سماجی پہچان کو بنانے میں تہذیبی امور بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سماج کے بنائے ہوئے مخصوص سماجی کردار، اصول و نظریات اور رویے ہوتے ہیں، جو زندگی کی ہر سطح پر عورت اور مرد میں تخصیص پیدا کرتے ہیں۔ جنسی شناخت کی

بنیاد پر ہی دراصل صنف کی تشکیل کی جاتی ہے۔ تمام زندگی عورت اور مردان ہی تشکیل شدہ اور طے شدہ وہ کردار یا رول ادا کرتے ہیں۔ جنس اور صنف کے فرق کو نیچے جدول میں دی گئی وضاحت سے سمجھا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

جنس(Sex)	صنف(Gender)
☆ جنس حیاتیاتی پہچان ہے یعنی ایسا فرق جو عورت مرد کے اعضائے تناسل اور اس سے وابستہ تولیدی عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔	☆ صنف سماجی کردار یا تصور ہے۔ اس کا تعلق پدر سری اور مادر سری خوبیوں، طرز معاشرت اور سماجی کرداروں وغیرہ سے ہوتا ہے۔
☆ جنسی پہچان قدرت کا عطیہ ہے۔	☆ صنفی شناخت قدرتی یا فطری نہیں ہے بلکہ سماجی اور تہذیبی طور پر تشکیل دیا گیا رویہ ہے نیز اسے انسانوں نے اپنی حاکمیت اور غلبہ کو قائم رکھنے کے لیے بنایا ہے۔
☆ جنس دائمی ہے ہر جگہ اور ہر وقت جسمانی اعتبار سے عورت و مرد کے اعضاء وہی ہوتے ہیں۔	☆ صنف کا نظام یا تصور دائمی نہیں ہے بلکہ تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ یہ سماجی و تہذیبی پس منظر کے ساتھ بدل بھی جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں بھی بدل سکتا ہے۔
☆ جنس کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ (تاوقت یہ کہ کوئی شدید حیاتیاتی مسئلہ درپیش ہو)	☆ چونکہ ''صنف'' ایک نظامِ فکر ہے جسے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

(Source: What is gender, by Kamla Bhasin)

پچھلے صفحات پر کیے گئے تقابلی تجزیے سے آپ کو یہ واقفیت حاصل ہوئی کہ صنف قدرتی یا فطری پہچان نہیں ہے بلکہ سماج کا بنایا گیا ایک نظام ہے جس میں عورت و مرد کے مختلف کردار، صفات، طرز عمل، سرگرمیوں اور توقعات کو شامل کیا گیا ہے۔ دراصل تہذیب و تمدن کے ارتقاء کے دوران پدرانہ سماج نے مردوں اور عورتوں کے لیے جو مناسب سمجھا اسی کے مطابق ضوابط بنالیے اور انھیں نسل در نسل پہنچانے کی کوشش کی۔ سترہویں صدی سے عالمی سطح پر حقوقِ نسواں اور ان کے ساتھ ہونے والے امتیازات کے متعلق شعور بیدار ہوا نیز تحریکات شروع ہوئیں۔ جنھیں ہم ''حقوقِ نسواں کی تحریکیں یا تانیثی تحریکات'' کے نام سے جانتے ہیں۔ ان تحریکات کے نتیجے میں کئی ماہرینِ علوم کے نظریات سامنے آئے اور انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سماج میں عورت کی پسماندگی اور محکومیت کے پسِ پردہ یہی صنفی تصورات کارفرما ہیں۔ حقوق نسواں کے ماہرین کا کہنا ہے کہ صنفی اصول موروثی نہیں ہیں بلکہ معاشرے کی طرف سے طاقت کی حرکیات کو برقرار رکھنے

کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ صنفی اصول افراد کو مقررہ کرداروں تک محدود کرتے ہیں۔ ان کے لیے مواقعوں اور خود ان کی صلاحیتوں کو بھی محدود کرتے ہیں۔

اہم نکات

- ''صنف'' سے مراد سماجی طور پر بنائے گئے وہ کردار، رویے، سرگرمیاں اور صفات ہیں جنہیں معاشرہ مردوں اور عورتوں کے لیے مناسب سمجھتا ہے۔ 'مذکر' اور 'مونث' 'جنس' کے دو زمرے ہیں۔ جبکہ اصطلاح میں ''صنف'' بہ طور اصطلاح معاشرے کی طرف سے مردوں اور عورتوں کے لیے تشکیل کی گئی خصوصیات اور ان کے رویوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
- ''صنف'' حیاتیاتی پہچان نہیں ہے بلکہ سماجی تصور ہے۔ جیسے نوزائیدہ بچوں اور چھوٹے بچوں (لڑکیوں اور لڑکوں) کو اس بات کی سمجھ نہیں ہوتی ہے کہ انہیں کس طرح نظر آنا ہے۔ کیسے بولنا ہے یا ان کا لباس کس نوعیت اور رنگ کا ہونا چاہیے۔ سماجی رشتوں کے ساتھ ان کا برتاؤ کس طرح کا ہوگا، لیکن جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے جاتے ہیں ان کے سماجیانہ کا عمل انھیں لڑکا یا لڑکی کے طور پر خاص طرزِ عمل سکھاتا ہے اور ان کے لیے مخصوص صفات کا تعین کرتا ہے۔ سماج دراصل افراد سے ''مردانہ و زنانہ'' علیحدہ خصوصیات کی توقع کرتا ہے، جس کی تشکیل باقاعدہ بچپن سے ہی کی جاتی ہے۔
- ''جنس اور صنف'' کے درمیان فرق اس سماجی دلیل کو نمایاں کرتا ہے کہ افراد کی حیاتیاتی جنس پر مبنی بہت سے کردار اور رویے پیدائشی نہیں ہوتے بلکہ سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں۔ یہ سیکھنے کا عمل اس بات کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے کہ معاشرے میں صنفی کردار کیسے بنتے اور قائم رہتے ہیں۔
- صنفی نظامِ فکر سماج میں عدم توازن پیدا کرتی ہے اور مجموعی ترقی میں بڑی رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔ ایک بہتر اور زیادہ مساوی معاشرہ بنانے کی سمت بڑھنے اور کامیاب ہونے کے لیے اس نقطۂ نظر کو سمجھنا ناگزیر ہے۔

1.6 صنفی نظامِ فکر (Gender Idealogy)

1.6.1 نظامِ فکر سے کیا مراد ہے؟ (What is meant by Idealogy?)

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق

Idealogy is the set of beliefs characteristic of a social group or individual.

آئیڈیالوجی سے مراد سماجی گروہ یافرد کے عقائد کا مجموعہ ہے''۔یعنی یہ نظامِ فکر' سماجی تصورات، عقائد اور اقدار کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو کسی شخص یا افراد کے گروہ سے منسوب ہوتا ہے۔ یہ عقائد سماج میں خاص فکر اور عمل کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں اور روز مرہ زندگی کے ساتھ ساتھ تہذیب و ثقافت کا اہم جز بن جاتے ہیں۔ سماج کے تشکیل کردہ اس نظامِ عقائد کو علم و عقل کی بنیاد پر جانچا پرکھا جائے تو وہ کھرے نہیں اتر تے بلکہ ان کی سماجی و ثقافتی تشکیل واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم اسے کسی ایک فرد یا سماجی افراد کے اقدار، عقائد، مفروضوں اور توقعات کے مجموعہ کے طور پر سمجھ سکتے ہیں جو ایک سماجی نظام کی شکل میں افراد کی فکر و عمل کا حصہ ہے۔ یہ انفرادی فکر یا عقائد بھی ہو سکتے ہیں اور ایک گروہ یا تمام معاشرے کے بھی عقائد کا مجموعہ ہو سکتے ہیں۔

نظامِ فکر، اقدار، نظریات، اصولوں، اور رہنما خطوط کے ایک سیٹ سے مراد ہے جو افراد کے ایک گروپ میں مشترک ہوتے ہیں۔ یہ عقائد یا تصورات بالعموم سائنسی طور پر ثابت نہیں کیے جا سکتے یا انہیں صحیح دلائل کے ساتھ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ اکثر معاشرے کے عقائد، سوچ و فکر کے نمونوں اور طرزِ زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

1.6.2 نظامِ فکر اور نظریہ کے مابین فرق(Difference between Idealogy and Theory)

نظریہ سے مراد ایک ایسا نظامِ علم یا سائنسی فکر ہے جس کا مقصد کسی چیز یا قیاس یا حقائق کی وضاحت کرنا ہے خاص طور پر عام اصولوں پر مبنی تصورات یا عقائد کی مستند وضاحت سے مراد ہے۔ نظریہ 'تصورات، قوانین اور اصولوں کے ایک سیٹ پر مبنی کسی رجحان کی مربوط وضاحت کا نام ہے۔ نظریہ 'یعنی ہم اسے ایک ایسے ماڈل یا فریم ورک سے مراد بھی لے سکتے ہیں جو کچھ مظاہر کی وضاحت یا پیش گوئی کرتا ہے۔ نظریات عام طور پر سائنسی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں اور انہیں ثبوت کے ساتھ ثابت یا غلط ثابت کیا جا سکتا ہے۔ وہ رہنما اصولوں یا عقائد کے بجائے موجودہ مظاہر کی وضاحت فراہم کرتے ہیں۔

نظامِ فکر' سماج کے تصورات، مفروضات، عقائد اور توقعات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ عقائد کا نظام کسی فرد یا پورے معاشرے سے منسوب ہوتا ہے۔ یہ نظام بنا کسی تفتیش یا جانچ کے قبول کر لیا جاتا ہے اور ثقافت یا روایت بن کر نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے' جبکہ ''نظریہ'' ایک سائنسی طور پر قابلِ آزمائش اور غلط فہمی یا کسی رجحان کی وضاحت کرتا ہے۔ نظریہ تجرباتی اور تجزیاتی شواہد پر مبنی ہوتا ہے اور سائنسی طریقوں سے تصدیق شدہ ہوتا ہے۔ اسی لیے سماجی عقائد اور تصورات و روایات کی اصلاح میں دلائل کے ساتھ وضاحت پیش کرنے کے متحمل ہوتا ہے۔

1.6.3 صنفی نظامِ فکر سے کیا مراد ہے(What is meant by Gender Idealogy)

"صنفی نظامِ فکر" یعنی سماج کے ان عقائد اور تصورات کے نظام سے مراد ہے جو معاشرے میں عورت و مرد کے متعلق صنفی امتیازات کی روایتوں اور رویوں کو تشکیل دیتے ہیں نیز صنف سے متعلق کردار، حقوق اور طاقت کی حرکیات کی وضاحت، تقسیم اور جواز پیش کرنے کے طریقوں کی تعمیر کرتے ہیں۔ یہ عقائد کا نظام واضح طور پر رسمی قواعد کے ذریعے اور ثقافتی اصولوں کے ذریعے کام کرتا ہے' جو ذاتی شناخت سے لے کر ادارہ جاتی ڈھانچے تک ہر چیز کو متاثر کرتا ہے۔ صنفی نظام فکر دراصل وہ سماجی تعمیرات ہیں جو'پوری تاریخ میں مختلف وقتوں میں مختلف نوعیت کی رہی ہیں'لیکن سماج میں بڑی گہرائیوں تک پیوست رہی ہیں۔ صنفی نظامِ فکر کو ایک سماجی نظام کے طور پر سمجھنا ضروری ہے۔

صنفی نظامِ فکر' سے مراد صنفی کردار، حقوق اور طرز عمل کے بارے میں عقائد اور توقعات کا مجموعہ ہے۔ یہ نظریات اکثر اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ افراد کو ان کی جنس کی بنیاد پر کیسا برتاؤ کرنا چاہیے، اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ مردوں اور عورتوں کے لیے "مناسب" کیا سمجھا جاتا ہے۔ ماہر عمرانیات آندرے بیتیل کے مطابق "صنفی نظریہ معاشرے کے اندر طاقت اور وسائل کی تقسیم میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ اکثر جمود کو جائز بناتا ہے، روایتی کرداروں کو تقویت دیتا ہے اور موجودہ طاقت کی حرکیات کو برقرار رکھتا ہے۔" اس ضمن میں کیے گئے مطالعات اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح صنفی نظریات صرف غیر فعال عقائد نہیں ہیں بلکہ فعال قوتیں ہیں جو معاشرتی اصولوں کو تشکیل دیتی ہیں۔ وہ خاندانی ڈھانچے سے لے کر کام کی جگہ کی حرکیات تک ہر چیز پر اثر انداز ہوتے ہیں، اکثر پدرانہ نظام کو تقویت دیتے ہیں جہاں مردوں کو غالب اور خواتین کو ماتحت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ مختلف طریقوں سے ظاہر ہو سکتا ہے، جیسے سماج میں عورت کی ثانوی حیثیت، غیر مساوی کام تنخواہ، تعلیم اور ترقی کے وسائل تک محدود رسائی، خواتین کے لیے محدود کیریئر کے مواقع، بنیادی حقوق اور ورثہ کی عدم ادائیگی' وغیرہ۔ یہ سماجی نظام' خیالات، مفروضوں اور اقدار کے پیچیدہ جال کی طرح ہے' جو معاشرے میں عقائد کے نظام کے طاقتور فریم ورک کے طور پر کام کرتا ہے۔ جو عورت و مرد کے درمیان سماجی کرداروں، حقوق اور طاقت کی مخصوص تقسیم کو درست اور برقرار رکھتا ہے۔ صنفی نظامِ عقائد یا سماجی نظریات جامد نہیں ہوتے۔ وہ وقت کے ساتھ تیار ہوتے ہیں اور ثقافتوں میں نمایاں طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن سماج کی یہ فکر اور عملی تدبیریں عورت و مرد کے درمیان تعلقات کو ان طریقوں سے منظم کرتی رہی ہیں کہ افراد انھیں فطری یا ناگزیر سمجھنے لگتے ہیں۔

صنفی نظامِ فکر' عورتوں، مردوں اور متبادل صنفی شناختوں کے حوالے سے ثقافتی عقائد اور تصورات پر مبنی ہے' جو صنف کی سماجی طور پر تعمیر شدہ نوعیت اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں پر نظریاتی صنف کے اثرات پر زور دیتا ہے۔ صنفی نظام عقائد کو ایک طاقتور قوت بھی قرار دیا

جا سکتا ہے جو معاشرے کے اندر کرداروں، حقوق اور طاقت کی حرکیات کو سمجھنے اور نافذ کرنے کے طریقے کو تشکیل دیتی ہے۔ یہ ذاتی تعلقات سے لے کر ادارہ جاتی ڈھانچے تک ہر چیز پر اثر انداز ہوتی ہے۔ سماج میں موجود اس نظامِ فکر کا جائزہ لے کر ہم ان بنیادی عقائد کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں جو صنفی عدم مساوات میں اپنا اہم رول ادا کرتے ہیں۔ طاقت کی تقسیم پر اس نظامِ عقائد کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ یہ اکثر عدم مساوات کو جواز اور برقرار رکھنے کے لیے ایک آلے کے طور پر کام کرتا ہے۔ ہندوستان میں صنفی نظامِ عقائد' دوسری سماجی تعمیرات جیسے طبقاتی نظام، ذات پات اور قبائلی نظام کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں سماجی سطح پر امتیازی سلوک اور استحقاق کی مزید پیچیدہ صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ہندوستان میں صنفی نظامِ فکر کی جڑیں بڑی گہری ہیں۔ اسی نظام کی بنیاد پر مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو کمزور و کمتر سمجھا جاتا ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں، مردوں اور عورتوں کے لیے الگ اصول بنائے جاتے ہیں جو ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ہی نہیں مستقبل کو بھی کنٹرول کرتے ہیں۔ ان کے حقوق اور وسائل تک رسائی کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر معاشروں میں عورتیں فیصلہ سازی سے محروم ہیں۔ صنفی نظریات کی وجہ سے سماج میں جاری تعصبات کے سماج پر بہت دوررس نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ وہ تعلیمی مواقع سے لے کر صحت کی دیکھ بھال اور رسائی تک ہر چیز کو متاثر کرتے ہیں' جس کے نتیجے میں اکثر تفاوت پیدا ہوتا ہے جو خاندانی نظام کے ساتھ ساتھ خواتین کو زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔ مثال کے طور پر سماج میں صنف کی بنیاد پر گھریلو تشدد، استحصال یا کام کی جگہ پر ہراسانی عام ہے۔ مادہ جنین کشی، عصمت ریزی، جنسی استحصال، جہیز ہراسانی کے بڑھتے اعداد و شمار ہندوستان کے صنفی رویوں کی حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں۔ بیشتر معاشروں میں خواتین کی تعلیم اور صحت کے مسائل کو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے خواتین میں عدم تحفظ، اعلیٰ اور پیشہ ورانہ تعلیم کی کمی، ان کی صلاحیتوں کا عدم فروغ، ان کے خلاف تشدد اور استحصال کی وجہ سے ان کی ذہنی و جسمانی صحت کے خراب نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں اقلیتوں، نچلی ذاتوں اور قبائلیوں کے منفرد تہذیبی روایات اور طریقے ہیں۔ ان معاشروں میں مختلف صنفی طور طریقے رائج ہیں نیز اکثریتی طبقے کے ذریعے ان پر جبر و تشدد اور استحصال کا بھی رواج عام ہے۔ ان تمام اثرات سے خواتین مزید متاثر ہوتی ہیں۔ ذات پات کا نظام صنفی نظریات کو بڑھانے میں ایک اور اضافی پرت کا کام کرتا ہے۔ ذات پر مبنی اصول اکثر مختلف کمیونٹیز میں مردوں اور عورتوں سے متوقع کردار اور طرزِ عمل کا حکم دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، نچلی ذات سے تعلق رکھنے والی خواتین کو ان کی صنف اور ذات دونوں کی وجہ سے دوہرے امتیاز کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جس سے تعلیم، ملازمت اور دیگر مواقعوں اور سہولتوں تک ان کی رسائی بڑی محدود ہو جاتی ہے۔

1.7 صنفی درجہ بندی(Gender Stratification)

"درجہ بندی" ایک اصطلاح ہے۔ کیمبرج لغت کے مطابق "کسی چیز کی مختلف گروہوں یا تہوں میں ترتیب "درجہ بندی" کہلاتی ہے"۔ سماج کے ارتقاء کے دوران مختلف تبدیلیاں واقع ہوئیں۔تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ سماج کبھی یکساں نہیں رہا۔ مختلف عوامل جیسے مذہب،اعتقادات،ذات پات،طبقہ،پیشہ وغیرہ کی بنیاد پر سماجی تقسیم ہوتی رہی اور مختلف گروہ یا سماجی زمرے وجود میں آتے رہے۔ سماجی سطح بندی یا درجہ بندی سے مراد وہ عمل یا سماجی نظام ہے جو صدیوں سے چلا آرہا ہے' جس میں لوگوں یا چیزوں کو مختلف خصوصیات کی بنیاد پر منظم یا مختلف سطحوں یا طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے یا زمرہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ اصطلاح اکثر سماجیات کے مطالعات و تحقیق میں معاشرے میں 'مذہب،ذات، طبقے،اعلیٰ وادنیٰ کی بنیاد پر پائی جانے والی درجہ بندی کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جس سے ہم بہ آسانی سماجی ڈھانچے کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار کے تجزیہ، مارکیٹ ریسرچ، یا دیگر سائنسی شعبوں میں بھی نمونوں یا ڈیٹا کو الگ الگ طبقے یا تہوں میں درجہ بندی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ کہ صدیوں سے مختلف عوامل کی بنیاد پر سماج کی تقسیم عمل میں آتی رہی یا زمرہ بندی ہوتی رہی'لیکن جنسی شناخت اور صنفی نظامِ فکر کی بنیاد پر بھی سماج نے عورت و مرد کو دو مختلف درجات یا طبقات میں تقسیم کر لیا۔ان کے متعلق مختلف تصورات،عقائد اور روایات کا ایک باقاعدہ نظام بنالیا اور اسی کے مطابق حقوق اور وسائل کی تقسیم بھی ہوتی رہی اور مقام و مرتبہ کا تعین کیا جاتا رہا۔ سماج کی درجہ بندی یا سطح بندی میں صنفی درجہ بندی کے متعلق روایات اور تصورات سماج کے نظامِ فکر کا حصہ بنتے چلے گئے اور صدیوں کے دوران معاشرے میں ان کی جڑیں گہرائی تک پیوست ہو گئیں۔ مذکورہ تشریح سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ "صنفی درجہ بندی سے مراد مردوں اور عورتوں کے درمیان درجہ بندی ہے' جو جنس کی بنیاد پر کی جاتی ہے"۔

صنفی درجہ بندی دنیا کے تقریباً سماجوں میں رائج ہے۔ صنفی درجہ بندی غیر مساوی ملکیت، طاقت، سماجی کنٹرول، وسائل اور مواقعوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اکثر معاشروں میں، صنفی درجہ بندی اور صنفی عدم مساوات کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کو مختلف سطحوں پر رکھا جاتا ہے۔ یہ تصور صنف پر مبنی فرق کی نوعیت کو واضح کرتا ہے۔ صنفی درجہ بندی کا یہ تصور زندگی کے ہر پہلو' جس میں تعلیم سے لے کر روزگار کے مواقع اور سماجی شناخت تک کو متاثر کرتا ہے۔ گویا صنفی درجہ بندی صرف ایک معمولی عمل نہیں ہے بلکہ جنسی شناخت کی بنیاد پر وسائل، مواقع، حقوق اور مراعات کی غیر مساوی تقسیم کا عمل ہے۔ عورت و مرد کے درمیان اس قسم کی عدم مساوات سماج کے ذہن کی اپج ہے' جو دیرینہ ثقافتی، تاریخی اور ادارہ جاتی اصولوں سے پیدا ہوئی ہے۔اس نظامِ فکر میں عام طور پر مرد کے سماجی کردار کو اہمیت، مرکزیت اور اولیت دی گئی ہے جبکہ تمام معاملات میں خواتین کو ثانوی درجہ پر رکھا گیا ہے۔اس تقسیم کی بنیاد پدر شاہی یا پدرانہ نظام ہے۔ پدرانہ نظام بیشتر معاشروں

میں صنفی سطح بندی کی ساختیاتی بنیاد کے طور پر کام کرتا ہے اور زندگی سے جڑے تمام معاملات کو مردانہ نقطۂ نظر سے دیکھنے کو ترجیح دیتا ہے۔اس نظام میں مردوں کے تسلط اور کنٹرول کو مختلف سماجی ضوابط و قوانین، رسوم ورواج اور روایات کے ذریعے ادارہ جاتی شکل دی جاتی ہے۔ یہ روایات مردوں کو حاکمیت اور خواتین کو ثانویت اور محکومیت عطا کرتے ہیں۔

1.8 مردمرکوزیت(Androcentricism)

''مردمرکوزیت''،صنفی نظامِ فکر یا صنفی درجہ بندی کا ایک اہم جز ہے۔مردمرکوزیت ُیعنی مردانہ نقطہ نظر سے دنیا کو دیکھنے، سمجھنے یا زندگی سے جڑے معاملات میں مردانہ نقطہ نظر کو ترجیح دینے کا عمل ہے۔ یہ ایک سماجی اصطلاح ہے جو دنیا کے بارے میں عمومی تشریحات یا وضاحتوں میں مرد یا مردانہ نقطہ نظر کو استعمال کرنے کے رجحان کو بیان کرتی ہے۔ یہ دراصل دنیا اور افراد کے متعلق وضاحت کے لیے مردوں کے تجربے کو عمومی انداز میں رکھنے کا رجحان ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر اکثر توجہ نہیں دی جاتی ہے بلکہ مردوں کے نقطہ نظر کو قبول کر لیا جاتا ہے۔اس رجحان کی وجہ سے خواتین کا نقطہ نظر یا ان کے تجربات ومشاہدات اور ان کا علم کہیں گم ہو کر رہ گیا۔آپ نے دیکھا ہو گا کہ تاریخ، سائنس، فلسفہ، سماجیات، معاشیات یا مذہبی متن کی تشریحات وغیرہ کے مصنفین مرد حضرات ہوتے ہیں۔ماہرین سماجی علوم نے روایتی نصابی کتابوں کو ''اینڈروسینٹرک'' قرار دیا ہے کیونکہ وہ عورت و مرد کو دو الگ تصویر میں پیش کرتی ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بیشتر فلموں اور ڈراموں میں مرد مرکزی کرداروں میں پیش ہوتے ہیں۔ فعال، طاقتور، دانشور اور فیصلہ ساز ہیرو کا تصور تمام افراد کے ذہنوں میں نقش ہے جبکہ ہیروئن کا تصور نازک سی خوبصورت اور کہانی کی ایک غیر اہم کردار کے طور پر ہمارے ذہنوں میں پیوست ہے۔ فلم سازوں کا ہمیشہ یہ رویہ رہا ہے کہ وہ فلموں میں نسائی کرداروں کو صرف ایک جنسی شئے یا ثانوی رول میں پیش کرتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیتیں کہ وہ ہیرو کی طرح یاد رکھی جائیں۔علاوہ ازیں ماضی سے لے کر تاحال جو تاریخیں یا دیگر کتابیں لکھی گئیں ان میں بھی مردمرکوزیت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ خواتین کے کارناموں کے متعلق ان میں معلومات ہمیں کم ہی ملتی ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مرد اساس سماج میں خواتین کے مشاہدات، علم، تفکر وتدبر اور ذہنی صلاحیت اور قابلیت کو اہمیت نہیں دی گئی۔انھیں سماج میں دوسرے درجے پر رکھا گیا اور علم وآگہی سے دور کر دیا گیا۔ سماج نے عرصہ دراز تک یہ قبول ہی نہیں کیا کہ خواتین میں بھی وہی ذہنی صلاحیتیں موجود ہیں جو مرد حضرات میں ہوتی ہیں۔ چونکہ صدیوں سے صرف مردوں کی ذہنی صلاحیتوں کو اہمیت دی گئی اور ان ہی کے نقطہ نظر سے کائنات کے مظاہر کو دیکھا اور جانچا گیا۔ان کی تشریحات عام ہوئیں اور علم کی شاخیں ان کے نقطہ نظر سے وجود میں آتی گئیں۔ زبان اور الفاظ پر بھی ان کی دسترس

قائم رہی۔ مرد مرکوزیت کو سمجھنے کے لیے آپ کسی زبان کے چند الفاظ کی مثالیں دیکھ سکتے ہیں کہ ان الفاظ کے معنوں کا تعین کس طرح سے مردوں سے منسوب کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر فیروز الغات سے کچھ مثالیں یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

- قرۃ العین۔ وہ چیز جس سے آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہو (مجازاً بیٹا)،
- عالم۔ بہت پڑھا لکھا، مولوی
- عالی دماغ۔ بڑے دماغ والا عقلمند
- دانا۔ جاننے والا

انگریزی زبان کے چند الفاظ دیکھیے

Chaiman, Mankind, Sportsman, Salesman وغیرہ مرد مرکوز زبان و اظہار کی مثالیں ہیں۔ لغت میں ایسی کئی اور مثالیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

1.9 صنف بطور سماجی و ثقافتی تشکیل (Gender as a Social and Cultural Construct)

جیسا کہ پچھلے صفحات پر ہم نے سمجھنے کی کوشش کی کہ صنفی نظامِ فکر کیا ہے اور وہ سماج پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے نیز عورت و مرد کی صفات میں کس طرح سے فرق کرتا ہے۔ ان وضاحتوں سے ہم نے واقفیت حاصل کی کہ صنف ایک سماجی تصوّر ہے جو اصطلاح کے طور پر بھی رائج ہو گیا ہے۔ یہ اصطلاح مردوں اور عورتوں کے درمیان سماجی طور پر بنائے گئے فرق کو سمجھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ مختلف تولیدی اعضاء سے متعلق اختلافات کی طرح نہیں ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں جیسے جیسے عمر میں بڑے ہونے لگتے ہیں معاشرے میں ایک مختلف انداز میں پرورش پاتے ہیں۔ والدین، رشتہ دار، پڑوسی، معاشرے کے ہر ادارے جیسے 'اسکول کالج، میڈیا، مذہب، قانون، تہذیبی امور وغیرہ صنفی صفات کو سکھانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ سماجیانہ یا سماجی کاری (Socialization) کے راست یا بالواسطہ عمل کے دوراں ہم سب ان طے شدہ صفات کو اپناتے رہتے ہیں کہ ہمیں مرد اور عورت کی طرح بنائے گئے سماجی نظام میں کس طرح رہنا ہے۔ اس طرح سے صنفی تصورات وصفات کی سماجی و ثقافتی طور پر تشکیل عمل میں آتی ہے۔ اس عمل کو صنف کاری یا صنفیانہ (Gendarization) بھی کہا جاتا ہے۔ صنفیانہ کا عمل ساری زندگی جاری رہتا ہے۔ مثال کے طور پر لڑکیوں اور خواتین کے لیے یہ تصور ہے کہ وہ نازک، شرمیلی، حساس، روایتی، گھریلو، فرمانبردار، کم گو، مشفق وغیرہ جیسی خصوصیات کی حامل ہوں جبکہ مردوں کو آزاد، بہادر، جرأت مند، مضبوط، توانا، طاقتور، سخت

مزاج، پراعتماد اور فیصلہ ساز ہونا لازم سمجھا جاتا ہے۔ عمر کے ابتدائی برسوں میں ہی خاندانی سطح پر لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش اس طرح کی جاتی ہے کہ سماج کی طے کردہ صنفی خصلتیں ان میں پیدا ہو جائیں اور وہ ان ہی کے مطابق ساری زندگی عمل کرتے رہیں۔

صنف کا تصور ثقافت سے جڑا ہوا ہے۔ ماہر عمرانیات این اوکلے (Ann Oakley) نے صنف کو مردانگی اور نسائیت کی ثقافتی درجہ بندی کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس بات پر روشنی ڈالتے ہوئے اوکلے لکھتی ہیں کہ

> "عورت و مرد کے لیے صنف کی بنیاد پر جو خصلتیں ضروری قرار دی گئی ہیں وہ موروثی اور حیاتیاتی خصلتیں نہیں ہیں بلکہ معاشرے کی تشکیل کردہ ہیں۔ جنس (Sex) ایک حیاتیاتی پہچان ہے جبکہ صنف ایک ثقافتی اصطلاح ہے۔ یہ فرق بہت اہم ہے کیونکہ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مذکر یا مونث ہونے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں ہماری سمجھ جامد نہیں بلکہ سیال ہے، ثقافتی اصولوں اور معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ تیار ہوتی ہے"

بہت سے معاشروں میں مردوں اور عورتوں کو تفویض کردہ روایتی کرداروں پر غور کریں۔ مردوں کو اکثر مضبوط اور فراہم کنندہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جب کہ خواتین کو پرورش کرنے والی، جذباتی اور نگہبان کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ کردار حیاتیات سے نہیں بلکہ ثقافتی توقعات سے طے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، روایتی خاندانی نظام میں اکثر مردوں کو کمانے والے کے طور پر اور خواتین کو گھریلو ساز کے طور پر ہی مقام دیا جاتا ہے۔ گرچہ کہ معاشرہ ترقی کر رہا ہے اور خواتین افرادی قوت میں داخل بھی ہو رہی ہیں لیکن ان کے متعلق سماجی تصور میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ صنفی نظام فکر کی چند مثالیں نیچے دی گئی ہیں۔ ان پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ یہ نظریات کس طرح سے ہماری تہذیب ثقافت کا حصّہ بن گئی ہیں

- عورتوں میں ممتا ہوتی ہے اسی لیے وہ بچوں کی بہتر دیکھ بھال کر سکتی ہیں، مرد بچوں کی پرورش نہیں کر سکتے۔
- خوبصورت اور نرم و نازک ہونا عورت کی پہچان ہے جبکہ مرد نازک نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو قوی اور طاقتور ہونا لازم ہے۔
- مرد سخت دل اور ہمت والے ہوتے ہیں اسی لیے وہ پولیس اور فوج میں بخوبی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔
- مرد، روتے نہیں ہیں یہ کام عورتوں کے لیے ہے۔
- عورتیں صابر اور مشفق ہوتی ہیں اسی لیے وہ بہترین ماں اور خانہ داری میں ماہر ہوتی ہیں۔
- مرد باصلاحیت اور عقل والے ہوتے ہیں۔ وہ قائدانہ رول نبھا سکتے ہیں۔ عورتیں جذباتی اور نرم دل ہوتی ہیں وہ قائدانہ کردار ادا نہیں کر سکتیں۔

- سرخ اور گلابی رنگ عورتوں کے لیے بنا ہے جبکہ نیلا اور کالا رنگ مردوں کی پہچان ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں پر غور کیا جائے تو ہمیں کوئی ایسا امتیازی وصف یا صفت نظر نہیں آتی جو مردانیت یا نسوانیت سے مختص رکھی جا سکتی ہیں یعنی صرف عورت یا مرد سے ہی مخصوص رکھی جائیں، جبکہ عورت اور مرد دونوں ان صفات کے حامل ہو سکتے ہیں۔ ایسی چند ایک مثالیں ہمیں سماج میں دیکھنے کو مل بھی جاتی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صنف کی بنیاد پر بنائے گئے سماجی اصول فطری نہیں ہیں اسی لیے تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں 'این۔ اوکلے لکھتی ہیں

''صنف 'کا تعلق تہذیب سے ہے۔ اس سے مراد وہ سماجی درجہ بندیاں ہیں جن میں مرد و خواتین پدرسری اور مادرسری شکل اختیار کر لیتے ہیں''، کسی فرد کی تذکیر و تانیث کا اندازہ تولیدی اعضاء کی مدد سے بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پدرسریت یا مادرسریت کو اس پیمانے سے نہیں ناپا جا سکتا، بلکہ اس کے اسباب تہذیب میں پیوست ہوتے ہیں جو مقام اور وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جنس کی مسلم حقیقت کو تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا لیکن اسی کے ساتھ صنف کی ثقافتی تعمیر اور قابل تبدیل سچائی کو بھی ماننا چاہیے (این اوکلی "sex, gender and society"، 1985، لندن: گور پبلشنگ کمپنی، انگلینڈ، ص 158) نامور تانیثی نقاد' سیموں دی بوار نے بھی اپنی کتاب The second sex میں صنف کے تصور، پدرسری نظام اور عورت کی ثانوی حیثیت کے وجوہات پر مفصل بحث کی ہے۔ سیموں دی بوار کا ایک مشہور قول ہے ''عورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ بنا دی جاتی ہے'' اس کا مطلب یہی ہوا کہ لڑکی جب پیدا ہوتی ہے تو اس کی حیاتیاتی شناخت کے علاوہ دیگر کوئی ایسی الگ خصوصیات لے کر پیدا نہیں ہوتی جو انسانی اعتبار سے اسے الگ سے نسوانیت کی شناخت دیتی ہوں۔ لیکن جیسے جیسے وہ اپنی عمر کی منازل طے کرتی ہے اور سماج سے تعلق پیدا کرتی ہے۔ ویسے ویسے اسے سماج و ثقافت کے تفویض کردہ نسوانیت کی صفات و خصوصیات کے ساتھ ایک عورت بنایا جاتا ہے اور اسے سماج میں دوسرا یا ثانوی درجہ قبول کرنے کی عادات سکھائی جاتی ہیں۔ اس طرح سے افراد میں صنفی صفات پیدا کی جاتی ہیں۔ صنف کی تعمیر و تشکیل مختلف ثقافتوں اور وقت کے لحاظ سے نمایاں طور پر مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے مشرقی اور مغربی ممالک کی تہذیب میں فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا صنف کی تعمیر میں نظریات اور عمل کا فرق ممکن ہو سکتا ہے۔ اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ صنف 'ایک متعین وصف نہیں ہے بلکہ سماجی اصولوں اور عقائد کی شکل میں ایک سیال اور متحرک تصور ہے۔ اسی لیے اس نظام فکر پر تنقید کی جا سکتی ہے اور دقیانوسی تصورات کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

1.10 صنفی نقطہ نظر(Gender Perspective)

جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات پر یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ صنف' کے معنی و مفہوم محدود نہیں ہیں' بلکہ صنف کو سماجی تشکیل کے طور پر وسیع معنوں اور مفہوم میں استعمال کیا جارہا ہے۔ دراصل اس اصطلاح کے ذریعے یہ جاننے کی کوشش کی جارہی ہے کہ صنف کی سماجی تشکیل' معاشرتی رویوں، اداروں، قوانین اور پالیسیوں پر کس طرح کے گہرے اثرات مرتب کرتی ہے اور سماج صدیوں سے ان تصورات اور رویوں کو کس طرح سے قبول کرتا آرہا ہے؟ یہ بات قبول کی جاچکی کہ سماج کے صنفی تعلقات اور امتیازی معاملات پر خاص نقطہ نظر سے تحقیق اور تجزیہ ناگزیر ہے ورنہ صنفی مساوات کو فروغ دینے اور صنفی تعصبات کے خاتمہ کی کوششیں سود مند ثابت نہیں ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ پالیسی ساز اداروں سے جڑے ماہرین، محققین وناقدین' بیشتر مطالعات اور تحقیق میں صنف کو ایک تحقیقی و تجزیاتی آلہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ یعنی کسی موضوع پر تحقیق و تنقید کے لیے دیگر طریقہ کار کے ساتھ ساتھ "صنفی نقطہ نظر یا صنفی تجزیاتی طریقہ کار" کا استعمال کر رہے ہیں۔ مذکورہ نقطہ ٔ نظر سے تحقیق و تنقید میں دو اہم اصطلاحات "صنفی عدسہ " (Gender Lens) اور "صنف بہ طور تجزیاتی آلہ "(Gender as an Analytical Tool) استعمال ہونے لگی ہیں۔ اگرچہ دونوں اصطلاحات صنفی مسائل کے متعلق جاننے کے لیے استعمال ہوتی ہیں' تاہم ان کا دائرہ کار، طریقہ کار اور مقصد مختلف ہوتا ہے۔ ان دونوں اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ ان کے عملی اور فکری استعمال کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔ اس سے قبل صنفی نقطہ ٔ نظر کے متعلق سمجھتے ہیں۔

1.10.1 نقطہ ٔ نظر سے کیا مراد ہے(What is meant by Perspective?)

نقطہ ٔ نظر سے مراد' چیزوں کو ان کے حقیقی تعلقات یا ان کی متعلقہ اہمیت میں دیکھنے کی صلاحیت ہے۔ یعنی آنکھوں سے کسی شئے کو اس کے صحیح فاصلے اور پوزیشن کے لحاظ سے دیکھنا اور اظہار کرنا بھی اس فرد کے نقطہ ٔ نظر پر مبنی ہوتا ہے (ماریم ڈکشنری)۔ دوسرے لفظوں میں نقطہ ٔ نظر' کسی چیز کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے کا ایک طریقہ ہے (جیسے کہ کوئی خاص مسئلہ یا عام زندگی)۔ نقطہ نظر کسی چیز کے بارے میں سوچنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ یہ خاص طریقہ ہمارے عقائد یا تجربات سے متاثر ہوتا ہے۔ (برٹانیکا ڈکشنری)۔ مطالعات، تحقیق و تجزیے میں نقطہ نظر کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ نقطہ ٔ نظر' ایسے فریم ورک فراہم کرتے ہیں جو تحقیقی سوالات کی تشکیل، مطالعات کے ڈیزائن، اور ڈیٹا کے تجزیے میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ جس سے حقائق تک رسائی اور فہم میں آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں نقطہ نظر کی کچھ مثالیں دی گئی ہیں' جس کی مدد سے آپ مزید سمجھ سکتے ہیں:

1۔ ایک سیلز پرسن اپنے کام کے تناظر میں اپنے پروڈکٹ کو مثبت انداز میں دیکھتا ہے اور گاہک کے آگے پیش کرتا ہے، جب کہ گاہک اس پروڈکٹ کے متعلق کچھ اور نقطہ نظر رکھتا ہے۔اس کے من میں کئی شکوک وشبہات ہوتے ہیں۔

2۔ سماج میں ہم مختلف تہذیبی وثقافتی امور دیکھتے ہیں۔ تہذیبی روایتوں کے متعلق مختلف معاشروں میں مختلف نقطۂ نظر ہوتا ہے۔ مختلف افراد ایک ہی واقعہ کی مختلف تشریح کرتے ہیں۔ جیسے کہ ایک تہوار یا کوئی رسم ورواج یا کوئی خاص دن کے متعلق الگ الگ روایتیں ہوتی ہیں۔اس کو ایک معاشرے میں خوشی کے موقع کے طور پر لیا جاتا ہے تو دوسرے معاشرے میں وہ صرف ایک اہم تقریب یا سوگ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ایسی کئی مثالوں پر آپ غور کر سکتے ہیں۔

3۔ ایک مثال پیشہ ورانہ نقطہ نظر کی دیکھیے۔ڈاکٹر، مریض کی علامات کو طبّی عینک کے ذریعے دیکھتا ہے اور اس مرض کی تشخیص کرتا ہے، جبکہ مریض کے خاندان کا کوئی فرد ان علامات کو جذباتی عینک سے دیکھتا ہے۔

4۔ ایک اور مثال ادبی نقطہ نظر کی بھی دیکھ لیتے ہیں۔ادب، ڈرامے اور فلموں میں پیش کیے جانے والے کردار یا واقعات یا کہانی کے پیچھے قلم کار یا کہانی کار کا خاص نقطہ نظر ہوتا ہے۔اس نقطہ نظر سے قاری یا ناظرین کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے ،تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہترین ادبی تحریریں یا فلمیں وڈرامے، افراد کے نقطہ نظر کو تبدیل کرنے اور انھیں ایک مخصوص زاویے میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پیش کش میں جن اہم نکات یا سماجی وتہذیبی مسائل کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے ان پر قاری یا ناظرین توجہ دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔یہ مثالیں واضح کرتی ہیں کہ تناظر، ثقافت اور انفرادی تجربات کی بنیاد پر نقطہ نظر کس طرح مختلف ہو سکتا ہے اور اس مختلف حالات میں نقطۂ نظر تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔

1.10.2 صنفی نقطۂ نظر: معنٰی وتشریح (Gender perspective: Meaning and Explanation)

"صنفی نقطۂ نظر" سے مراد تحقیق وتنقید اور تجزیاتی مطالعات میں استعمال ہونے والا ایک آلہ تحقیق ہے۔ صنفی نقطۂ نظر، محقق یا مبصر کی آنکھ کے حوالے سے کسی سماجی وصنفی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی نمائندگی کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے۔یعنی "صنفی نقطۂ نظر" کسی بھی رجحان کو دیکھنے یا اس پر غور کرنے کا ایک طریقہ قرار دیا جا سکتا ہے۔"صنفی نقطہ نظر "صنف کی تعمیر اور اس کی روایتوں اور تعلقات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے حقیقت کے قریب پہنچنے کا عمل ہے۔ صنفی نقطۂ نظر، خاص طور پر سماج میں عورت ومرد کی حیثیت اور حقوق ووسائل تک رسائی میں صنفی بنیاد پر فرق پر توجہ مرکوز کرتا ہے اور اس بات پر غور کرتا ہے کہ اس طرح کا امتیاز کس طرح خواتین اور مردوں کی فوری ضرورتوں کے ساتھ ساتھ طویل مدتی نقصانات کو تشکیل دیتا ہے۔

صنفی نقطۂ نظر ایک ایسا نقطۂ نظر ہے جو ہمیں صنف کے نظام سے متعلق مظاہر، روابط، سرگرمیوں، عمل اور سماجی نظام کا مطالعہ اور ان سے نمٹنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا نقطۂ نظر ہے جو ماتحتی کے رشتوں پر سوال اٹھاتا ہے۔ تحقیق میں صنفی نقطۂ نظر کو مربوط کرنے سے سماج کے تمام افراد کی نمائندگی ہوتی ہے اور مسائل کو ایک وسیع تناظر میں جانچا جا سکتا ہے۔ صنفی تناظر نئی بصیرتیں اور درست تحقیقی نتائج فراہم کرتا ہے اور اس طرح تحقیق کے معیار کو بہتر بنایا جا سکتا ہے اور اسے معاشرے کے لیے مزید متعلقہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی بہتر وضاحت کرنے کے لیے، آیئے تصور کریں کہ ہم عینک (شیشے) کو اچھی بصارت کے لیے استعمال کرتے ہیں جو کہ حسب توقع ہم ان تمام چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے تھے۔ جس طرح عینک ہماری بصارت میں اضافہ کرتی ہے اور ہم باریک بینی سے مشاہدہ کر سکتے ہیں اسی طرح صنفی نقطۂ نظر بھی ایک طرح سے ہمیں عدسہ یا عینک فراہم کرتی ہے جس سے ہم سماج کے امتیازی رویوں اور تعصبات کو نہایت باریک بینی سے جانچ سکتے ہیں اور نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

تحقیق میں صنفی نقطہ نظر ایک ایسا طریقہ کار فراہم کرتی ہے جو کسی خاص ماحول میں موجودہ صنفی تعلقات کی پیچیدگیوں کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔ اس طریقہ کار میں معاشرے سے شماریات کے حصول کے علاوہ دیگر معیاری اور مقداری معلومات کو اکٹھا کرنا اور ان کا صنفی نقطۂ نظر سے تجزیہ کرنا شامل ہے اور صنفی تعلقات کے بارے میں معلومات کو منظم طریقے سے تشریح کرنا ہے۔ صنفی نقطۂ نظر سے تحقیق اس بات کا جائزہ لیتی ہے کہ کوئی پروگرام یا پروجیکٹ اپنے مقاصد، سرگرمیوں اور پالیسیوں کے ذریعے صنفی تفاوت اور عدم مساوات کو کیسے حل کر سکتی ہے۔ صنفی نقطہ نظر سے تحقیق و تنقید کو نہ صرف سماجی علوم بلکہ تمام شعبہ علم میں اہمیت دی جا رہی ہے۔ یہ ایک ایسا تحقیقی نقطۂ نظر ہے جو صنفی کردار اور عدم مساوات کی مختلف نوعیتوں کے مطالعہ پر مرکوز ہے۔

1.11 صنف بطور ایک عدسہ (Gender as a Lense)

1۔ صنفی عدسہ (Gender lense) کیا ہے؟

"صنفی عدسہ" ایک اصطلاح ہے جو مطالعات و تحقیق میں ایک آلہ کے طور پر استعمال کی جانے لگی ہے۔ صنفی عدسہ ' ایک ایسا نظریاتی فریم ورک ہے جس کے ذریعے ہم دنیا کو صنفی زاویے یا نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ نقطۂ نظر ہمیں یہ سوال اٹھانے پر مجبور کرتا ہے کہ معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی نظام میں مرد و خواتین کو کس طرح مختلف طریقوں سے دیکھا جاتا ہے نیز ان کے ساتھ کس طرح کے رویے پائے جاتے ہیں؟ کون سے عناصر صنفی تعصبات کو فروغ دیتے ہیں؟ اور کن اداروں یا پالیسیوں میں صنفی عدم مساوات پوشیدہ طور پر موجود ہے؟

مثلاً جب ہم سماج میں تعلیم کی صورتِ حال، تعلیمی نظام اور اداروں کی کارکردگی کو صنفی عدسہ یا عینک کے ذریعے دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ سماج میں لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم تک رسائی یکساں نہیں۔ مختلف طبقات میں یہ فرق نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ نصابِ تعلیم میں صنفی دقیانوسی تصورات کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خواتین اساتذہ کو پیشہ ورانہ ترقی کے برابر مواقع حاصل نہیں ہیں۔ اسی طرح صحت، ملازمت، سیاسی شرکت، اور خاندانی نظام کو بھی جینڈر لینز کے ذریعے جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔

یہ لینز یا عدسہ ایک قسم کا صنفی شعور بیدار کرتا ہے جس سے افراد اور ادارے اپنی سوچ، پالیسیوں اور عمل میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔

صنفی عدسہ ' معیاری تحقیق (Qualitative Research) میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ عدسہ سماج میں کسی صورت حال کا تجزیہ کرتے وقت یا کوئی ترقیاتی پروگرام تیار کرتے وقت خواتین اور مردوں کے درمیان موجودہ فرق اور رجحانات ورویوں کو دیکھنے اور سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔'' صنفی عدسہ کسی پروگرام، پالیسی، پروجیکٹ یا پروڈکٹ کو ڈیزائن اور منصوبہ بندی کرتے وقت خواتین، مردوں اور غیر بائنری لوگوں کے موقف پر نظر رکھنے اور اسی کے مطابق آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ خواتین اور مردوں کی مختلف ضروریات ہیں اس لیے سماجی، معاشی اور سیاسی نظام کو ان ضروریات پر غور کرنا لازم ہوتا ہے۔ صنفی عدسہ ایک مخصوص نقطۂ نظر یا تجزیاتی ٹول ہے جو ''صنف کے فریم ورک'' کے ساتھ مسائل، پالیسیوں اور پروگراموں کی جانچ کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ مختلف جنس سے تعلق رکھنے والے افراد کو مختلف عوامل سے کس طرح فائدہ پہنچانے کی ضرورت ہے۔

خواتین اور مردوں کے لیے معاشی مواقع، صحت کی سہولیات، تعلیم تک رسائی اور سیاسی شرکت کی آزادی میں فرق پایا جاتا ہے۔ صنفی نقطۂ نظر یا عدسہ ''شمولیت اور مساوات'' (Inclusivity and Equality) کو فروغ دینے کے مقصد سے ان رکاوٹوں، نقصانات اور تعصبات کی نشاندہی کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔ صنفی عدسہ کی وضاحت اکثر چشمے (عینک) کی مثال سے کی جاتی ہے۔ جس طرح سے ہم عینک اپنی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتے ہیں تو ہم اطراف واکناف کی چیزوں کو واضح طور پر دیکھ پاتے ہیں۔ عینک کی مدد سے کتاب، رسالہ اور کمپیوٹر اسکرین پر کوئی مضمون پڑھنا یا دور یا نزدیک موجود افراد یا اشیاء کی شناخت آسان ہو جاتی ہے جبکہ عینک کے استعمال کے بغیر ماحول دھندلا سا نظر آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں توجہ مرکوز کرنے اور اپنے ارد گرد کی تفصیلات وحالات کو سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں۔ اسی طرح سماج میں مروج صنفی امتیازات، صنفی تعصبات، اور صنفی دقیانوسی تصورات کی نشاندہی کرنے کے لیے ہم کو صنفی عدسہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ہم صنفی نقطۂ نظر سے سماجی معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو عورت و مرد کے مقام و مرتبہ اور مسائل کی پیچیدگیاں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

1.11.1 صنفی عدسہ کی ضرورت اوراہمیت(Need & Importance of Gender Lens)

ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ وسیع پیمانے پر مردوں کے غلبے اور ان کی حسبِ مرضی ضروریات کے مطابق بنائی گئی ہے۔اس لیے بیشتر صورتوں میں پالیسی، پروگرام، پروجیکٹ، یا یہاں تک کہ کسی پروڈکٹ کو ڈیزائن کرتے وقت مردوں کی ضروریات اور مطالبات کو مدنظر رکھا جاتا رہا ہے۔ جبکہ عرصہ دراز تک عورتوں کی ضروریات اور تقاضوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ یہ طے کر لیا گیا کہ عورتوں کی ضروریات کو الگ سے دیکھنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔اس فرسودہ اور روایتی نقطۂ نظر سے معاملات کو سمجھنے سے مسائل بڑھتے ہیں اور ہم عورتوں اور مردوں کے درمیان صنفی فرق کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں۔ صنفی عدسہ سے ہم کو عورت و مرد کے درمیان موجود بنیادی حقوق کے فرق کو واضح طور پر دیکھنے اور صنفی حساس پالیسی، پروگرام، پروجیکٹ، یا کوئی پروڈکٹ تیار کرنے نیز نجی سطح کے مسائل حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

1۔ پوشیدہ صنفی تعصبات کی شناخت اور مساوات کے فروغ میں صنفی عدسہ معاون ہوتا ہے۔پوشیدہ صنفی تعصبات اور عدم مساوات کی نشاندہی کرنے میں صنفی عدسہ بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔اس نقطۂ نظر کی بنیاد پر روایتی انداز کے بجائے صنف سے متعلق تفاوت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔مثال کے طور پر، کسی گاؤں میں اسکول بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ تمام لڑکیاں اسکول جائیں گی۔ لڑکیوں کے متعلق تہذیبی روایات، اسکول میں لڑکیوں کی ضروریات کے مطابق سہولیات کا نہ ہونا، صفائی کی ناقص سہولیات یا طویل راستے اور سواری کی عدم سہولت جیسے عناصر لڑکیوں کو اسکول جانے اور اعلیٰ تعلیم تک رسائی سے روکتے ہیں۔اس طرح کے مسائل کی نشاندہی روایتی نقطۂ نظر سے نہیں کی جاسکتی بلکہ صنفی نقطۂ نظر کو اپنا کر ان مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

2۔ صنفی نقطۂ نظر کو پالیسی سازی میں شامل کرنے سے یہ مدد ملتی ہے کہ پالیسیاں اور پروگرام صنف کے لحاظ سے حساس اور متنوع سماجی گروہوں کی ضروریات کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سی صحت کی پالیسیاں عورت اور مرد یا تیسری جنس کی ضروریات میں فرق نہیں کرتی ہیں۔ وہ ایک صنف کی ضروریات یا مخصوص حالات کو پورا کرنے میں ناکام ہو سکتی ہیں۔اسی طرح، معاشی پالیسیاں ان سماجی اصولوں کو نظر انداز کر سکتی ہیں جو خواتین یا تیسری جنس کے افراد کی معاشی شراکت میں رکاوٹ بنتی ہیں۔اس طرح کی مثالیں عورتوں یا دیگر شناخت والے افراد کو بہ حیثیت ایک سماجی گروہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور انہیں مزید کمزور اور پسماندہ کر دیتی ہیں۔

3۔ جامع فیصلہ سازی کو فروغ دینے میں بھی معاون ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی اور فیصلہ سازی کے عمل میں صنفی نقطۂ نظر کو شامل کرنا شمولیت اور تنوع کو فروغ دیتا ہے۔ فیصلہ سازی کے عمل میں تنوع مختلف سماجی گروہوں کی ضروریات کی عکاسی کرتا ہے اور پالیسی سازوں اور فیصلہ سازوں کو ان سے نمٹنے میں مدد کرتا ہے۔ متنوع صنفوں اور سماجی گروہوں کو شامل کرنا انصاف پسندی کو بڑھاتا ہے اور مزید اختراعی اور موثر حل کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ سماجی انصاف اور مساوات کی حمایت کرتا ہے۔

اہم نکات:

- صنفی عدسہ یا نقطۂ نظر ایک طاقتور ٹول ہے جو معاشرے میں عورت و مرد کی حیثیت کی جانچ میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔۔ صنفی عدسہ کو اپنانے کے لیے ایک جامع صنفی تجزیہ کی ضرورت ہوتی ہے جو صنفی فرق اور تفاوت کی نشاندہی کرے۔اس عدسہ سے حاصل ہونے والی معلومات کے تناظر میں ہمیں موثر پالیسیاں، پروگرام، پروجیکٹس اور اشیائے ضروریات تیار کرنے میں مدد ملتی ہے جو تمام سماجی گروہوں کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔
- سماجی انصاف اور مساوات کو فروغ دینے کے لیے صنفی عدسہ کا استعمال ناگزیر ہے۔ یہ مختلف جنسوں یا سماجی گروہوں کو درپیش ساختیاتی رکاوٹوں کو پہچاننے اور ان سے نمٹنے میں مدد کرتا ہے۔ سماج کے امتیازی سلوک کی نشاندہی نیز ان سے مقابلہ کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے تاکہ ہر ایک فرد کو خواہ عورت ہو کہ مرد، ترقی کی منازل طے کرنے کا مساوی موقع ملے۔ یہ نقطۂ نظر سماجی انصاف اور انسانی حقوق کو فروغ دیتا ہے۔

1.12 صنف بطور ایک تجزیاتی آلہ (Gender as an Analytical Tool)

صنف، ایک سماجی تشکیل کا تصور ہی نہیں ہے بلکہ تحقیق اور فہم کا سائنسی زاویہ بھی ہے۔ یہ آلہ تحقیقی مطالعہ، پالیسی تجزیہ، اور ترقیاتی پروگراموں کی منصوبہ بندی میں استعمال ہوتا ہے تاکہ صنفی عدم مساوات کی گہرائی تک پہنچا جاسکے۔ سماجی علوم کی تحقیق میں صنف بہ طور تجزیاتی آلہ ایک منظم طریق کار فراہم کرتا ہے جو سماجی تجزیے میں ایک کلیدی عنصر کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔اس کا مقصد یہ سمجھنا ہے کہ صنف کا تصور کس طرح معاشرتی تعلقات، اداروں، اور طاقت کے ڈھانچوں پر اثرانداز ہوتا ہے۔ یہ تجزیاتی آلہ صرف صنف کو موضوع نہیں بناتا بلکہ اسے طبقہ، نسل، مذہب اور ثقافت جیسے دیگر عوامل کے ساتھ جوڑ کر بین الطبقاتی(Intersectional) تجزیہ بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ طریقِ کار مقداری تحقیق(Quantitative research) کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جس میں ڈیٹا جنسی شناخت کی بنیاد پر حاصل کیا جاتا ہے۔ پھر ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر، اگر ہم خواندگی یا تعلیمی حیثیت کا جائزہ لیں گے تو ڈیٹا کے شماریات کے حوالے سے صنفی تجزیہ کرسکتے ہیں۔یعنی مرد و عورت کے درمیان خواندگی یا تعلیم کے حصول میں موجود کس قدر صنفی فرق اور اس کی وجوہات کو جانچ سکتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس فرق کو مختلف مذاہب، ذات، طبقہ وغیرہ کے زمروں کے تحت بھی جانچا جاسکتا ہے۔اسی طرح لیبر مارکٹ یا غیر منظم سیکٹر میں مرد و خواتین کی اجرت یا تنخواہوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو بطور تجزیاتی آلہ صنف کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور ہم یہ جانچ کرسکتے ہیں کہ لیبر مارکٹ میں مختلف کام اور

عہدوں میں اور تنخواہوں میں صنفی فرق کس حد تک موجود ہے۔اس کی وجوہات کیا ہیں اور یہ فرق سماجی، قانونی یا ثقافتی عناصر سے کیسے جُڑا ہوا ہے۔اس طرح کے مطالعات اور تحقیق سے سماج کی حقیقی صورتِ حال اور رجحانات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

''صنف'' صرف ایک سماجی و ثقافتی تصور ہی نہیں ہے بلکہ ایک آلۂ تحقیق ہے جو سماجی مطالعات و تحقیق میں حاصل شدہ حقائق کے تجزیے میں انتہائی معاون ثابت ہوتا ہے۔اس آلۂ تحقیق کی مدد سے کیے جانے والے تجزیاتی مطالعات یا تحقیقی پیش کش کو ''صنفی تجزیہ'' (Gender Analysis) بھی کہا جاتا ہے۔ صنفی تجزیہ عام طور پر ترقیاتی منصوبوں، سماج کی بہبود و ترقی کے لیے روبہ عمل پروگراموں کی جانچ اور ہنگامی یا امدادی منصوبوں کے لیے ایک آلے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

صنفی تجزیہ ایک ایسا آلہ ہے جس کی مدد سے ہم مجموعی اور پائیدار ترقی میں موجود صنفی تفاوت(Gender Gap) کو سمجھ سکتے ہیں۔ کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے اس سماج کے مرد و عورت کا برابر حصّہ دار ہونا اور ان کی صلاحیتوں کو استعمال میں لانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر سماج کے تمام طبقات اس کے شریک نہیں ہیں اور ان کی صلاحیتیں ترقی کے لیے استعمال نہیں ہو رہی ہیں تو اس کے اثرات ملک کی سماجی و اقتصادی حالت پر منفی انداز میں مرتب ہوتے ہیں۔اسی لیے یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ سماج میں وہ کونسے عوامل ہیں جو عورتوں و مردوں اور دیگر جنسی شناخت والے افراد کو وسائل تک پہنچنے سے روک رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ترقی کے دھارے میں تمام افراد کی شراکت داری میں فرق بڑھ رہا ہے۔ صنفی تجزیہ کو ایک اہم فریم ورک کے طور پر بھی ہم سمجھ سکتے ہیں۔اس کا استعمال مختلف شعبہ حیات میں مرد و عورت کے سماجی کرداروں، ان کی ذمہ داریوں، اور وسائل تک ان کی رسائی کو پہچاننے اور سمجھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے کی جانے والی تحقیقات اور مطالعات میں اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ ''صنفی امتیازات یا تفرقے'' سماجی، اقتصادی اور سیاسی شعبوں میں افراد کو کس طرح سے متاثر کرتے ہیں اور انھیں کس طرح کے چیالینجس کا سامنا ہے۔ گھر، خاندان، کام کی جگہ پر کیے جانے والے صنفی تجزیے بڑی حد تک ان حقائق کو جاننے اور سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں کہ عورت و مرد کے درمیان عدم مساوات حیاتیات کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ مختلف ثقافتی اصول اور صنفی نظام کے روایتی ڈھانچے، صنفی فرق کی تعمیر کرتے ہیں اور اسے برقرار بھی رکھتے ہیں۔ صنفی تجزیہ عدم مساوات سے متعلق ضروری سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے

1۔ سماج میں صنفی کردار کیسے مختلف ہوتے ہیں؟

2۔ صنفی کردار، مختلف وسائل تک رسائی کو کیسے مشکل بناتے ہیں؟

3۔ وہ کونسا ساختیاتی مرد اساس نظام(Structured Male Dominated System) ہے جو عورت و مرد کے درمیان مساویانہ مواقعوں کو کنٹرول کرتا ہے جس کے نتیجے میں تمام شعبہ حیات میں صنفی فرق بڑھتا جاتا ہے؟

اس طرح سے صنفی تجزیہ ان پوشیدہ رکاوٹوں سے پردہ اٹھانے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے جو صنفی بنیاد پر عدم مساوات کو برقرار رکھتے ہیں۔ یہ صرف خواتین کے مسائل کو دیکھنے کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ اس بات کو سمجھنے کے بارے میں بھی معاون ہے کہ صنفی حرکیات(Gender Dynamics) کس طرح سماج کے ہر فرد کو متاثر کرتی ہے۔ چونکہ ترقیاتی عمل اور منصوبوں میں صنفی مساوات کے نقطۂ نظر کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا صنفی تجزیہ 'خواتین اور مردوں کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کی مساوی شرکت کو یقینی بنانے میں مدد کرتا ہے۔ کسی بھی ملک یا سماج کی ترقی کی جانچ کے لیے صنفی تجزیہ انتہائی اہم ہوتا ہے۔اس تجزیاتی آلہ کے ذریعے سے سماج کی مجموعی ترقی کے درمیان حائل صنفی مسائل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔اوران حقائق کا پتہ چلتاہے کہ ملک کی ترقی میں عورت و مرد یا دیگر افراد کی شمولیت ہو رہی ہے کہ نہیں۔ صنفی تجزیہ پائیدار ترقی کے ان ہی چیلنجس کو سامنے لاتا ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عوامی پالیسی خواتین اور مردوں کو مختلف طریقے سے کیسے متاثر کرتی ہے۔ صنفی تجزیہ زیادہ مساوی ترقی، پالیسیوں اور طریقوں کی راہ ہموار کرنے میں مدد کرتا ہے۔ صنفی تجزیہ اہم اسی لیے ہے کہ یہ سماجی سطح پر موجود صنفی فرق کو واضح طور پر سامنے لاتا ہے اور یہ تفہیم فراہم کرتا ہے کہ معاشرے کی مختلف سطحوں پر صنفی عدم مساوات کیسے کام کرتی ہے۔اس نقطۂ نظر سے کی گئی تحقیقات پالیسی سازاداروں اور ترقیاتی پراجیکٹس اور دیگر افراد کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے۔ان حقائق کی روشنی میں لائحہ عمل طے کیا جاتا ہے تاکہ سماج سے عدم مساوات کا خاتمہ کیا جائے اور تمام افراد کو وسائل تک رسائی حاصل ہو اور سب ترقی کے دھارے میں شامل ہو سکیں۔

اہم نکات:

- ''صنف'' صرف ایک سماجی یا ثقافتی تصور یا روّیہ ہی نہیں ہے بلکہ ترقی کی رفتار اور سمت کا تعین کرنے کا ایک پیمانہ بھی ہے۔ صنفی تجزیہ' صنفی کرداروں اور صنفی تعلقات کے بارے میں معلومات کو منظم کرنے کے لیے ایک خاص ڈھانچہ (Framework) فراہم کرتا ہے۔
- صنفی تجزیہ مقداری تحقیق کا ایک فریم ورک ہے' جس کے ذریعے سماجی زندگی کے مختلف شعبوں میں صنفی اختلافات کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں اور تجزیہ کیا جاتا ہے۔اس تجزیہ سے یہ معلومات حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ مروجہ صنفی رویّے مردوں، عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگیوں اور ان کی ترقی کو کیسے متاثر کرتے ہیں۔
- ترقیاتی عمل اور منصوبوں میں صنفی نقطۂ نظر کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ صنفی تجزیہ 'خواتین اور مردوں کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کو ترقی کے مرکزی دھارے میں شامل کرنے اور ان کی صلاحیتوں کے فروغ و استعمال کو یقینی بنانے میں مدد کرتا ہے۔

1.12.1 صنفی عدسہ اور تجزیاتی آلہ میں فرق

(Difference between Gender Lens and Analytical Tool)

"صنفی عدسہ اور تجزیاتی آلہ" میں بنیادی فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے ان دو اصطلاحات کے درمیاں بنیادی فرق، نظریہ اور تجزیہ کا ہے۔ اگرچہ دونوں اصطلاحات کا مقصد سماج میں صنفی حسّاسیت کو فروغ دینا ہے لیکن، ان کے استعمال کا دائرہ مختلف ہے۔ صنفی عدسہ ایک نظریاتی زاویہ ہے۔ جس کے استعمال سے سماج میں مروج صنفی صورتِ حال اور رجحانات واضح ہوتے ہیں۔ ان حقائق کی پیش کشی عوامی سطح پر شعور بیداری کے لیے سود مند ثابت ہوتی ہے۔ جو پالیسی سازی، تدریس و تحقیق یا میڈیا کے ذریعے عوام کی شعور بیداری میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ صنفی عدسہ کے استعمال سے صنفی امتیازات کی اصل شکل دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جس کی بنیاد پر مستقبل میں حسبِ ضرورت پروگرام و پالیسیز روبہ عمل لائے جاسکتے ہیں۔ جبکہ "صنف بہ طور تجزیاتی آلہ" ایک سائنسی و تحقیقی طریقہ کار ہے۔ اس آلہ تحقیق کے ذریعے حاصل شدہ شماریات کی بنیاد پر باقاعدہ اور منظم تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ اس تجزیے سے حاصل شدہ اعداد و شمار اہم ہوتے ہیں اور سماج کی مجموعی ترقی کی منصوبہ بندی کے کام آتے ہیں۔ صنفی تجزیاتی مطالعات، سماج پر صنفی اثرات کے سائنسی بنیاد پر وضاحت کرتے ہیں۔

صنفی انصاف اور صنفی مساوات کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہم صنف کو نہ صرف ایک نظریاتی زاویے (جینڈر لینس) سے دیکھیں بلکہ اسے ایک تحقیقی آلے (جینڈر بہ طور تجزیاتی آلہ) کے طور پر بھی استعمال کریں۔ جینڈر لینس ہمیں دنیا کو ایک نئے شعور کے ساتھ دیکھنے کی ترغیب دیتا ہے جبکہ تجزیاتی آلہ ہمیں گہرائی سے مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل تجویز کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ان دونوں کا امتزاج معاشرتی ترقی، مساوات اور پائیدار تبدیلی و ترقی کے لیے ایک مؤثر بنیاد فراہم کرتا ہے۔

1.13 اکتسابی نتائج(Learning Outcomes)

اس اکائی کو مکمل کرنے کے بعد آپ اس قابل ہوگئے کہ

1۔ آپ نے صنف کی تفہیم کی اہمیت اور ضروت سے واقفیت حاصل کرلی۔ آپ نے یہ بھی سمجھنے کی کوشش کی کہ اقوام متحدہ کی جانب سے منعقد کی گئی خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس، (1975) کے بعد سے ہی سماج میں عورت و مرد کے درمیان فرق اور مسائل سے نمٹنے کے لیے مختلف کوششیں کی جارہی ہیں۔ اس ضمن میں مختلف ممالک، خواتین کے حقوق اور ان کی بااختیاری کے علاوہ صنفی مساوات کو فروغ دینے کی جانب خاص توجہ دینے لگے ہیں۔ قومی پالیسی ،ایکشن پلانس، صنفی حکمت عملی وغیرہ کے ذریعے سماج کے ذہن کو بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ چنانچہ سنہ 2000 میں مختلف ممالک نے اقوام متحدہ کے "ملینیم ڈیولپمنٹ گولز" (Millenium

Development Goals) کے ذریعے ''صنفی عدم مساوات'' کو کم کرنے کے اپنے عزم کی تصدیق بھی کی۔ علاوہ ازیں آپ نے یہ بھی جان لیا کہ ''پائیدار ترقی کے اہداف (Sustainable Development Goals-2030) کو حاصل کرنے کے لیے صنفی تصورات کو جاننا اور سمجھنا کتنا اہم ہے۔

2۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ ''جنس اور صنف'' کی اصطلاحات کو وضاحت سے سمجھ پائے اور ان کے مابین بنیادی فرق کو سمجھ پائے۔ جنس' کو عورت یا مرد کی حیاتیاتی پہچان اور صنف کو سماج کی تعمیر و تشکیل کردہ شناخت کے طور پر واقفیت حاصل کی۔ اس کے علاوہ دونوں کے بنیادی فرق کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ آپ نے یہ جانا کہ عورت و مرد دونوں اس کائنات میں انسان کا ہی روپ ہیں اور سماج کی تنظیم اور ترقی میں دونوں کا وجود یکساں طور پر ضروری اور اہم ہے' لیکن تاریخی ادوار میں ان کے درمیان سماجی درجات اور روایات کا ایک باقاعدہ صنفی نظامِ فکر تشکیل پایا۔ اس نظامِ فکر کو ہم ''صنف'' کی اصطلاح کے ذریعے بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظامِ فکر سے قدرت یا فطرت کا تعلق نہیں ہے۔

3۔ آپ نے یہ بھی واقفیت حاصل کی کہ سماج میں مروج صنفی نظامِ فکر کی بنیاد پر کس طرح سے درجہ بندی کی جاتی رہی اور وسیع پیمانے پر مرد مرکوزیت کا نظام بنتا چلا گیا اور عورت کے مشاہدات و تجربات، جذبات واحساسات اور علم کے طور پر ان کی فکر کا اظہار پسِ پردہ ہو گیا۔ صدیوں کے دوران ایک پدرانہ نظام قائم ہو گیا اور صنفی روایات کی تشکیل کے نتیجے میں عورت محکوم ہو کر رہ گئی۔

4۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے نہ صرف صنف' کو ایک سماجی و ثقافتی تعمیر کے طور پر سمجھا بلکہ تحقیق و تنقید میں صنفی نقطۂ نظر کی اہمیت کو سمجھ پائے۔ صنفی نقطۂ نظر سے جڑی اصطلاحات جیسے 'صنفی عدسہ اور صنف بہ طور ایک تجزیاتی آلہ' کی وضاحت سے سماجی واقتصادی معاملات کو جانچنے، پرکھنے کے لیے آپ میں تحقیقی و تنقیدی شعور بیدار ہوا اور آپ یہ جان پائے کہ تحقیقی مراحل طے کرنے میں صنفی نقطۂ نظر یا صنفی تجزیہ حقائق کی بازیافت میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔

1.14 فرہنگ (Glossary)

- اصطلاح: کسی لفظ کے عام معنوں کے علاوہ کوئی خاص مفہوم مقرر کرنا۔
- تصوّر: ذہن میں کوئی خیالی تصویر بنانا، کسی چیز یا خیال کا بغیر فہم وادراک کے ذہن میں آجانا' جبکہ سماجی علوم میں تصّور کے معنی وہ اصطلاحات ہوتی ہیں' جو سماج کی پیچیدگیوں اور افراد کے نظریاتی ڈھانچوں نیز ان کے روّیوں کا مطالعہ کرنے کے لیے تجزیاتی آلے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ تصورات کسی بھی معاشرے میں انسانی فطرت اور رویے کی سائنسی تحقیقات میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔

- تانیثیت: حقوقِ نسواں اور صنفی مساوات کے متعلق فکر اور تحریک
- صنفی مساوات: عورت و مرد کے موقف میں برابری، باہم برابر کرنا
- دقیانوسی تصورات: قدیم و فرسودہ تصورات
- صنفی تفاوت: عورت و مرد کے تعلیمی، سماجی، معاشی اور سیاسی موقف میں فرق یا فاصلہ
- نظریہ: وہ مسئلہ جس میں نظر و فکر سے کام لیا جائے، تھیوری، اصول

1.15 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ہندوستان میں صنفی عدم مساوات کی وجوہات کیا ہیں؟

a) معاشی امور b) سماجی و ثقافتی ضابطے c) سیاسی عدم استحکام d) ٹکنالوجی کی ترقی

2۔ تعلیمی اداروں میں صنفی مساوات کے فروغ کے لیے سب سے اہم حکمت عملی کیا ہے؟

a) لڑکیوں کو کم نصاب دینا b) صرف مرد اساتذہ مقرر کرنا

c) صنفی حساسیت پر مبنی تربیت اور پالیسی d) مخلوط تعلیم پر پابندی

3۔ صنفی حسّاس نصاب کا مطلب ہے:

a) صرف لڑکیوں کے مسائل پر توجہ دینا

b) تمام صنفی شناختوں کا احترام اور خواتین کے مسائل کی نمائندگی کرنا

c) صرف مرد کردار شامل کرنا

d) صنفی موضوعات سے گریز کرنا اور سماجی مسائل پر بات کرنا

4۔ درج ذیل میں سے صنفی تفہیم کا اہم مقصد کیا ہے؟

a) عورتوں کو مردوں سے کم تر ثابت کرنا b) سماج میں برابری اور انصاف قائم کرنا

c) صرف مردوں کو بااختیار بنانا d) عورتوں کو صرف گھریلو کام تک محدود کرنا

5۔ "صنف" سے کیا مراد ہے؟

a) حیاتیاتی فرق b) سماجی اور ثقافتی کردار c) صرف مذہبی پہچان d) صرف جسمانی طاقت

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ صنف کے معنی اور تعریف لکھیے

2۔ صنف اور جنس میں کیا فرق ہے؟ وضاحت کیجیے

3۔ ”صنف ایک سماجی تعمیر ہے“ اس بیان کی تشریح کریں۔

4۔ نظامِ فکر اور نظریہ کے مابین کیا فرق ہے؟

5۔ صنفی نقطۂ نظر سے کیا مراد ہے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ ”صنف کی تفہیم" کی ضرورت و اہمیت پر مفصل نوٹ لکھیے۔

2۔ ”مرد مرکوزیت“ کی تشریح کیجیے اور ہندوستان کے تناظر میں چند مثالوں کے حوالے سے اس اصطلاح کی وضاحت کیجیے

3۔ ”صنف بطور ایک تجزیاتی آلہ“ سے کیا مراد ہے؟

1.16 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Books for Further Reading)

1۔ Bhasin, K. (2013). Understanding Gender. Kali/Women Unlimited

2۔ O'Brien, J. (Ed.). (2009). Encyclopaedia of Gender and Society. Sage Publications.

3۔ Freedman.Jane. (2019 Indian reprint). Feminism.Rawat Publications,New Delhi

4۔ Gender and Stratification, by Rosemary Crompton, https://www.wiley.com/en-us/Gender+and+Stratification-p-9780745601687
(https://www.unwomen.org/en/how-we-work/gender-parity-in-the-united-nations)
(https://www.who.int/health-topics/gender#tab=tab_1)

5۔ Gender Equality:Glossary of Terms and Concepts,2017,UNICEF
(https://www.unicef.org/rosa/media/1761/file/Gender)

6۔ UN Women, 2020, available on: Gender Mainstreaming: A Global Strategy for Achieving Gender Equality and Empowerment of Women and Girls, available on: https://www.unwomen.org

اکائی 2۔ صنفی تصوّرات

(Gender Concepts)

اکائی کی ساخت(Unit Structure)

2.0 تمہید(Introduction)

2.1 مقاصد(Objectives)

2.2 صنفی تعصب سے کیا مراد ہے(What is meant by Gender Bias)

2.3 صنفی امتیاز کسے کہتے ہیں(What is meant by Gender Discrimination)

2.4 صنفی تعصب اور صنفی امتیاز میں فرق
(Difference between Gender Bias and Gender Discrimination)

2.5 صنفی تعصب اور صنفی امتیاز کی نوعیتیں(Forms of Gender Bias and Gender Discrimination)

2.5.1 خاندان(Family)

2.5.2 تعلیمی نظام(Educational System)

2.5.3 کام اور عوامی جگہ(Work and Public Places)

2.5.4 پالیسی ساز ادارے اور قیادت(Policy making institutions and Leadership)

2.6 ہندوستان میں صنفی امتیازات(Gender Discrimination in India)

2.7 صنفی دقیانوسی تصورات(Gender Stereotype)

2.8 محنت کی صنفی تقسیم(Gender Division of Labour)

2.8.1 خواتین پر کام کا دوہرا بوجھ(Double burden of work on Women)

2.9 صنفی انصاف سے کیا مراد ہے؟(What is meant by Gender Justice)

2.10 صنفی عدم مساوات(Gender Inequality)

2.11 صنفی مساوات(Gender Equality)

2.11.1 صنفی مساوات کی ضرورت واہمیت (Need and Importance of Gender Equality)

2.12 صنفی عدل(Gender Equity)

2.12.1 صنفی مساوات اور صنفی عدل کے درمیان فرق

(Difference between Gender Equality and Gemder Equaity)

2.13 تانیثیت اور صنفی مساوات (Feminism and Gender Equality)

2.13.1 تانیثیت :ایک تعارف(Feminism: An Introduction)

2.13.2 تانیثیت اور صنفی مساوات کے مابین رشتہ

(Relation between Feminism and Gender Equality)

2.14 اکتسابی نتائج(Learning Outcomes)

2.15 فرہنگ(Glossary)

2.16 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

2.17 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

2.0 تمہید(Introduction)

پچھلی اکائی میں آپ نے ''صنف'' کی اصطلاح کے سماجی تصور کو سمجھا اور ''جنس اور صنف'' کے درمیان فرق کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں صنفی نقطۂ نظر' سے متعلق تعارف حاصل کیا نیز مطالعات اور تحقیقات میں صنف بطور عدسہ اور ایک شماریاتی آلہ کی اہمیت سے بھی واقفیت حاصل کی۔ اس اکائی میں مزید صنفی تصورات پر بحث کی جائے گی۔ یہ تصورات معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے متعلق سماجی رویوں اور ان کے اثرات کا تجزیہ کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ ''صنف'' حیاتیاتی یا جسمانی حقیقت نہیں ہے بلکہ سماجی طور پر عورت و مرد کے کردار میں تفریق کا تعمیر شدہ ایک ایسا تصوّر یا زمرہ ہے' جو ثقافتی سیاق وسباق میں تشکیل پاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی اصول، اقدار اور روایات ہماری سمجھ کو اس طرح سے تشکیل دیتے ہیں کہ لڑکا یا لڑکی' مرد یا عورت ہونے کا سماج میں کیا مطلب ہے۔ ہمیں اسی کے مطابق کردار اور توقعات تفویض کیے جاتے ہیں۔ خاندانی اور سماجی سطح پر مختلف عوامل چھوٹی عمر سے ہی صنفی تصورات کی تعمیر کو تقویت دیتے ہیں۔ اس طرح کے صنفی امتیازات نہ صرف عورت کی انفرادی صلاحیت کو محدود کرتے آئے ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اہم روایت کے طور پر شامل ہو کر ساخت کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ صنفی امتیازات اور رویوں کو صدیوں سے شعوری اور لاشعوری طور پر سماج میں قبول کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے اثرات آج بھی ہم خاندان و سماج میں عورت و مرد کی حیثیت میں عدم توازن کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ دراصل صنفی تصورات' معاشی، سیاسی اور سماجی شعبوں میں ساختیاتی عدم مساوات(Structural

(inequality) کو نسل در نسل تب تک برقرار رکھتے ہیں جب تک انھیں ختم کرنے کے لیے سماج کی ذہنی تبدیلی کے لیے کوشش نہ کی جائے۔ ذہنی تبدیلی کے لیے صنفی تصورات کی مختلف اشکال کو جاننا نہ صرف ناگزیر لگتا ہے بلکہ ''صنفی تصورات'' کی تعمیر یا تشکیل کو چیلنج کرنے میں مددگار دقیانوسی تصورات پر سوال اٹھانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم اس اکائی میں مختلف صنفی تصورات کو وضاحت سے سمجھنے کی کوشش کریں گے اور ان تصورات کے سماجی اثرات سے بھی واقفیت حاصل کریں گے۔

2.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

- صنفی تصوّرات کی مختلف اقسام سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔
- صنفی تعصبات، امتیازات اور عدم مساوات کے تعارف کو جان پائیں گے نیز مختلف شعبہ ہائے حیات میں مروج تصورات کی نوعیت اور اثرات سے واقفیت حاصل کر لیں گے
- کام کی صنفی تقسیم کے تصور کو سمجھ پائیں گے نیز ان کے سماج پر اثرات سے واقف ہوں گے۔
- ملک و معاشرے کی پائیدار ترقی کے لیے صنفی عدل اور مساوات کی ضرورت و اہمیت کو سمجھ پائیں گے۔

2.2 صنفی تعصب سے کیا مراد ہے (What is meant by Gender Bias)

صنفی تعصب سے مراد جنس کی شناخت کی بنیاد پر افراد کے ساتھ غیر مساوی سلوک و برتاؤ ہے 'جو اکثر امتیازات، دقیانوسی تصورات اور سماجی عدم مساوات کا باعث بنتا ہے۔ یہ مختلف طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے

1۔ واضح اور جان بوجھ کر جنس کی بنیاد پر غیر منصفانہ سلوک۔

2۔ شعوری و لاشعوری ترجیحات جو اکثر فیصلوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

3۔ وہ سماجی و ثقافتی اصول یا دقیانوسی تصورات جو صنف کی بنیاد بنتے ہیں اور ایک فرد پر دوسرے فرد کی ترجیح کا باعث بنتے ہیں۔

مندرجہ بالا تشریح سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ''کسی فرد کے ساتھ اس کی جنسی شناخت یعنی عورت یا مرد' کی بنیاد پر ترجیحی یا امتیازی سوچ یا ذہنی رویہ ''صنفی تعصب'' کہلاتا ہے۔'' یہ صنفی تعصب بیشتر صورتوں میں عورتوں اور مردوں کے سماجی رول کے درمیان کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک فرسودہ ذہنی رویّہ یا امتیازی تعصب ہوتا ہے جو بیشتر افراد کی شخصیت کا ایک پہلو بن جاتا ہے اور وہ ان ہی ذہنی رویوں کی وجہ سے ہر موقع پر عورت و مرد کے درمیان فرق کرتے رہتے ہیں۔ اگر آپ اپنے آس پاس کے معاملات پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ ایک

جنس کو دوسری جنس پر ترجیح دینے کا رجحان سماج میں عام ہے۔ یہ دراصل شعوری اور لاشعوری تعصب کی ایک شکل ہے' جو اس وقت سامنے آتی ہے جب کوئی فرد اپنے بعض رویوں اور دقیانوسی تصورات کو کسی فرد کی جنسی شناخت کے بارے میں منسوب کرتا ہے۔ جیسے کوئی ایسا مسئلہ جو عورت کی سماجی، معاشی حیثیت یا صحت سے متعلق ہو 'تب سب سے پہلے اس مسئلہ کو ''عورت یا نسوانیت'' کے معیار میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے اور اس پر ''عورت کے مسئلہ'' کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کام کی نوعیت بھی جنسی شناخت کو مدِ نظر رکھ کر کی جاتی ہے کہ کونسا کام عورت اور کونسا کام مرد کے لیے مناسب ہے۔

عام طور پر صنفی تعصب سے مراد عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو دیا جانے والا ترجیحی سلوک اور اوّلیت ہے۔ صنفی بنیاد پر تعصب کی وجہ سے اکثر موقعوں پر کسی ایک عورت یا مختلف عورتوں کے گروپ کے ساتھ غیر مساوی سلوک کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مردوں کے مقابلے خواتین کو ان کی قابلیت کی سطح سے کم ملازمتوں کے لیے مناسب سمجھا جاتا ہے اور انہیں اسی طرح کام دیے جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اکثر شعبوں میں خواتین کو ترقی دیے جانے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو کم قائدانہ صلاحیت کے حامل افراد کے طور پر کیا جاتا ہے۔ چاہے ان کی کارکردگی کو اوسط سے زیادہ درجہ دیا جائے۔ یہ ذہنی رویّہ بیشتر صورتوں میں پوشیدہ بھی ہوتا ہے جو افراد کے روزمرہ کی زندگی میں بات چیت، فیصلوں یا رویّوں میں ڈھل کر مختلف اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔

صنفی تعصب ''طاقت یا غلبہ والے رشتوں'' کو مزید مظبوط کرتا ہے۔ صنفی تعصب 'زنانہ اور مردانہ رویے کے بارے میں پہلے سے تصور شدہ وہ خیالات ہوتے ہیں جو خالصتاً مردوں اور عورتوں سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ یہ تعصبات افراد کو ذہنی حدبندیوں سے باہر آنے سے روکتے ہیں اور ہمیشہ مردوں اور عورتوں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنے دقیانوسی کرداروں کے مطابق ہی برتاؤ کریں۔ سماج میں موجود عدم مساوات کے تناظر میں غور کیا جائے تو یہ ایک وسیع مسئلہ کے طور پر سامنے آتا ہے' جو ہمارے معاشرے کے تقریباً ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔ صنفی تعصب یوں تو غیر بائنری افراد یعنی دیگر جنسی شناخت والے افراد کے ساتھ بھی ہوتا ہے 'لیکن ان ذہنی رویوں سے خواتین کی اکثریت متاثر ہوئی ہے۔ انہیں زندگی کے ہر میدان میں مختلف چیلنجس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تعلیم تک رسائی، کیریر کا حصول، تنخواہ کا فرق، قائدانہ کرداروں تک محدود رسائی، اور جنسی طور پر ہراسانی کا سامنا کرنا وغیرہ' صنفی تعصب کی عام مثالیں ہیں۔ غیر بائنری (دوسری جنس کے حامل افراد) افراد کے چیلنجس کچھ اور زیادہ نیز مختلف بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ روایتی صنفی کردار بھی ان کی شناخت کو قبول نہیں کر پاتے ہیں۔

اہم نکات:

- صنفی تعصب سے مراد جنسی شناخت کی بنیاد پر کسی فرد کے ساتھ کیے جانے والے متعصبانہ اور امتیازی رویے نیز دقیانوسی تصورات ہیں۔ صنفی تعصبات میں دقیانوسی تصورات، امتیازی سلوک، اور وسائل یا مواقع کی غیر مساوی تقسیم شامل ہے (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن، 2019)۔
- صنفی تعصب شعوری یا لاشعوری ہو سکتا ہے۔ یہ تعصب زندگی کے مختلف پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے، بشمول تعلیم، معیشت میں حصّہ داری ،سیاسی حصّہ داری، کام کی جگہ پر امتیازات، صحت کی دیکھ بھال وغیرہ میں اس تعصب کو دیکھا جا سکتا ہے' جبکہ میڈیا میں مردوں کا غلبہ بھی اسی کی مثال ہے۔
- صنفی تعصبات اکثر روایتی صنفی کرداروں کو تقویت دیتے ہیں اور یکساں مواقع کو محدود کرتے ہیں۔ مردوں، عورتوں اور غیر بائنری افراد کے درمیان واضح طور پر عدم مساوات پیدا کرتے ہیں۔

2.3 صنفی امتیاز کسے کہتے ہیں (What is meant by Gender Discrimination)

صنفی امتیاز دنیا بھر کے معاشروں میں سب سے زیادہ وسیع اور نقصان دہ مسائل میں سے ایک ہے ۔ایک منصفانہ اور مساوی معاشرے کی تشکیل کے لیے صنفی امتیاز کے بنیادی اسباب اور حل کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ''صنفی امتیاز سے مراد وہ عمل، سلوک یا رویہ ہے جو سماج میں افراد کے ساتھ ان کی جنسی شناخت [مرد یا عورت یا دیگر جنسی شناخت] کی بنیاد پر کیا جاتا ہے'' اسے صنفی تفریق بھی کہتے ہیں۔ مثالیں دیکھیں

- کسی خاتون کو قائدانہ رول یا اہم عہدہ صرف اس لیے نہیں دینا کہ وہ عورت ہے
- مرد و عورت کو مساویانہ کام کے بدلے عورت کو مرد سے کم اجرت دی جائے۔
- لڑکے کو باہر کھیل کود کی اجازت دی جائے جبکہ لڑکی کو کم عمری کے باوجود باہر کھیلنے کی اجازت نہ دی جائے
- مرد سخت کام اور زیادہ وزن اٹھا سکتے ہیں اسی لیے مختلف نوکریوں میں انھیں موقع دیا جاتا ہے۔

صنفی امتیاز یا تفریق کا سب سے زیادہ اثر ''عورت' پر ہوتا ہے۔آپ یہ جان گئے ہوں گے کہ 'صنفی امتیاز' سے مراد افراد کے ساتھ ان کی جنسی شناخت کی بنیاد پر غیر منصفانہ یا نابرابری کا سلوک کرنا ہے۔اس طرح کا امتیاز یا سلوک عام طور پر غیر بائنیری افراد کے علاوہ خواتین کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ امتیازی سلوک ان سماجی اصولوں، ثقافتی طریقوں اور تاریخی طاقت کے ڈھانچے سے پیدا ہوتا ہے جو مردوں کو

عورتوں سے برتر قرار دیتے ہیں۔ اس کا اظہار اکثر ایسے دقیانوسی تصورات، تعصبات اور طریقوں سے ہوتا رہتا ہے جو مواقع اور وسائل تک خواتین کی رسائی کو محدود کرتے ہیں۔ وہ ترقی کے وسائل سے دور گھریلو زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ خواتین کے ساتھ صنفی تفریق کے سبب تمام ذرائع سے خواتین کا کنٹرول ختم ہو جاتا ہے۔ خواتین کے ساتھ صنفی تفریق تمام اداروں جیسے گھریلو و خاندانی سطح پر، پیداوری سطح پر اور ریاستی سطح پر دیکھی جاسکتی ہے۔ انھیں تمام شعبہ حیات میں امتیازات کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اسی تفریق نے خواتین کی ترقی اور وسائل پر قابو پانے کی صلاحیت کو متاثر کیا ہے۔

بنیادی طور پر، صنفی امتیاز، کسی بھی فرد کے مساوی حق کو مجروح کرتا ہے۔ صنفی تعصب پر مبنی معاشرے میں، خواتین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مخصوص کرداروں اور طرز عمل کی پابندی کریں جب کہ مردوں کو عام طور پر زیادہ آزادی اور مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ یہ عدم توازن خواتین کی سماجی نقل و حرکت، معیاری صحت کی دیکھ بھال تک رسائی، تعلیم حاصل کرنے، یا سیاسی فیصلوں میں حصہ لینے کی صلاحیت کو متاثر کرتا ہے۔ صنفی امتیاز کے اثرات وقت کے ساتھ ساتھ جمع ہوتے رہتے ہیں، صنفی عدم مساوات کو مزید مضبوط کرتے رہتے ہیں۔ گھریلو سطح پر خواتین اور لڑکیوں کو کئی معاملات میں امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ انھیں تغذیہ بخش غذا سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ناقص غذا سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ بیماریاں خواتین کی ہلاکت کا سبب بھی بنتی ہیں۔ یہ انتہا پسندانہ صنفی امتیازی رویہ صرف اور صرف لڑکے کو ترجیح دینے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی انتہا پسندی نے لڑکی کا مادرِ رحم میں قتل اور مادہ جنین کشی کو بھی بڑھاوا دیا ہے۔ لیبر مارکٹ میں غیر مساوی تنخواہ، پیشہ ورانہ کاموں میں خواتین کا اخراج، کم اجرت، کم مہارت اور کم مزدوری والے کاموں کو صرف خواتین کے لیے مخصوص کر دینے سے معاشی ترقی کے میدان میں بالخصوص غیر منظم اور پرائیویٹ سیکٹر میں خواتین تعلیم و قابلیت کے باوجود کم تعلیم یافتہ مرد کے مساوی تنخواہ بھی حاصل نہیں کر پاتیں۔ سیاست میں خواتین کی کم نمائندگی اور معاشرہ میں قائم فیصلہ ساز اداروں میں خواتین کی آواز یا ان کے متعلق آواز کا نہ اٹھنا صنفی امیتاز کو مستقل طور پر برقرار رکھتا ہے۔ تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، یا خواتین کے خلاف امتیازی رویے حقیقت میں جابرانہ صنفی نظریات کے غلبہ کی وجہ سے مروج ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کا آئین اور قانون میں بنائی گئی مختلف دفعات صنفی مساوات کے اصولوں کے مطابق ہیں لیکن عملاً مذہبی و دیگر روایتی سماجی قوانین مرد کو عورت سے برتر بنا دیتے ہیں۔

پالیسی سازی نیز قانون سازی کے ذریعے سے صنفی امتیازات کو ختم کرنے کی باقاعدہ کوششیں بھی ہوتی رہتی ہیں، تاہم ان سب میں ایک اہم کوشش کا یہاں ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ 1979، میں اقوام متحدہ کی جانب سے خواتین کے خلاف تمام طرح کے امتیازات کے خاتمہ کے لیے ایک اہم معاہدہ Convention on Elimination of all forms of Discrimination

Againt Women(CEDAW) تیار کیا گیا۔ جس پر دنیا کے تقریباً ممالک بشمول ہندوستان نے بھی دستخط کیے۔ اس معاہدہ کے تحت بین الاقوامی سطح پر خواتین کے حقوق کو انسانی حقوق کا درجہ دے کر نہ صرف توجہ دلائی گئی بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ خواتین کے حقوق ہر قسم کے امتیازات سے آزاد ہونا چاہئے اور تمام امتیازات کے خاتمہ کے لیے حکومت کو پالیسی سازی کرنی چاہیے۔

اہم نکات:

- صنفی امتیاز کا مطلب: ایک ایسی صورتحال جس میں کسی کے ساتھ اس کی جنس کی وجہ سے کم اچھا سلوک کیا جاتا ہے، عام طور پر جب عورت کے ساتھ مرد کے مقابلے میں کم اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ صنفی امتیاز کسی کو غیر مساوی حقوق، سلوک اور مواقع دینے کا عمل ہے۔(آکسفورڈ ڈکشنیری)
- ''صنفی امتیاز'' جنس کی بنیاد پر افراد اور گروہوں کے ساتھ غیر منصفانہ اور غیر مساوی سلوک ہے۔ یہ بنیادی طور پر لڑکیوں اور خواتین کو متاثر کرتا ہے۔ چونکہ یہ صنفی اصولوں اور تعصبات پر مبنی ہے اسی لیے بیشتر اوقات سماج کے دیگر افراد بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔
- تنخواہ میں صنفی فرق، ملازمت کے شعبوں میں تقسیم اور صنفی تصورات کی بنیاد پر تشدد، دراصل صنفی تعصب اور امتیازات کی چند مثالیں ہیں۔

2.4 صنفی تعصب اور صنفی امتیاز میں فرق

(Difference between Gender Bias and Gender Discrimination)

صنفی تعصب اور صنفی امتیاز، دو اہم لیکن مختلف تصورات ہیں، جو صنف سے متعلق ناانصافیوں کو بیان کرتے ہیں۔ صنفی تعصب، سے مراد، ذہنی رویے، خیال، عقائد اور وہ تصورات ہیں جو عورت و مرد کے درمیان سماجی کردار میں فرق سے متعلق ہیں اور ایک صنف کو دوسری صنف سے بہتر اور برتر سمجھتے ہیں۔ صنفی تعصبات، دقیانوسی اور روایتی تصورات پر مبنی ہوتے ہیں، جو صدیوں سے چلے آرہے ہمارے سماج کی سوچ و فکر کا اہم حصّہ بن گئے ہیں۔

دوسری طرف ''صنفی امتیاز'' وہ سلوک یا عمل ہے جو تعصب سے بھرا ہوتا ہے۔ اس میں ایسے رویے اور عمل شامل ہیں جو صنفی تعصبات کی بنیاد پر افراد یا گروہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک غیر منصفانہ سلوک ہوتا ہے جو کسی فرد کو انسانی حقوق سے دور کرتا ہے۔ صنفی تعصب اور صنفی امتیاز کے درمیان فرق کو عام لفظوں میں سمجھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''صنفی تعصب ایک ذہنی رجحان ہے، جب کہ صنفی امتیاز، اس تعصب کا عملی اظہار یا سلوک یا برتاؤ کے ذریعے اطلاق کرنا ہے''۔ آگے دی گئی مثالوں سے فرق کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

- صنفی تعصب: لڑکیاں حساب کے مضمون میں بہتر مظاہرہ نہیں کر سکتیں۔
- صنفی امتیاز: لڑکیاں چونکہ حساب میں اچھی نہیں ہوتیں اسی لیے لڑکیوں کو اکاؤنٹنگ کی کلاس میں داخلہ نہ دینا

معاشرے میں انصاف اور مساوات سے متعلق مسائل کو حل کرنے کے لیے اس بنیادی فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ صنفی تعصب اور صنفی امتیاز، دراصل تعصب کی ہی دو شکلیں ہیں، لیکن ان میں بنیادی فرق موجود ہے۔تاہم دونوں صورتوں میں جنسی شناخت کی مخصوص خصوصیات کی بنیاد پر افراد کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا جاتا ہے۔آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ''صنفی تعصب سے مراد کسی خاص گروہ یا فرد کی طرف عمومی جھکاؤ یا تعصب ہے، جب کہ امتیازی سلوک میں کارروائی کرنا یا ایسے فیصلے کرنا شامل ہے جو افراد کو ان کے جنسی اختلافات کی بنیاد پر نقصان پہنچاتے ہیں۔ تعصب اور امتیاز دونوں صورتیں معاشرے پر مجموعی طور پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ عدم مساوات اور ناانصافی کو برقرار رکھتے ہیں۔ سب کے لیے مساوات اور انصاف کو فروغ دینے کے لیے تعصب اور امتیاز دونوں کو پہچاننا اور ان سے نمٹنا ضروری ہے۔

2.5 صنفی تعصب اور امتیازات کی نوعیتیں (Forms of Gender Biases and Discriminations)

2.5.1 خاندان (Family)

خاندان وہ اہم سماجی ادارہ ہے جہاں سے صنفی تعصبات کی شروعات ہوتی ہے۔گھریلو سطح پر وسائل اور مواقع کی تقسیم میں صنفی تعصب کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ پدرانہ گھرانوں کو مردوں کے ہاتھوں میں طاقت اور کنٹرول کے ذریعے برقرار رکھا جاتا ہے۔ خاص طور پر مرد کو گھر کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہے۔انھیں ''روزی روٹی کمانے والا'' مانا گیا ہے۔ عورت کو ''گھر والی'' کے طور پر سماج میں دوسرے درجہ کی شناخت دی گئی ہے۔اگرچہ کہ وہ معاشی طور پر گھر میں حصّہ دار بھی ہو تب بھی اسے وہ مقام حاصل نہیں۔ جو مرد کو حاصل ہے۔خاندانی سطح پر صنفی تعصب لڑکے اور لڑکی کی پرورش، تعلیمی مواقع اور کیریر کے انتخاب میں واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ دونوں کے متعلق جداگانہ رویے اور سوچ ہوتی ہے اور تفویض کردہ صنفی کردار ہوتے ہیں جو مواقعوں اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم کا باعث بنتے ہیں۔ خاندانی نظام میں طاقت کے رشتے (Power relations) اہم اور مرکز میں ہوتے ہیں۔یعنی زندگی کے تمام معاملات میں اولیت ،اہمیت اور فیصلہ سازی کا حق مرد افراد کو ہوتا ہے اور عورت کی حیثیت ان فیصلوں کو قبول کرنے والی نیز ان پر عمل کرنے والی کی ہوتی ہے۔ خاندان میں روایتی صنفی کردار ان تمام روایتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ بسہ اوقات صنفی تعصب گھریلو تشدد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات میں گھریلو تشدد بالخصوص شوہر کی جانب سے کیے جانے والے تشدد کے واقعات تشویش

ناک حد تک بڑھ گئے ہیں۔ اگرچہ کہ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ صنفی تعصب ہر خاندان میں ہوتا ہے لیکن مختلف رپورٹس اور تحقیقی مطبوعات کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشتر خاندان صنفی تعصب کی کوئی نہ کوئی شکل سے متاثر ہیں۔

2.5.2 تعلیمی نظام(Educational system)

تعلیم میں صنفی تعصب ایک اہم سماجی مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ ملک کی تمام تر ترقی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سماج کی نصف آبادی جو خواتین پر مشتمل ہوتی ہے اگر ان میں سے بڑی تعداد تعلیم اور ترقی سے دور ہوتے ہیں تو پھر سماج کیسے پائیدار ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کا حصول آج بھی کئی علاقوں اور خاندانوں میں ایک بڑا چیالنج بنا ہوا ہے۔ صنفی تعصب خاندانی سطح سے شروع ہو کر تعلیمی نظام تک پہنچ جاتا ہے۔ صنفی تصورات کی بنیاد پر لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو کم تعلیمی مواقع کی فراہمی، لڑکوں کی تعلیم اور بہتر معاشی موقف کی توقعات، لڑکیوں کی کم اعلیٰ و پیشہ وارانہ تعلیم کی کم حوصلہ افزائی، کم عمری کی شادی' وغیرہ اس کی عام مثالیں ہیں۔ علاوہ ازیں تعلیمی نظام، نصابی کتب اور تدریسی مواد میں بھی صنفی تعصب دیکھنے کو ملتا ہے۔ نصابی کتابیں اکثر روایتی صنفی کرداروں اور دقیانوسی تصورات کو تقویت دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، تاریخ یا سائنس کے متن میں مردوں کو فعال، فیصلہ کن شخصیات کے طور پر دکھایا جاتا ہے، جبکہ خواتین کو پسماندہ یا زیادہ محدود کرداروں میں دکھایا جاسکتا ہے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ خواتین کو پرورش اور گھریلو امور میں ماہر ہونا چاہیے اور مردوں کو ثابت قدم اور کیریئر پر مبنی ہونا چاہیے۔ صنفی تعصبات کی بنیاد پر یہ تقسیم کی جاتی ہے۔ تعلیمی مواد میں یہ تعصبات صنفی کرداروں کے بارے میں طالب علموں کے تصورات کو واضح طور پر تشکیل دیتے ہیں، ان کی صلاحیت کو محدود کرتے ہیں اور صنفی دقیانوسی تصورات کو برقرار رکھنے میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ اسکول کی سطح کی کتابوں میں بھی قابل خواتین کا ذکر بھی کم ہوتا ہے۔ انہیں انتہائی کم اہمیت والے کردار یا کم تعلیم یافتہ، بے عقل و ناسمجھ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صنفی تعصب اسکول کی سطح سے ہی فروغ پانے لگتا ہے اور لڑکیوں اور خواتین کے متعلق ایک پسماندہ تصور ذہنوں میں تیار ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اعلیٰ اور پیشہ وارانہ تعلیم کے شعبوں میں بھی صنفی تعصب دیکھنے کو ملتا ہے۔ تعلیم کے کئی ایسے شعبہ جات ہیں جو آج بھی لڑکیوں کے لیے مناسب نہیں سمجھے جاتے۔ صنفی تعصب خاص طور پر STEM شعبوں (سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ، اور ریاضی) میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جہاں لڑکیوں کی شمولیت کم ہوتی ہے۔ دقیانوسی تصورات جو STEM کو "مرد" فیلڈ کے طور پر ہی قبول کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں آج بھی خواتین کو ان شعبوں میں تعلیم حاصل کرنے اور کیریئر بنانے میں رکاوٹ ہے۔ تازہ ترین رپورٹس بتاتی ہیں کہ مذکورہ مضامین میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود لڑکیاں شادی کے بعد اس شعبہ میں کیریر نہیں بنا پا رہی ہیں۔ STEM میں خواتین کو اکثر

اضافی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ عوامل STEM میں جاری صنفی فرق میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان اہم شعبوں میں فکر اور اختراع کا تنوع محدود ہو جاتا ہے اور خواتین کی صلاحیتیں اور ان کے تجربات اس میں شامل نہیں ہو پاتے۔ لڑکیوں کے سماجی تحفظ کو لے کر ماں باپ پریشان رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، زبردستی، جنسی ہراسانی کے سیکڑوں واقعات ہمیں ہر دن پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ وہ صنفی تعصب اور مردانہ غلبہ کو قائم رکھنے کے لیے ہی کیے جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں لڑکیاں ترکِ تعلیم پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

2.5.3 کام کی جگہ یا عوامی جگہ (Work place or Public places)

خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنا، صنفی تعصب کی ایک اہم مثال ہے۔ یہ ذہنی رویّہ کام کی جگہ پر یا عوامی مقامات پر خواتین کو عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رکھتا ہے اور ان کی صلاحیتوں کو نمایاں طور پر متاثر کرتا ہے۔ یہ صنفی تعصب کی ایک سنگین شکل ہے، جو اکثر کسی فرد کی جنس کی بنیاد پر ناپسندیدہ اور غیر شائستہ حرکتیں، زبانی، غیر زبانی، یا جسمانی طرز عمل، غیر مہذب اشارے کنائے کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ صنفی تعصب کام کی جگہ پر کام مخالف ماحول پیدا کرتا ہے۔ صنفی بنیاد پر ہراساں کرنا، بشمول جنسی طور پر ہراساں کرنا، اکثر کام کی جگہ پر خواتین کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ بیشتر لڑکیاں و خواتین اپنی تعلیم اور اپنے کیریئر کے دوران کسی نہ کسی قسم کی جنسی ہراسانی کا سامنا کرتی ہیں۔ یہ مسائل نہ صرف خواتین کی ذہنی صحت کو متاثر کرتے ہیں بلکہ ان کے کیریئر کی ترقی کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ ملازمت، ترقیوں، اور کارکردگی کے جائزوں میں صنفی تعصب ایک اہم رکاوٹ بنتا ہے۔ اس طرح کے تعصبات کیریئر کی ترقی میں تفاوت اور قائدانہ کرداروں میں خواتین کی مسلسل کم نمائندگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ کام کی نوعیت اور اجرت میں تفاوت، صنفی تعصب سے متعلق سب سے زیادہ زیر بحث مسائل میں سے ایک ہے۔ خواتین اب بھی کئی صنعتوں میں ایک ہی کام کے لیے مردوں سے کم تنخواہ یا اجرت پاتی ہیں۔ یہ تفاوت خواتین کی مالی آزادی کو محدود کرتے ہوئے اور مجموعی طور پر صنفی عدم مساوات کو بڑھاتا ہے نیز معاشرے پر وسیع معاشی اثرات مرتب کرتا ہے۔

2.5.4 پالیسی ساز ادارے اور قیادت (Policy making institutions and Leadership)

اداروں اور تنظیموں میں قائدانہ کردار بنیادی طور پر مردوں کے قبضے میں رہتے ہیں۔ خواتین کی اعلیٰ سطحوں پر نمائندگی بالکل کم ہوتی ہے۔ یہ تصور جزوی طور پر ایک غیر مرئی رکاوٹ کا کام کرتا ہے جسے اصطلاح میں Glass ceiling کہتے ہیں۔ یعنی صنفی تعصب کی وہ روایات یا افعال جو خواتین کو ان کی اہلیت کے باوجود قیادت کے عہدوں پر پہنچنے سے روکتی ہیں۔ سماجی توقعات اور صنفی دقیانوسی تصورات اکثر خواتین کو قائدانہ کرداروں کے لیے نظر انداز کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ رویہ میڈیا میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک طرف پروگراموں اور ڈراموں

وغیرہ میں عورت کا کردار عموماً روایتی سوچ پر مبنی ہوتا ہے تو دوسری طرف ان میں بھرپور صلاحیتیں ہونے کے باوجود وہ میڈیا پروڈکشن یا ڈائرکٹرز کے عہدے تک کم ہی پہنچتی ہیں، ان کے لیے زیادہ تر اسکرین پر پیش کشی کے کام دیے جاتے ہیں۔

2.6 ہندوستان میں صنفی امتیازات(Gender Discrimination in India)

ہندوستان میں خواتین کے ساتھ امتیازی رویہ اور خواتین کے ساتھ متعصبانہ سلوک نسل در نسل رائج ہے۔ اس طرح کے صنفی تعصبات تقریباً تمام خواتین کو ان کی زندگی کے کچھ حصے پر یا مکمل طور پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کے آئین نے خواتین کو 'مساوات کے حقوق' عطا کیے ہیں، لیکن صنفی تعصبات اور دقیانوسی تصورات گھر، کام کی جگہ اور معاشرے میں ہر جگہ شامل ہیں۔ خواتین کے تئیں روایتی سماجی تعصب کی وجہ سے معاشرے میں وسائل اور خدمات تک رسائی کے محدود مواقع ہیں' جیسے کہ تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، ملازمتیں، رکنیت، ملکیت، سیاسی اور قانونی حیثیت وغیرہ۔ لڑکوں اور مردوں کی ہر میدان میں ترجیح پیدائش سے لے کر موت تک یکساں رہتی ہے۔ بیٹے کی ترجیح' مادہ جنین کو رحم میں مار کر (جنین قتل) اور رحم سے باہر بچیوں کو قتل کر کے صنفی تعصب کا باعث بنتی ہے۔ صنفی تعصب کی بنیاد پر ہی لڑکی کو 'بوجھ' اور لڑکے کو ''گھر کا چراغ'' سمجھا جاتا ہے۔ لڑکیوں کی پرورش اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ کم سے کم ضروریات اور فوائد کے ساتھ حاشیہ پر زندہ رہیں۔ انھیں 'دوسروں کے لیے زندگی گزارنے اور قربان ہونے کی تربیت دی جاتی ہے۔ صنفی تعصب پر مبنی ثقافت ان پر سماجی پابندی عائد کرتی ہے تاکہ وہ اپنی سماجی و نفسیاتی نشوونما اور بااختیار بنانے پر خاندان کی دیکھ بھال کو ترجیح دیں۔ صنفی تعصب ان کی صحت اور تعلیم کو ثانوی ضروریات کے طور پر آگے بڑھاتا ہے۔ مردوں کے مقابلے لڑکوں اور عورتوں کے مقابلے لڑکیوں میں ناقص غذا یا کم غذائیت اور ڈراپ آؤٹ کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ جب ایک لڑکی بالغ ہوتی ہے تو وہ اسی خاندان کا بوجھ زیادہ شدت کے ساتھ اٹھاتی ہے۔ ہندوستانی معاشرہ خواتین پر بچوں اور بوڑھوں کی دیکھ بھال کی بنیادی ذمہ داری ڈالنے کے لیے بہت زیادہ متعصب ہے۔

ہندوستان میں صنفی تعصب و امتیازات کی سنگین صورتِ حال معاشی سرگرمیوں کے میدان میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ خواتین کو اکثر ایک ہی کام کے لیے مردوں کے مقابلے میں کم معاوضہ دیا جاتا ہے، یہ رجحان صنفی تنخواہ کے فرق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی طرح کی قابلیت اور کردار کے باوجود، خواتین کو اکثر کم اجرت اور کیریئر میں ترقی کے کم مواقع دیئے جاتے ہیں۔ اجرت کے اس تفاوت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہندوستانی خواتین کی بڑی تعداد معاشی طور پر خاندان کے مردوں یا شراکت داروں پر انحصار کرتی ہیں۔ اس طرح ان کی مالی آزادی محدود ہو جاتی ہے۔ اجرت کے تفاوت کے علاوہ، صنفی امتیاز' وسائل اور مواقع تک خواتین کی رسائی کو بہت متاثر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، خواتین کو اکثر قرض یا زمین کی ملکیت تک محدود رسائی ہوتی ہے۔ خاص طور پر دیہی علاقوں میں۔ بیشتر معاشروں میں، معاشرتی اصول یہ حکم دیتے ہیں کہ

جائیداد اور زمین مردوں کی ملکیت اور کنٹرول میں ہی رہے۔اس روایت کے نتیجے میں خواتین کو اہم معاشی اثاثوں پر کوئی کنٹرول حاصل نہیں ہے۔ معاشی خود مختاری کا یہ فقدان ہندوستانی خواتین کی بڑی تعداد کو غربت اور قرض کے دائرے میں گرفتار کیا ہے۔ دیہی یا کم آمدنی والے ماحول میں پسماندہ خواتین متاثر ہیں۔ چونکہ دیہی خواتین میں خواندگی کی شرح کم ہوتی ہے، جس سے ان کی بہتر معاوضہ والی ملازمتیں تلاش کرنے اور سماجی یا سیاسی شعبوں میں حصہ لینے کے امکانات محدود ہو جاتے ہیں۔اسی طرح بہت سے علاقوں میں صحت کی دیکھ بھال کا نظام' خواتین کی مخصوص ضروریات کو پورا کرنے میں ناکام قرار دیا جاسکتا ہے۔ صحت کی دیکھ بھال میں امتیازی طرز عمل، حمل اور زچگی کے لیے ناکافی دیکھ بھال، خاندانی منصوبہ بندی تک رسائی کی کمی وغیرہ صنفی تعصبات اور امتیازات کی اہم مثالیں ہیں۔

2.7 صنفی دقیانوسی تصوّرات(Gender Stereotype)

صنفی دقیانوسی تصورات صدیوں سے چلے آرہے۔ یہ وہ تصورات ہیں جو مخصوص جنسی شناخت کے مطابق ہمارے ذہنوں میں موجود ہوتے ہیں۔یعنی صنفی دقیانوسی تصورات' ہمارے ذہنوں میں مرکوز عورت ومرد کے مخصوص تصورات اور تصویریں ہیں۔ان تصورات کو مختلف ذرائع سے ہمارے ذہن کا حصّہ بنایا جاتا ہے۔ صنفی دقیانوسی تصوّرات کو سمجھنے کے لیے آیئے ہمارے سماج سے چند مثالیں دیکھتے ہیں۔

- لیڈر مرد ہی بہتر ہوتے ہیں۔ خواتین لیڈر نہیں بن سکتیں' وہ جذباتی ہوتی ہیں۔
- مردوں کو کھانا پکانا نہیں آتا۔ یہ کام عورتوں کا ہے۔
- لڑکیوں کو شادی کے بعد دوسرے گھر جانا ہوتا ہے اسی لیے انھیں اعلیٰ یا پیشہ وارانہ تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔
- مرد ہی خاندان کے کفالت کرتے ہیں۔
- عورتیں کار اچھی نہیں چلا سکتیں۔
- مرادروتے نہیں وہ مظبوط ہوتے ہیں۔

صنفی دقیانوسی تصورات' ثقافتی، سماجی اور خاندانی نظام کا حصّہ ہوتے ہیں۔ان تصورات پر مبنی کئی فلمی گیت یا غزلیں آپ نے بارہا سنی ہوں گی جن میں صرف عورت کے حسن کے تصور کو پیش کیا جاتا ہے۔وہیں یہ صنفی دقیانوسی تصورات روزمرہ کی بات چیت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ

- لڑکی تو نازک اور خوبصورت ہی ہونی چاہیے۔
- اسے دیکھو کتنا لمبا، صحت منداور طاقتور لڑکا ہے۔ وہ سخت محنت کے کام کر سکتا ہے۔ اچھا اسپورٹس مین ہو سکتا ہے۔

- کسی اونچے قد اور صحت مند جسم کی مالک عورت کے لیے کہا جاتا ہے وہ تو مرد نما عورت ہے۔
- نہیں تم یہ وزن نہیں اٹھا سکتیں، تمھارا بھائی یہ کام کرلے گا۔
- نازک جسم والے ہیرو کے لیے کہا جاتا ہے "یہ تو لڑکی نما ہیرو ہے"
- بولڈ لڑکیوں کو اکثر یہ سننا پڑتا ہے "لڑکوں کی طرح برتاؤ مت کرو"
- جبکہ لڑکا کسی موقع پر جذباتی ہو جائے تو اس سے کہا جاتا ہے، "لڑکی کی طرح مت رو۔"

آیئے! کچھ سپر ہیروز کے کردار کی مثالوں پر بھی غور کرتے ہیں- ہم جانتے ہیں کہ اسپائیڈر مین، سپر مین، بیٹ مین، یا فلم کے ہیروز کے ایسے طاقتور کردار خاص طور پر لکھے گئے اور رول ماڈل کے طور پر پیش کیے گئے جو، طاقت، دانش وری اور فیصلہ سازی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ان ہیروز کی برائی کو ختم کرنے یا ناساز گار حالات میں دنیا کو یا کبھی ہیروئن کو بچانے کا کام سونپا گیا ہے۔ وہ اپنی بھرپور ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو کام میں لا کر ہر موقع پر جیت جاتے ہیں اور دنیا کو ظلم و زیادتی سے بچا لیتے ہیں، یعنی ایسے مرد کردار جو سماج کی صنفی فکر کو پیش کرتے ہیں۔ جبکہ لڑکیوں اور خواتین کو ایک خوب صورت، نازک اندام لڑکی یا عورت کے ثانوی کردار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی بے انتہا خوب صورتی سے ہیرو سمیت تمام افراد متاثر ہوتے ہیں۔اس کردار کو یا تو منفی خصوصیات کا حامل بتایا جاتا ہے، یا پھر مرد کے جذبات کو اپنے حسن سے برانگیختہ کرنے والی حسینہ یا محبت، شفقت اور ایثار کا پیکر ایک ماں یا سمجھدار بیوی کے بہ طور ماڈل پیش کیا جاتا ہے۔

آپ نے یہ بھی غور کیا ہوگا کہ ہر کھلونوں کی دکان یا ویب سائٹ پر علیحدہ سیکشنز اس طرح بنے ہوتے ہیں- لڑکوں کے لیے کھلونے، لڑکیوں کے لیے کھلونے- لڑکوں کے کھلونوں میں، ایروپلینس، کارس، ٹرکس، مختلف ہتھیار، گن وغیرہ شامل رہتے ہیں جو بچپن سے ہی ان میں طاقت، غلبہ اور سب کچھ حاصل کرلینے کے جذبے کو پروان چڑھاتے ہیں۔ لڑکیوں کے لیے دقیانوسی تصور ان کی خوب صورتی اور نزاکت کے علاوہ ان کی گھریلو مہارتوں کے فروغ سے جڑا ہے۔ لہٰذا انھیں رنگ برنگی گڑیا اور برتن وغیرہ کھلونے دیے جاتے ہیں۔ گویا کھیل اور کھلونوں کے ذریعے بھی بچپن سے ہی انھیں ایسے روایتی یا دقیانوسی صنفی تصور کی مشق کروائی جاتی ہے، جو معاشرے نے عورت و مرد کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔ ہمارے لیے مقرر کیے ہیں۔ شاذ و نادر ہی کوئی والدین لڑکے کو کچن سیٹ اور لڑکی کو کار، بلڈوزر، ہیلمٹ یا ہتھوڑا خریدنے کی ہمت کرتے ہیں۔ یہ تمام ابتدائی پیغامات بنیادی طور پر تجویز کرتے ہیں کہ لڑکیاں/عورتیں بے اختیار ہیں، جبکہ لڑکے/مرد تمام طاقتور ہیں۔ جبکہ سماجی تصورات اور بیانات لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے چھوٹی عمر سے ہی مختلف توقعات پیدا کرتے ہیں۔

صنفی اصول اور دقیانوسی تصورات ہمارے معاشرے میں بچپن سے لے کر جوانی تک بہت گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے مواقع کی تشکیل کرتے ہیں، صلاحیتوں کو محدود کرتے ہیں، اور ایسے صنفی کردار مسلط کرتے ہیں جو اکثر ہماری حقیقی صلاحیتوں اور

دلچسپیوں کے مطابق نہیں ہوتے ہیں۔ صنفی دقیانوسی تصورات کے تمام افراد پر دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صنفی دقیانوسی تصور اس وقت نقصان دہ ہوتا ہے جب یہ خواتین اور مردوں کی اپنی ذاتی صلاحیتوں کو فروغ دینے، اپنے پیشہ ورانہ کیریئر کو آگے بڑھانے اور اپنی پسند کی زندگیوں کے بارے میں /بنانے کی صلاحیت کو محدود کرتا ہے۔اس کے نتیجے میں انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

صنفی دقیانوسی تصورات روایت بن کر ہمارے سماج میں موجود ہیں اور نسل در نسل ان مخصوص تصورات کو منتقل بھی کیا جاتا ہے۔ صنفی دقیانوسی تصورات کے نتیجے میں ترقی اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم ہوتی ہے۔ جس سے لڑکیاں اور خواتین زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ خواتین کے کردار کے بارے میں دقیانوسی تصورات جو کہ گھریلو اور خاندانی دائرے تک محدود ہیں، لڑکیوں کی معیاری تعلیم اور ان کی بااختیاری کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ یہ تصورات، نسوانیت اور مردانگی کی سخت تعمیرات میں اہم رول ادا کرتے ہیں اور بسااوقات خواتین کے خلاف صنفی بنیاد پر تشدد کی بنیادی وجہ بھی بنتے ہیں۔ سماج میں صنفی مساوات کا خاتمہ نیز حقیقی مساوات کے حصول کے لیے، ہمیں ان اصولوں پر نظر ثانی کرنے اور ان کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے، جو ہر فرد کو اپنی مکمل صلاحیتوں کا ادراک کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، چاہے اس کی صنف کچھ بھی ہو۔ تب ہی ہم سب کے لیے ایک بہتر اور کامیاب معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

2.8 محنت کی صنفی تقسیم (Gender Division of labour)

محنت کی صنفی تقسیم سے مراد عورتوں اور مردوں کے لیے مختلف سماجی کرداروں، ذمہ داریوں اور کاموں کی تفویض ہے۔ یہ تقسیم صنفی تصورات کی بنیاد پر کی جاتی رہی ہے کہ مردوں اور عورتوں کو کس طرح کے کام کرنا چاہیے اور وہ کیا کام کرنے کے قابل ہیں۔ محنت کی صنفی تقسیم، سماجی درجہ بندی اور عدم مساوات کا باعث بنتی ہے کیونکہ سماج میں مردوں اور عورتوں کی محنت کو یکساں طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ مرد' روزی روٹی کمانے والے ہیں اور اسی لیے روزگار کے کئی شعبے مردوں کے ہی تسلیم کیے گئے' جبکہ عورتیں گھریلو امور اور بزرگوں و بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں لہٰذا خواتین کو ایسی ملازمتیں تفویض کی جاتی ہیں جو ان کے روایتی کردار سے مناسبت رکھتی ہوں۔ ایسے کام کی معاشی اہمیت بھی کم سمجھی جاتی ہے۔ ایک اور اہم اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ایسی خواتین جو روزگار سے وابستہ ہیں اور خاندان کی معاشی ضرورتوں میں اپنا حصّہ ادا کرتی ہیں "تب بھی ان کی آمدنی کو خاندانی آمدنی کا ضمنی حصّہ تصور کیا جاتا ہے جبکہ بنیادی آمدنی مرد حضرات کی سمجھی جاتی ہے۔

محنت کی صنفی تقسیم کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے تین اقسام میں تقسیم کیا گیا: تولیدی کام، پیداواری کام اور اجتماعی کام

(i) تولیدی کام اور بلا معاوضہ گھریلو کام:

خواتین ہر طرح کے گھریلو کام کی ذمہ دار قرار دی گئی ہیں۔' جیسے کھانا پکانا، صفائی ستھرائی، بزرگوں کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش، مویشیوں کی دیکھ بھال، ایندھن، چارہ اور پانی وغیرہ جمع کرنا عورتوں کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ یہ تمام امور انتہائی اہم ہیں جو ایک خاندان کے استحکام اور مجموعی ترقی کے لیے انتہائی ضروری ہوتے ہیں۔ خاندان سماج کی اہم اکائی کہلاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھریلو امور انجام دینے والی خاتون اپنے خاندان کے افراد کی مکمل دیکھ بھال اور بچوں کی پیدائش و پرورش کے ذریعے انھیں سماج کا اہم فرد بنا رہی ہے۔ گویا وہ سماج کو تیار کر رہی ہے لیکن ان تمام امور کو اہمیت اس لیے نہیں دی گئی کہ وہ کام آمدنی کا ذریعہ نہیں ہیں' بلکہ یہ تمام کام اور دن و رات کی مشقت کو خواتین پر فرض بنا کر عائد کر دیے گئے۔ ان تمام کاموں کا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔ اسی لیے انھیں غیر پیداواری کام (Un Productive work) سمجھا جاتا ہے۔' جب کہ مرد یا عورت گھر کے باہر آمدنی والے کام کرتے ہیں تو انھیں پیداواری کام (Productive Work) کے درجے میں رکھا جاتا ہے۔ پھر سماج عہدے اور آمدنی کی بنیاد پر افراد کا مقام و سماجی رتبہ طے کرتا ہے۔

(ii) پیداواری کام:

پیداواری کام یعنی' اس میں مختلف طرح کے روزگار اور خود روزگار کے علاوہ، کھیتی باڑی، ماہی گیری یا مینوفیکچرنگ وغیرہ جیسے پیداواری کام شامل ہیں۔ پیداواری کام یعنی وہ کام جس سے آمدنی پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ خواتین اور مرد دونوں پیداواری سرگرمیوں میں شامل ہوتے ہیں' لیکن اکثر کام اور ذمہ داریاں صنفی تقسیم کی بنیاد پر مختلف ہوتی ہیں۔ کام گار یا ملازمت پیشہ خواتین کی بڑی تعداد غیر منظم سیکٹر سے وابستہ ہے۔ جیسے زراعت، غذائی اجناس کی کٹائی، صفائی اور پیکنگ، بیڑی بنانا، سلائی بنائی یا چھوٹی صنعتوں میں کام کا بڑا حصّہ خواتین ہی انجام دیتی ہیں لیکن ان کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوتے ہیں اسی لیے معاشی سرگرمیوں میں خواتین کی حصہ داری یا پیداواری کام اکثر مردوں کے مقابلے میں کم نظر آتے ہیں۔ خواتین کو اکثر کم معاوضہ اور کم ہنر مند نوکریاں دی جاتی ہیں جیسے صفائی اور دیکھ ریکھ والے کام، ریسپشنسٹ، ٹائپسٹ، سیکرٹری اور ٹیچر وغیرہ۔ ایسی ملازمتیں جیسے ریسپشنسٹ، ایئر ہوسٹس وغیرہ کے لیے ان کی جسمانی صفات (یعنی عمر، خد و خال اور خوبصورتی وغیرہ) کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ بالعموم سماج میں خواتین کو ایک ''آرائشی شئے یا جنسی اشیاء'' کے طور پر، یا اچھی دیکھ بھال کرنے والی اور گھریلو ملازمہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ گویا اس طرح کے کام بھی ان کے گھریلو کام کی توسیع کہے جا سکتے ہیں۔ ایسے کم تر عہدے اور ان کے کام کی قدر بھی کم ہی ہوتی ہے۔

(iii)اجتماعی کام:

خواتین زیادہ تر کمیونٹی تقریبات میں پوشیدہ رول نبھاتی ہیں۔ سوائے ہاؤس کیپنگ یا مذہبی کاموں کی تیاری کے۔ مرد ہمیشہ ایسی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں جو باہری دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور سیاسی نوعیت کے ہوتے ہیں جبکہ خواتین کا کام پوشیدہ رہتا ہے کیونکہ وہ پس منظر میں رہ کر مصروف کار ہوتی ہیں۔ان تینوں افعال میں محنت کی صنفی تقسیم کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

سماج میں ہمیں کام یا محنت کی عام طور پر جو صنفی تقسیم نظر آتی ہے اسے نیچے تقابلی انداز میں جدول کے سہارے پیش کیا گیا ہے ٗتا کہ آسانی سے تفہیم ہو سکے۔ ہم نے صرف ایک دن کے کام کو تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا نہیں کہ تمام خاندان اسی طرزِ تقسیم پر عمل کرتے ہیں۔ بعض گھرانوں میں ہمیں استثنائی صورتیں بھی مل جاتی ہیں۔ جنھیں ہمیں رول ماڈل بنانا چاہیے۔

محنت کی صنفی تقسیم

خواتین	مرد
صبح جلدی اٹھنا اور تمام گھریلو امور انجام دینا	صبح کے وقت آرام سے جاگنا، اخبار پڑھنا، چائے نوش کرنا
ناشتہ بنانا، بچوں کے اسکول کی تیاری، بزرگوں کی ضروریات کی تکمیل کرنا	ناشتہ کرنا اور آفس یا کام پر جانا
دن بھر گھر کے دیگر امور کی تکمیل کرنا، دوپہر اور رات کے کھانے کی تیاری کرنا یعنی فرائض کی تکمیل میں سارا دن گذارنا	آفس یا کام کی جگہ پر دوست واحباب کے ساتھ تبادلہ خیال کرنا، گپ شپ، چائے یا سگریٹ نوشی کرنا یعنی حسبِ خواہش وقت گذارنا
پانی، چارہ، ایندھن، سبزی، کھانے کی اشیاء کے حصول اور دیکھ ریکھ کی تمام تر ذمہ داری نبھانا	ضروریاتِ زندگی کے لیے ماہانہ یا یومیہ پیسے دینے کی ذمہ داری نبھانا
بزرگوں کی خدمت، مہمانوں کی دیکھ بھال کرنا	کوئی ذمہ داری نہیں
بچوں کی پیدائش، پرورش، پڑھائی کے علاوہ دیگر ضرورتوں کا خیال رکھنا	کوئی ذمہ داری نہیں
دیر رات تک گھر کی صفائی کرنا اور دوسرے دن کے امور کی تیاری کرنا	گھریلو امور کی کوئی ذمہ داری نہیں

عورت اگر روزگار سے وابستہ ہے تو گھریلو تمام ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اپنی ملازمت کے لیے تیار ہونا۔ شام کو واپس آکر گھریلو ذمہ داری اٹھانا	گھریلو ذمہ داریوں میں مدد کے بغیر اپنی ملازمت پر جانے کی تیاری کرنا

2.8.1 خواتین پر کام کا دوہرا بوجھ (Double Burden of work on Women)

"دوہرے بوجھ" کے تصور سے مراد وہ دوہری ذمہ داری ہے جسے عام طور پر بہت سی خواتین اٹھاتی ہیں۔ آپ ایسی بے شمار خواتین کو جانتے ہوں گے جو روزگار سے وابستہ ہیں اور انھیں اپنے تمام گھریلو امور بھی پوری ذمہ داری سے نبھانے پڑتے ہیں۔ ایسے کام یعنی بغیر معاوضہ گھریلو کام کے ساتھ معاوضہ کام یعنی نوکری کو متوازن کرنا "دوہرا بوجھ" کہلاتا ہے۔ گرچہ کہ محنت یا کام کی صنفی تقسیم کا خیال نیا نہیں ہے، لیکن جدید معاشرے میں خواتین کو اپنے کیریئر اور گھریلو ذمہ داریوں، دونوں کو برقرار رکھنے کے لیے جس طرح کے مسائل اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس پر ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

"دوہرا بوجھ" ایک اصطلاح ہے جس کا استعمال ان دوہرے کرداروں کو بیان کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جو خواتین عام طور پر کام کی جگہ اور گھر دونوں میں ادا کرتی ہیں۔ یہ تصور 20 ویں صدی کے آخر میں لیبر فورس میں خواتین کی بڑھتی ہوئی شرکت کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر توجہ کا مرکز بنا اور اس ضمن میں کئی مطالعات و مباحث بھی سامنے آئے۔ تعلیم و ترقی کی نئی منازل تک پہنچنے کے باوجود سماج میں آج بھی خواتین سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ، تمام گھریلو امور، جیسے کہ گھریلو کام، پکوان، صاف صفائی، بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال اسی طرح انجام دیں گی جیسی کہ ایک غیر پیشہ وارانہ خاتون کرتی ہیں۔ اس طرح کی توقعات سے ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے جہاں خواتین کو اپنی ملازمت اور گھریلو زندگی کے درمیان توازن رکھنے کے لیے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان کے بیشتر خاندانوں میں مردوں کے مقابلے خواتین کو دوہرا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ خواتین اکثر کل وقتی ملازمت کرتی ہیں، لیکن جب وہ گھر واپس آتی ہیں تو ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ گھریلو کام کاج کا انتظام کریں، بچوں کی دیکھ بھال کریں اور بوڑھے والدین یا سسرال والوں کی دیکھ بھال کریں۔ ان دوہری ذمہ داریوں کا تناؤ، تھکن اور بہت سے معاملات میں، نفسیاتی، ذہنی اور جسمانی صحت میں کمی کا باعث بن سکتا ہے۔

کام کا دوہرا بوجھ، خواتین کی مختلف اختراعی صلاحیتوں کو کمزور کرتا ہے۔ پیشہ ورانہ اور گھریلو ذمہ داریوں کی مسلسل جھلکیاں دونوں شعبوں میں ان کی کارکردگی کو متاثر کرتی ہیں اور کیریئر میں ترقی کے مواقع کو محدود کرتی ہیں، کیونکہ خواتین اکثر نیٹ ورکنگ ایونٹس، اوور ٹائم کام، یا پیشہ ورانہ ترقی کے لیے وقت سے محروم رہ جاتی ہیں۔

اگرچہ کہ ہندوستان میں کام کی جگہ پر صنفی مساوات کے حوالے سے پیش رفت ہوئی ہے، لیکن خاندانی نظام اور صنفی نظریات میں تبدیلیاں نہیں آئی ہیں۔ گھریلو کام اور ذمہ داریوں کی غیر مساوی تقسیم، خواتین کی معاشرے میں مکمل طور پر حصہ لینے کی صلاحیت کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ یہ نقصان دراصل سماج اور ملک کی ترقی کا نقصان ہے۔

اہم نکات:

- کام کا دوہرا بوجھ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں نہ صرف خواتین کو متاثر کرتا ہے، بلکہ اس کا اثر خاندان کے دیگر افراد اور کام کے شعبہ جات پر بھی مرتب ہوتا ہے۔
- دوہرے بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک کثیر جہتی نقطہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جس میں گھر میں مشترکہ ذمہ داری، معاون کام کی جگہ کی پالیسیاں، اور نگہداشت کو سمجھنے کے طریقے میں سماجی تبدیلیاں شامل ہیں۔
- معاشرے میں ذہنی تبدیلیاں رونما ہوں گی تب ہی خواتین کے لیے کام اور گھریلو زندگی کے درمیان حقیقی توازن دیکھ پائیں گے، جس سے وہ دونوں شعبوں میں ترقی کر سکیں گی۔

2.9 صنفی انصاف سے کیا مراد ہے(What is meant by Gender Justice)

سماج کا ہر فرد اہمیت رکھتا ہے۔ ایک مہذب اور ترقی یافتہ سماج کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرد کو تمام تر انسانی حقوق حاصل رہیں اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ سماج میں باوقار اور تحفظ بھری زندگی گذارے۔ تاہم سماج میں ہمیں عورت و مرد کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کی حیثیت میں توازن نظر نہیں آتا۔ اسی لیے یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کسی بھی ملک میں ''صنفی انصاف'' کی کیا صورتِ حال ہے؟ کیا حاشیائی افراد بشمول عورت کو تمام تر انسانی حقوق حاصل ہیں؟ کیا وہ باوقار زندگی گذار رہے ہیں؟

UN Women,Gender Equality and Justice Report-2018 اور ورلڈ بینک رپورٹ میں ''صنفی انصاف'' کے متعلق تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ''صنفی انصاف سے مراد ایسا سماجی، قانونی اور معاشی نظام ہے جس میں مرد، عورت اور دیگر جنسی شناخت والے افراد کو برابر کے مواقع، حقوق، وسائل اور تحفظ حاصل ہوں، اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا امتیاز نہ برتا

جائے۔ صنفی انصاف ایک ایسا اصولی نظام ہے جو صنف کی بنیاد پر ہونے والی ناانصافیوں، تعصبات اور امتیازات کو ختم کر کے ہر فرد کو انصاف فراہم کرتا ہے۔

صنفی انصاف، عصرِ حاضر کے معاشرے میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ صنفی تفاوت اور عدم مساوات اب بھی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی بہت سی شکلیں ہیں، جیسے سماجی اور ادارہ جاتی امتیاز، معاشی پسماندگی، تعصب، اور تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال کے وسائل تک رسائی کی کمی وغیرہ اس میں شامل ہے۔ اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے عالمی سطح پر کوششوں کے باوجود، صنفی ناانصافی زندگی کے تمام پہلوؤں میں خواتین اور غیر بائینیری افراد کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ صنفی ناانصافیوں سے خواتین بہت متاثر ہیں۔

صنفی انصاف ایک ایسا تصور ہے جو تمام جنسوں کے حقوق اور مواقع کے مکمل ادراک کو فروغ دیتا ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں کے ساتھ ساتھ متنوع صنفی شناختوں (غیر بائینیری افراد) کے درمیان حقوق، ذمہ داریوں اور مواقع کے لحاظ سے برابری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک جامع نقطہ نظر ہے جو صنفی امتیاز کی بنیادی وجوہات پر توجہ مرکوز کرواتا ہے۔ صنفی انصاف کا تصوّر، صنفی مساوات پر زور دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمام جنسوں کے افراد کو مساوی حقوق اور مواقع ملنے چاہیے اس میں تعلیم، روزگار، صحت کی دیکھ بھال، اور فیصلہ سازی کے عمل میں شرکت تک مساوی رسائی شامل ہے۔ اس تصور کو سمجھ کر اس بات کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ خواتین اور دیگر صنفی اقلیتوں کو ان کے انسانی حقوق ملیں اور کسی بھی سطح پر وہ محروم نہ ہوں۔ دراصل صنفی ناانصافی ایک عالمی مسئلہ ہے اور عدم مساوات کی سب سے زیادہ وسیع شکل ہے، جو مردوں اور عورتوں دونوں کو متاثر کرتی ہے۔ اگرچہ کچھ ممالک نے صنفی انصاف کو عام کرنے میں کافی پیش رفت کی ہے، لیکن مجموعی صورت حال بدستور تشویشناک ہے۔

اہم نکات:

- ورلڈ اکنامک فورم کی 2024 میں شائع شدہ ''گلوبل جینڈر گیپ رپورٹ'' کے مطابق، عالمی سطح پر صنفی فرق 32 فیصد پر برقرار ہے۔
- بقول، اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل ''عالمی سطح پر صنفی برابری کے حصول میں مزید 300 برس سے زیادہ کا وقت لگے گا۔ کیونکہ بیشتر ممالک کا سماجی و ثقافتی ڈھانچہ مرداساس نظریات سے متاثر ہے۔
- تمام شعبہ جات میں صنفی فرق ان ممالک میں اور بھی زیادہ واضح ہیں جہاں خواتین او غیر بائینیری افراد، غربت اور سماجی اخراج (Social Exclusion) سے غیر متناسب طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے ممالک میں ہندوستان بھی شامل ہے۔

2.10 صنفی عدم مساوات (Gender Inequality)

ہم نے پچھلے صفحات پر دو اہم اصطلاحات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ''صنفی تعصب'' کو جنسی شناخت یعنی عورت و مرد میں فرق کرنے والے ذہنی رویّے کے طور پر سمجھا جبکہ ''صنفی امتیازات'' کو عملی رویّے، یا بھید بھاؤ کیے جانے والی مثالوں کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی۔ صنفی تعصب اور امتیازات کے نتیجے میں سماجی نظام یا ڈھانچے میں جو فرق پیدا ہوتا ہے اسے ہم ''صنفی عدم مساوات'' کی اصطلاح سے سمجھ سکتے ہیں۔ بالعموم صنفی امتیاز اور صنفی عدم مساوات' کو ہم معنی سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں آپس میں جڑی ہوئی ہیں، لیکن ان کا مطلب اور دائرہ کار اور اثرات مختلف ہے۔ جس کو الگ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

صنفی تعصب ایک ذہنی رویہ یا خیال ہے جبکہ صنفی امتیاز ایک عملی رویہ یا طرزِ عمل ہے، جس میں کسی شخص کے ساتھ اس کی جنسی شناخت کی بنیاد پر غیر منصفانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ صنفی تعصب اور امتیازات کے نتیجے میں زندگی سے جڑے تمام معاملات اور شعبوں میں عدم مساوات پیدا ہو جاتی ہے جو معاشرے میں روایت بن کر ایک باقاعدہ ساختیاتی نظام کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس میں ہم عورت و مرد کے درجات اور معاملات میں فرق کو دیکھ سکتے ہیں۔ مثالیں دیکھیے:

- **صنفی تعصب:** لڑکیوں کے لیے سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم غیر ضروری خیال کرنا یا کسی خاتون کی سائنس و ٹکنالوجی کے شعبے میں قابلیت اور قائدانہ صلاحیت کو نظرانداز کرنا
- **صنفی امتیاز:** کسی خاتون کی سائنس و ٹکنالوجی میں مہارت اور قائدانہ صلاحیت کے باوجود سائنسی ادارے کے صدر کے اعلیٰ عہدے پر فائز نہ کرنا
- **صنفی عدم مساوات:** سائنس و ٹکنالوجی کے شعبے میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی کم شرکت، یا سائنسی علوم، اختراعی شعبوں میں خواتین کے نقطہ نظر اور علم کی کم حصّہ داری اور قابل خواتین کی فکری و عملی صلاحیتوں کو ضائع کرنا ہے۔

صنفی عدم مساوات' ایک سماجی، معاشی اور سیاسی طور پر سماجی ڈھانچہ (Social Structure) یا نظامی فرق کا مجموعی مسئلہ ہے۔ یعنی انفرادی یا ادارہ جاتی طور پر کیے جانے والے صنفی امتیازات ایک ایسے سماجی ڈھانچے میں تبدیل ہو جاتے ہیں، جس میں عورت و مرد یا دیگر جنسی شناخت والے افراد کو وسائل، اختیارات اور مواقع کی غیر مساوی تقسیم کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ عدم مساوات کئی شعبہ جات میں ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے تعلیم، صحت، ملازمت، سیاست، وراثت وغیرہ۔ اس کا دائرہ کار پورا معاشرہ یا پورا نظام ہوتا ہے۔ صنفی عدم مساوات مجموعی ترقی پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس سے عدم توازن اور بے شمار اقتصادی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں جس سے آپ بہتر طور پر اس اصطلاح کو سمجھ سکتے ہیں۔

- عورتوں کی تعلیم کی شرح مردوں کے مقابلے میں کم ہونا
- سیاسی نمائندگی میں خواتین کا کم تناسب یا قیادت کے کرداروں میں غیر مساوی نمائندگی
- معاشی سرگرمیوں کے شعبوں میں عورت و مرد کی شراکت داری میں فرق
- مختلف شعبوں میں اجرت کا صنفی فرق
- خواتین کے خلاف جرائم اور تشدد کی شرح مردوں کے مقابلے زیادہ ہونا

درجہ بالا مثالیں بتاتی ہیں کہ ''صنفی عدم مساوات'' ایک سماجی عمل ہے جس کے ذریعے لوگوں کے ساتھ ان کی جنس کی وجہ سے غیر مساوی سلوک کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں طاقت، حقوق اور مواقع میں تفاوت پیدا ہو جاتا ہے جو دیرپا نقصانات کے باعث ہوتا ہے۔ یہ ایک وسیع تر تصور ہے جس میں معاشرتی اصول، رویے، اور ڈھانچے شامل ہیں جو صنفی تصور کے ساتھ غیر مساوی سلوک کو برقرار رکھتے ہیں۔ صنفی عدم مساوات مردوں، عورتوں اور صنفی متنوع افراد کے درمیان آمدنی، تعلیم، سیاسی نمائندگی، اور صحت کے نتائج میں تفاوت کا باعث بنتی ہے۔ اس کی جڑیں تاریخی طور پر پدرانہ نظام اور طاقت کے عدم توازن میں پیوست ہیں۔ عدم مساوات کو ثقافتی اصولوں اور ادارہ جاتی طریقوں سے برقرار رکھا جاتا ہے۔ صنفی عدم مساوات' خواتین کو صحت، تعلیم اور کاروباری زندگی جیسے کئی شعبوں میں کمزور کرتی ہے۔ تعلیم تک رسائی، من پسند زندگی، شخصی دلچسپیاں، باوقار خاندانی زندگی، کیریئر، اور سیاسی وابستگی سمیت کئی شعبوں میں عدم مساوات کے کئی رنگوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ صنفی عدم مساوات کا تجربہ مختلف معاشروں اور تہذیبوں میں مختلف ہوتا ہے۔

ہندوستان میں صنفی عدم مساوات سے مراد 'مردوں اور عورتوں کے درمیان صحت، تعلیم، معاشی اور سیاسی عدم مساوات ہے۔ مختلف بین الاقوامی صنفی عدم مساوات کے اشاریہ جات ہندوستان کو ان عوامل میں سے ہر ایک کے ساتھ ساتھ جامع بنیادوں پر مختلف درجہ دیتے ہیں۔ عدم مساوات کے انڈیکیٹرس کی بنیاد پر ہندوستان دیگر ممالک کے مقابلے میں نچلی سطح پر ہے۔ ہندوستان میں صنفی عدم مساوات ایک کثیر جہتی مسئلہ ہے جو بنیادی طور پر خواتین سے متعلق ہے' لیکن کہیں نہ کہیں مردوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ہندوستان کی آبادی کا صنفی عدم مساوات کے تناظر میں مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو خواتین کئی معاملات میں پچھڑے مقام کی حامل نظر آتی ہیں۔ گرچہ کہ ہندوستان کا آئین 'مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق دیتا ہے' لیکن صنفی تفاوت ہر شعبہ میں برقرار ہے۔ امتیازی سلوک خواتین کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ ان کے مکمل تشخص سے لے کر ان کی معاشی طور پر خود انحصاری کو بھی متاثر کرتا ہے۔ مختلف اقدامات کے باوجود یہ انتہائی امتیازی سلوک سماج میں اب بھی خطرناک حد تک جاری ہے۔ جو آج بھی بہت سے لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کرتا ہے۔

اہم نکات:

- صنفی عدم مساوات' سے مراد وہ غیر مساوی سلوک اور مواقع ہیں جن کا سامنا افراد کو ان کی جنس کی بنیاد پر کرنا پڑتا ہے۔ یہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ امتیازی سلوک، وسائل تک محدود رسائی، اور خواتین کے خلاف بڑھتا ہوا تشدد وغیرہ اس کی مثالیں ہیں' جن کے معاشرے پر دیرپا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔
- صنفی عدم مساوات ایک سماجی رجحان ہے۔ جس کے نتیجے میں مجموعی طور پر معاشرے کے لیے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ صنفی عدم مساوات میں کردار ادا کرنے والے عوامل میں ثقافتی اصول، معاشی تفاوت، اور سماجی اداروں کا بنایا گیا ساختیاتی نظام ہے جو صنفی امتیازات پر مبنی ہے۔

2.11 صنفی مساوات(Gender Equality)

کسی بھی سماج میں عورت و مرد کا تناسب تقریباً پچاس فیصد ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے تمام شعبہ ہائے حیات میں ان کی شرکت اور سماج میں ان کی حیثیت میں کسی طرح کا فرق نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن بیشتر معاشروں میں عدم توازن پایا جاتا ہے۔ تمام تر بنیادی حقوق و وسائل تک مردوں کی رسائی آسان ہوتی ہے اور وہ مرکزیت میں ہوتے ہیں جبکہ خواتین مختلف مسائل کا شکار ہیں اور حاشیہ پر ہیں۔ پچھلی کئی دہائیوں میں کی گئی کوششوں اور ترقی کے باوجود سماج میں صنفی عدم مساوات کا نظام ابھی بھی رائج ہے۔

صنفی مساوات 'ایک ایسا سماجی، قانونی اور اخلاقی اصول ہے' جس کے تحت افراد کی جنسی شناخت کی بنیاد پر نہ تو برتری دی جاتی ہے نہ ہی کم تر سمجھا جاتا ہے۔ اس تصور کا مقصد تمام افراد کو تعلیم، ملازمت، صحت، سیاست اور سماجی شعبہ جات میں برابر کا حق فراہم کرنا ہے۔ مثالیں دیکھیے

- مرد و عورت کو یکساں تعلیمی مواقع
- گھریلو امور اور ذمہ داریوں میں مردوں کی شرکت
- معاشی سرگرمیوں اور تنخواہوں میں برابری
- فیصلہ سازی میں خواتین کو برابر کے مواقع

صنفی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد کو اس کی جنسی شناخت کی بنیاد پر فرق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے۔ تمام عورتیں و مرد یا غیر بائینیری افراد 'بغیر کسی امتیاز کے جو بھی تعلیم حاصل کرنا چاہیں، کیریر بنانا چاہیں یا جس طرز زندگی کا انتخاب

کریں اور جن صلاحیتوں کو چاہیں اپنانے کے لیے آزاد ہوں۔ ان کے حقوق، مواقع اور وسائل تک رسائی ان کی جنسی شناخت کی بنیاد پر مختلف نہیں ہونی چاہیے۔ اقوامِ متحدہ کی جانب سے ''صنفی مساوات'' کو بنیادی انسانی حق تسلیم کیا گیا اور عالمی سطح پر اس تصور کو عام کرنے نیز سماج میں اس کے حصول کے لیے موثر اقدامات کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اس ضمن میں گذرے برسوں کے دوران اقوام متحدہ کی جانب سے ' عالمی کانفرنس، کنونشنس، معاہدوں کے ذریعے تمام ممالک کی توجہ مرکوز کروائی گئی ہے۔ Sustainable Development Goal-2030 میں صنفی مساوات کے حصول کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ رقم کیا گیا ہے

> "Gender Equality is not only a fundamental Human right, but a necessary foundation for a peaceful, prosperous and sustainable world". (UN Women)

عام الفاظ میں اگر کہیں تو'' صنفی مساوات'' کا مطلب تمام لوگوں کا بلا تفریق (ان کی جنسی شناخت سے قطع نظر) احترام کرنا ہے۔'' یہ تصور بنیادی طور پر اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ مختلف معاشروں میں خواتین اور مردوں کی مختلف ضروریات اور ان کی حیثیت میں عدم توازن و اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان اختلافات کی نشاندہی کی جانی چاہیے اور انھیں اس طریقے سے حل کیا جانا چاہیے جس سے ان کے درمیان عدم توازن کو درست کیا جا سکے۔ اس عمل میں وہ سلوک شامل ہو ہے جو مختلف ہو سکتا ہے، لیکن حقوق، فوائد، ذمہ داریوں اور مواقع کے لحاظ سے مساوی سمجھا جاتا ہے۔

2.11.1 صنفی مساوات کی ضرورت واہمیت (Need and Importance of Gender Equality)

صنفی مساوات' افراد کو صرف انصاف رسانی کے متعلق ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ترقی پذیر سماج و معاشرے کی بنیاد ہے۔ جب ہم صنف سے قطع نظر، معاشرے کے تمام افراد کو بااختیار بناتے ہیں تو دراصل ہم مضبوط معیشتوں، صحت مند برادریوں اور ایک محفوظ دنیا کی تشکیل کرتے ہیں۔ صنفی مساوات افراد کو نقصان دہ دقیانوسی تصورات سے آزاد ہونے اور سماجی توقعات سے قطع نظر اپنے خوابوں کو آگے بڑھانے کا اختیار دیتی ہے۔ یہ ایک ایسے ماحول کو فروغ دیتی ہے، جہاں ہر کوئی خود کو محفوظ، قابل احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور جہاں متنوع نقطہ نظر ہنر مندی اور جدت ترقی کی حصّہ دار ہوتی ہے۔ صنفی مساوات کو اپنا کر، ہم آنے والی نسلوں کے لیے روشن مستقبل کی راہ ہموار کر سکتے ہیں۔ صنفی مساوات کے حصول سے دنیا پر نمایاں مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ صنفی تنوع (عورت، مرد اور دیگر جنسی شناخت کے افراد کی پیداوار میں حصّہ داری) کسی بھی معاشرے یا تنظیم کی اختراع اور پیداواری صلاحیت کو بہتر بناتا ہے۔

- **خاندانی نظام میں صنفی مساوات:** اوسطاً، دنیا بھر میں خواتین گھر میں مردوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ بلا معاوضہ کام کرتی ہیں، جس میں گھریلو کام اور بچوں اور خاندان کے افراد کی دیکھ بھال بھی شامل ہے، اور ان میں سے بہت سی خواتین کل وقتی یا جز وقتی روزگار سے بھی وابستہ ہیں۔ انھیں دوہری ذمہ داریاں نبھانی پڑتی ہیں۔ خاندانی سطح پر کام کی تقسیم صنف کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ گھریلو تمام ذمہ داریاں عورت کے نام کر دی جاتی ہیں۔ لہٰذا جب کوئی عورت کام کے لیے باہر نکلتی ہے تو اس کے ساتھ گھریلو امور کی تکمیل کے لیے مساوات نہیں کی جاتی بلکہ اسے دونوں دائروں کے کام کرنے ہوتے ہیں۔ صنفی مساوات گھر سے شروع کرنی ضروری ہے۔ گھر اور خاندان کی دیکھ بھال کا بوجھ صرف خواتین پر نہ ہو' بلکہ اس میں مردوں کی شراکت داری بھی ضروری ہے۔
- **تعلیمِ نسواں کا فروغ:** بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ صنفی مساوات میں سب سے اہم رکاوٹ تعلیم تک غیر مساوی رسائی ہے۔ مساوی اعلیٰ و پیشہ وارانہ تعلیم اور ہنر مندانہ صلاحیتوں کے بغیر، لڑکیاں باشعور، فیصلہ ساز نہیں ہو پاتیں اور ان کے لیے ملازمت کے امکانات بھی محدود ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے صنفی عدم مساوات کے حصول کے لیے لڑکیوں اور خواتین کے لیے تعلیم کو اوّلین ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔ یونیسکو کے مطابق، دنیا بھر میں خواتین اب بھی پڑھنے سے قاصر ہیں۔ تمام مرد و عورت بالغوں کی تعداد میں سے دو تہائی ناخواندہ خواتین ہیں۔ عالمی سطح پر 122 ملین لڑکیاں اسکول نہیں جاتیں۔ تعلیم میں صنفی مساوات سے اسکول کے نظام میں ہر بچے کو فائدہ ہوتا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کے صحت مند اور زیادہ پیداواری ہونے، زیادہ آمدنی حاصل کرنے اور اپنے خاندانوں کے لیے بہتر مستقبل بنانے کے امکانات زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ایک مضبوط معیشت کی بنیاد پڑتی ہے۔ یونیسیف کے مطابق، جب ایک لڑکی ثانوی تعلیم حاصل کرتی ہے، تو اس کی زندگی بھر کی کمائی میں ڈرامائی طور پر اضافہ ہوتا ہے، قومی شرح میں اضافہ ہوتا ہے، بچوں کی شادیوں کی شرح میں کمی، بچوں کی شرح اموات میں کمی، زچگی کے دوران اموات کی شرح میں کمی اور کمزور بچوں کی پیدائش میں کمی واقع ہوتی ہے۔
- **کام کی جگہ پر صنفی مساوات اور خواتین کی معاشی ترقی:** دوسری جنگ عظیم امریکی تاریخ میں پہلی بار تھی کہ خواتین نے بڑی تعداد میں اپنے گھروں کو چھوڑ کر افرادی قوت میں داخل ہو گئیں کیونکہ ان کے شوہروں نے جنگ میں لڑنے کے لیے ان کا اندراج کیا تھا یا انہیں تیار کیا گیا تھا۔ تب سے، خواتین مسلسل سیاسی و سماجی رول ادا کر رہی ہیں اور پیشہ ورانہ کیریئر کو بھی جاری رکھا ہوا ہے۔ معاشرہ مردوں کے لیے مخصوص کام کا تصور رکھتا ہے جو خواتین کے کام سے الگ سمجھے جاتے ہیں۔ روایتی طور پر خواتین کے حوالے کیے جانے والے کیریئر میں جیسے کہ ریسیپشنسٹ، ڈینٹل اسسٹنٹ، چائلڈ کیئر ورکر، انتظامی اسسٹنٹ ہونا، مونٹیسیری ٹیچر یا گھر میں قیام پذیر والدین یا بچوں کی دیکھ

بھال وغیرہ خواتین کے مخصوص کام ہیں۔ کام کی جگہ پر صنفی مساوات تب ہی ہو گی جہاں مرد، خواتین اور تمام جنسی شناخت والے افراد اپنے کیریئر کا خود تعین کرتے ہیں اور انہیں یکساں مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

خواتین کو کام کی جگہ، خاص طور پر قیادت میں مردوں کی طرح نمائندگی نہیں دی جاتی ہے۔ چونکہ لڑکیوں کو تعلیم تک رسائی کے دوران صنفی عدم مساوات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے ان کے ذاتی اور پیشہ ورانہ ترقی کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں، بعض صنعتوں اور پیشوں پر ایک ہی جنس کا غلبہ ہوتا ہے، جس سے کم نمائندگی شدہ صنف کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔ اگر ان کی کامیابی کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کر دی جائیں تو ان کی بہتر نمائندگی ہو گی۔ اگر مرد اور عورت دونوں جنس کی بنیاد پر تفریق کے بغیر خاندان کے لیے وقت نکال سکیں تو اس سے خاندان مضبوط ہوں گے۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان تنخواہ کا فرق پوری دنیا میں نظر آتا ہے۔ افرادی قوت میں صنفی مساوات کا مطلب ہے کہ جنس سے قطع نظر' مساوی کام کے لیے ایک جیسی تنخواہ دی جائے۔ غیر منظم شعبوں میں اگر کوئی خاتون زچگی کی چھٹی لینے کے لیے کام سے کچھ وقت دور ہوتی ہے تو اسے ان دنوں کی تنخواہ نہیں ملتی اور آگے بھی روزگار قائم رہنے کی کوئی گیارنٹی نہیں رہتی ہے۔ کام پر واپس آنے پر اسے کئی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صنفی عدم مساوات کی ایک اہم مثال گھریلو تشدد اور ہراسانی ہے۔ خواتین گھریلو تشدد سے غیر متناسب طور پر متاثر ہوتی ہیں، جس میں جسمانی اور جذباتی زیادتی کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔

- **غربت کی شرح میں کمی:** اقوامِ متحدہ کے رپورٹس کے مطابق خواتین دنیا کی غریب ترین آبادی پر مشتمل ہیں۔ چونکہ انہیں یکساں تعلیم، ملازمت کے مواقع اور بہتر آمدنی والے کام نہیں دیے جاتے۔ خواتین کی بڑی تعداد گھریلو کاموں تک محدود ہوتی ہیں۔ دوسری بڑی حقیقت یہ ہے کہ کام گار خواتین کی بڑی تعداد غیر منظم شعبہ جات میں کم اجرت والے کاموں سے وابستہ ہیں۔ نجی مسائل اور کمزور معیشت کی بناء پر وہ غربت کے چکر میں ہی گھری رہتی ہیں۔ خواتین کو مردوں کے برابر مواقع دیں تو پورے خاندان کو غربت سے نکال سکتی ہیں جس سے دنیا میں غربت کی شرح کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔
- **بہتر صحت:** آمدنی اور تعلیم کی کمی جیسی رکاوٹوں کی وجہ سے، اچھی صحت کی دیکھ بھال تک رسائی اکثر خواتین کے لیے مشکل ہوتی ہے۔ ان رکاوٹوں کے بغیر بھی، خواتین کو اکثر سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا۔ ایسی حالتوں پر بھی کم تحقیق ہے جو زیادہ تر خواتین کو متاثر کرتی ہیں۔ اگر صحت کی دیکھ بھال میں صنفی مساوات کا احساس ہو جائے تو خواتین کو بہتر دیکھ بھال ملے گی۔ جس سے معاشرے کی مجموعی صحت میں بہتری آئے گی۔ مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ صنفی عدم مساوات صحت کے بہت سے نتائج پر منفی اثر ڈالتی ہے، بشمول خاندانی منصوبہ بندی، ماں اور بچے کی صحت، غذائیت، وبائی بیماری اور بہت کچھ۔ جب صحت کے نظام کو تمام جنسوں کے لیے صحت کی دیکھ بھال تک مساوی رسائی فراہم کرنے کے لیے تبدیل کیا جاتا ہے، تب صحت کے بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ مطالعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ

صنفی مساوات کا بچوں کی صحت کی بہتری کے ساتھ ایک اہم تعلق ہے۔ تعلیم یافتہ اور آمدنی والی خواتین اپنے بچوں کی بہتر دیکھ بھال بہتر طور پر کرتی ہیں۔

- **قانون سازی کی حمایت:** ایسے بہت سے قوانین اور مختلف اقدامات کا نظام موجود ہے' جو صنفی مساوات کو فروغ دیتے ہیں۔ لیکن ان سے آگہی کی شدید ضرورت ہے۔ تعلیم کی کمی صنفی عدم مساوات کا سب سے اہم سبب ہے۔ اگر لڑکیوں کی تعلیم کو لڑکوں کی طرح ترجیح دی جائے تو زیادہ لڑکیاں تعلیم حاصل کریں گی۔ اس سے وہ مستقبل میں ملازمت کے بہتر مواقع اور معاشی حصّہ داری کے لیے تیار ہوں گی۔
- **کھیل میں صنفی مساوات:** خواتین نے پیشہ ورانہ کھیل کی دنیا میں بہت ترقی کی ہے، لیکن تنخواہوں کے فرق کو ختم کرنے کی کوششیں ناقص رہی ہیں۔ آج بھی خاتون کھلاڑیوں کو اپنے مرد ہم منصبوں کی تنخواہوں سے کہیں کم پیسہ ملتا ہے۔ ایسی مثالیں خواتین کے ساتھ عدم مساوات کو ظاہر کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ جدید دور میں بھی صنفی نظریات قابل قبول ہیں۔ کھیلوں میں صنفی مساوات تب ہوگی جب تمام کھلاڑیوں کو مساوی مواقع فراہم کیے جائیں۔
- **سماجی وسیاسی فوائد:** صنفی مساوات' سماج کی مجموعی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتی ہے۔ صنفی عدم مساوات اور امتیازات کے تصورات ہمارے معاشرے میں موروثی ہیں اور صدیوں سے روایت بنے ہوئے ہیں۔ ان کے خاتمے کے لیے صنفی مساوات کے تصورات اور عملی اقدامات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ صنفی مساوات سے خواتین کی محکومیت کا خاتمہ ہوگا اور انھیں اپنی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے مزید مواقع فراہم ہوں گے۔ ان کی حاشیائی حیثیت ختم ہوگی اور وہ فیصلہ ساز فرد بن پائیں گی۔ صنفی مساوات سماج میں خواتین کے خلاف جرائم اور تشدد کو کم کرنے میں مددگار ہوگی۔ صنفی مساوات کو عام کر کے تمام معاشروں کو ہر سطح پر محفوظ اور ترقی یافتہ بنایا جاسکتا ہے۔ خواتین سیاست میں زیادہ سے زیادہ حصہ دار ہوں گی تو ان کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل ڈھونڈنے میں آسانی ہوتی ہے۔ زیادہ تر سیاسی نظام اب بھی مردوں کے حق میں ہیں۔ اگر صنفی مساوات کا ادراک کیا جائے تو دنیا بہت زیادہ خواتین کو سیاسی عمل میں مصروف دیکھے گی۔ اس میں سیاسی قیادت بھی شامل ہے۔

اہم نکات:

- صنفی مساوات انسانی حقوق، ترقی اور پرامن معاشروں کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔ اگر کوئی معاشرہ صنفی عدم مساوات کو تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے تو تبدیلیاں تقریباً ناممکن ہو جائیں گی۔
- تمام افراد کو' تعلیمی اداروں یا آفس یا کام کی جگہ پر، کمیونٹی سینٹر میں، یا شعبہ جات میں وسائل تک مساویانہ رسائی، تحفظ اور صنف کی بنیاد پر تعصب، امتیاز و تشدد سے پاک ماحول ایک انسانی حق ہے۔

- صنفی مساوات کو حقیقت بنانے کے لیے سماج کو موجودہ حالات اور تبدیلی کے فوائد سے آگاہ ہونے کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ معاشرہ تب ہی ترقی کر سکتا ہے جب صنف سے قطع نظر تمام لوگوں کو ان کی حصّہ داری، صلاحیتوں اور مہارتوں کے لیے قبول کیا جاتا ہے۔

2.12 صنفی عدل (Gender Equity)

صنفی عدل (Gender Equity) سے مراد وہ عمل ہے جس کے ذریعے مرد، عورت اور دیگر جنسی شناخت کے افراد کے درمیان انصاف، مساوات اور ضروریات کے مطابق وسائل کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنانا۔ اس کا مقصد سماج کے تمام افراد کو یکساں مواقع اور وسائل حاصل ہو سکیں۔ صنفی عدل 'ایک ایسا تصور ہے جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ مرد و عورت اور دیگر جنسی افراد کی ضروریات، حالات اور رکاوٹیں مختلف ہوتی ہیں۔ اسی لیے انھیں مساوی مقام یا مرتبے تک لانے کے لیے مختلف طریقے اور اقدامات ضروری ہوتے ہیں۔ یعنی کسی فرد یا افراد کے گروپ کے لیے برابری یا مساویانہ سلوک کافی نہیں ہوتا بلکہ مخصوص یا اضافی سہولیات یا اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ حقیقت میں برابر مقام حاصل کر سکیں۔ ذیل میں دی گئی مثالوں پر غور کیجیے

- لڑکیوں کو اضافی تعلیمی وضائف
- حاملہ خواتین کے لیے زچگی کی سہولیات اور اضافی رخصت
- کام کی جگہ پر خواتین کے لیے اپنے نو مولود بچوں کی دیکھ بھال کی سہولت فراہم کرنا
- سیاست میں خواتین کے لیے مخصوص نشستیں

مذکورہ مثالوں سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ صنفی عدل 'کا مطلب ہے تمام جنسوں کے ساتھ ان کی متعلقہ ضروریات کے مطابق سلوک اور انصاف کرنا۔ چونکہ سماج میں تمام افراد یکساں حیثیت یا ضروریات کے حامل نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر تعلیم کے حصول کے چیلینجس لڑکے' لڑکیوں یا دیگر جنس کے افراد کے لیے ایک طرح کے نہیں ہوتے ہیں۔ مذہب' ذات پات' طبقہ' مقام وعلاقے کی بنیاد پر لڑکیوں کی تعلیم تک رسائی کے مسائل جدا جدا ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے ان کی ضروریات کے مطابق خاص سہولتوں اور تحفظ کے انتظامات کی فراہمی ضروری ہو جاتی ہے۔ قرب وجوار میں مناسب ترین انتظامات کے ساتھ اسکولس اور کالجس کا قیام، بسس کی سہولتیں، گرلز ہاسٹلس، امداد یا اسکالر شپس کی فراہمی وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تب ہی جا کر تعلیم کے حصول میں مساوات لائی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

صنفی عدل کا تصور واضح کیا گیا۔ یعنی جنس کی بنیاد پر حسبِ ضرورت مثبت اقدامات اپنائے جائیں اور پسماندہ یا حاشیے پر موجود افراد کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

صنفی عدل کا نظریہ ایک صنف کو دوسری صنف کے ساتھ مساوی مقام کا تعین نہیں کرتا ہے۔ بلکہ یہ نظریہ تمام جنسوں (عورت، مرد، ٹرانس جینڈر، بائنیری افراد) کو وسائل کی تقسیم میں انصاف اور انصاف کو یقینی بنا کر ان کے تاریخی اور سماجی نقصانات پر قابو پانے کے لیے مساوی مواقع فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ طریقہ کار ہر جنس کی انفرادی ضروریات کو پہچانتا ہے اور ان کو ایک دوسرے سے مربوط انداز میں حل کرتا ہے۔ یہ مرد و خواتین کے درمیان پیدا ہونے والے مجموعی عدم توازن کو دور کرتا ہے۔

2.12.1 صنفی مساوات اور صنفی عدل کے درمیان فرق

(Difference between Gender Equality and Gender Equity)

بالعموم صنفی عدل اور صنفی مساوات کو ایک مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان دو اصطلاحات میں جو بنیادی فرق ہے آیئے اس کو ہم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صنفی عدل' کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد کے حقوق، ذمہ داریوں اور مواقع کا تعین اس کی جنسی شناخت کی بنیاد سے نہیں ہوگا جو اسے پیدائش کے وقت تفویض کیا گیا ہے بلکہ اس کی موجودہ پسماندہ حالت کے مطابق مواقع پیدا کیے جائیں تاکہ وہ بھی دیگر افراد کے برابر بہتر سماجی حالت میں آسکے۔ جبکہ صنفی مساوات وہ مساوی سلوک سے تعبیر ہے جسے حقوق، فوائد، ذمہ داریوں اور مواقع کے لحاظ سے مساوی سمجھا جاتا ہے۔

اگر تمام افراد کو بالکل یکساں مواقع، حقوق اور مراعات دی جائیں تو یہ تصور بیکار ہوگا کہ مرد اور عورت یا دیگر افراد کو اس کا برابر فائدہ ہوگا اور سماج میں ان کا یکساں مقام ہو جائے گا۔ یہ حقیقت سے بہت دور ہوگا۔ خواتین اور دیگر جنسی شناخت والے افراد پر صدیوں سے جاری سماجی و تاریخی جبر نے انہیں پسماندہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا، ان سب کو یکساں حقوق اور سماجی مقام دینے سے ہمارے صنفی متعصب معاشرے میں موجود خلا ہے اس کو بھرا نہیں جا سکتا۔ صنفی عدل کے ماننے والے مفکرین کا کہنا ہے کہ وہ فرد جو تاریخی طور پر سب سے زیادہ پسماندہ ہے، اسے صنفی تعصب پر مبنی معاشرے میں رہنے کے فوائد سے لطف اندوز ہونے والے افراد سے کہیں زیادہ اور بہتر مواقع فراہم کیے جانے چاہیے۔ اگرچہ کہ ''صنفی مساوات'' کا حصول عالمی سطح پر حتمی مقصد بن گیا ہے، لیکن یہ صرف ''صنفی عدل'' کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اہم نکات:

- ’’صنفی مساوات‘‘ ایک پر امن، خوشحال اور پائیدار دنیا کے لیے بنیادی انسانی حق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ضروری بنیاد ہے۔(UN (Sustainable Development Goal-5
- ’’صنفی عدل‘‘ سے مراد مردوں اور عورتوں کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کے ساتھ حسبِ ضرورت منصفانہ سلوک کے عملی اقدامات ہیں۔ سماج میں انصاف پسندی اور تمام افراد کی ترقی کو یقینی بنانے، تاریخی اور سماجی و ثقافتی سطح پر پائے جانے والے صنفی امتیازات کے نقصانات کی تلافی کے لیے ایسے اقدامات کیے جانے ضروری ہوتے ہیں‘ جو خواتین اور مردوں کو برابری کی سطح پر لانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ’’صنفی عدل‘‘ ترقی کا ایک ہدف ہے جبکہ ’’صنفی مساوات‘‘ اس کا نتیجہ ہے۔(UNESCO)

2.13 تانیثیت اور صنفی مساوات کے مابین تعلق

(Relation between Feminism and Gender Equality)

2.13.1 تانیثیت: ایک تعارف (Feminism: An Introduction)

تانیثیت (Feminism) ایک اصطلاح ہے جو حقوق نسواں سے عبارت ہے۔ سماج میں خواتین کی پسماندگی کو دور کرنے اور حقوقِ نسواں کو حاصل کرنے کی فکریوں تو ستر ہویں صدی سے مغربی ممالک میں شروع ہوئی۔ اس ضمن میں مختلف طرح کی کاوشیں شروع ہوئیں۔ تاہم انیسویں صدی کے وسط تک بھی اس اصطلاح کا استعمال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ابتداء میں لفظ "Feminist" میڈیکل شعبہ میں ایسے مرد افراد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا‘ جن میں کسی جنسی نقص کے باعث نسوانی خصوصیات ظاہر ہوتیں۔ Freedman کہتا ہے:

“The term "Feminist" seems to have first been used in 1871 in a French Medical text to describe a cessation in development of the sexual organs and characterstics in male patients who were percieved as thus suffering from "Feminisation" of their bodies.” (Feminism.2002, pg-2)

تاہم بعد میں یہ لفظ یعنی "Feminism" (تانیثیت) کی اصطلاح کے طور پر ایسی فکر، رجحان یا تحریک کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا جانے لگا جو سماج میں خواتین کی محکومیت کے خاتمہ اور مردوں کے برابر تعلیمی، سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق کے حصول سے متعلق ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق "تانیثیت‘ مردوں اور عورتوں کے درمیان سیاسی، معاشی اور سماجی برابری پر یقین رکھنے اور اس کے لیے

جدوجہد کرنے کا نظریہ ہے۔ اسٹینفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی" میں لکھا گیا ہے کہ ۔"تانیثیت' مختلف سماجی نظریات، سیاسی تحریکات اور اخلاقی فلسفوں کا مجموعہ ہے، جو زیادہ تر خواتین کے تجربات، سماجی کرداروں، مفادات اور سیاسی حقوق سے متعلق ہوتے ہیں۔"

تانیثیت سے مراد سماج میں خواتین کے خلاف عدم مساوات کا خاتمہ، مردوں کے برابر باوقار مقام و مرتبہ اور ان کے حقوق کی حصول یابی سے متعلق فکر اور تحریک کا نام ہے۔تانیثیت کے بنیادی تصورات اور نظریات کا اصل مقصد سماج میں عورت و مرد کے درمیان صنفی مساوات قائم کرنا ہے۔تانیثیت اور صنفی مساوات آپس میں تعلق رکھنے والے تصورات ہیں۔ جن کا مقصد صنفی بنیاد پر عدم مساوات اور امتیاز کو دور کرنا اور ان کی اصلاح کرنا ہے۔(Bhasin.K,Freedma))

ابتداء میں تانیثیت کو صرف خواتین کے حقوق کے متعلق فکر اور تحریک خیال کیا گیا' لیکن خواتین کے مسائل کو عمومی طور پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ کیونکہ خواتین مختلف سماجوں میں مختلف طرح کی تہ داریوں کے ساتھ پسماندہ ہوتی ہیں۔ان کے مسائل' مذہب، ذات پات، طبقہ اور ان کی سماجی و معاشی حیثیت کے ساتھ گہرے طور پر جڑے ہوتے ہیں لہٰذا خواتین کے حقوق و مسائل کو وسیع تر تناظر اور بین الطبقاتی نقطۂ نظر (Intersectionality) سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نظریہ میں خواتین کے ساتھ ساتھ تمام انسان بھی آجاتے ہیں۔ جیسا کہ لکھا گیا "تانیثیت' صرف صنف کے بارے میں نہیں بلکہ نسل، طبقہ، جنسی رجحان اور دیگر شناختوں کے باہمی تعلقات کے ذریعے امتیاز اور مراعات کے نظام کو سمجھنے اور ختم کرنے کی کوشش ہے۔(K.Crenshaw,1989) جب کہ دیگر مفکرین بھی اس تحریک کو ایک استحصال کے پورے نظام کو ختم کرنے کی کوشش قرار دیتے ہیں۔ ""تانیثیت' ان تمام نظاموں کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے جو نہ صرف خواتین بلکہ ہر محروم اور پسماندہ طبقے کو دباؤ اور استحصال کا شکار بناتے ہیں۔(Bell Hook,2000)

گذشتہ تین سو سے زائد برسوں سے یہ تحریک جاری ہے۔اس دوران حقوقِ نسواں کے متعلق کئی مکاتبِ فکر اور ان کے نظریات وجود میں آئے جن پر نہایت اہم کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔تانیثی نظریات اور تحریکات مختلف ملکوں میں ان کے اپنے معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی افکار پر مشتمل رہی ہیں۔اس تحریک کے ذریعہ تانیثی مفکرین نے روایتی سماج سے مرد اور عورت کی حیثیت میں نمایاں فرق کے متعلق بہت سے سوالات اٹھائے اور ان اسباب کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جن کی بناء پر صدیوں سے عورت محکوم و مظلوم چلی آرہی ہے۔

تانیثی تحریکیں (Feminist Movements) یا خواتین کے حقوق کی تحریکیں تاریخ کے مختلف ادوار میں ابھریں اور مختلف معاشرتی، سیاسی، اور ثقافتی پس منظر میں اپنی نوعیت میں مختلف رہیں۔ان تحریکات کا مقصد صنفی مساوات، خواتین کے حقوق، اور معاشرے میں ان کے باوقار مقام کو یقینی بنانا ہے۔ تحریکوں کو عام طور پر چار "ویوز" یا لہروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔پہلی لہر (First Wave Feminism) 19ویں صدی تا اوائل 20ویں صدی قرار دی گئی ہے۔اس تحریک کے بنیادی نکات میں خواتین کے بنیادی قانونی حقوق،

خاص طور پر ووٹ دینے کا حق(Suffrage)، جائیداد کے حقوق، شادی اور طلاق میں اصلاحات شامل تھے۔ یہ تحریک مغربی ممالک' خاص طور پر امریکہ اور برطانیہ میں زیادہ سر گرم رہی۔

دوسری لہر(Second Wave Feminism) 1960sتا1980sتک برقرار رہی۔اس تحریک کے نظریات میں ریڈیکل فیمینیزم کے نظریات حاوی رہے۔'صنفی مساوات(Gender Equality)ملازمتوں اور تنخواہوں میں مساوی مواقع، تعلیم، تولیدی حقوق(Reproductive Rights) اور جنسی آزادی پر زیادہ توجہ مرکوز کی گئی۔اس تحریک میں سلوگن "The personal is political"یعنی خواتین کے ذاتی مسائل بھی سیاسی نظام کا حصہ ہیں" بہت مقبول ہوا۔

تانیثیت کی تیسری لہر(Third Wave Feminism)کو1990sسے2010sتک مانا جاتا ہے۔اس دوران خواتین کی 'انفرادی آزادی، شناخت، اور تنوع پر زور دیا گیا یعنی 'صنف، نسل، طبقہ، اور جنسی شناخت کے درمیان تعلقات پر توجہ مرکوز کی گئی۔ یہ تحریک تنقیدی نظریات، ادب اور کلچر کے حوالے سے بہت اہم رہی۔ جبکہ چوتھی لہر (Fourth Wave Feminism) 2010سے تاحال مانا جاتا ہے یعنی یہ لہر ابھی جاری ہے۔اس دور میں 'سوشل میڈیا کے ذریعے خواتین کے مسائل اجاگر کرنا، جنسی ہراسانی، ریپ کلچر، باڈی شیمنگ، اور خواتین کے خلاف تشدد پر آواز بلند کرنا شامل ہے۔MeToo# اور TimesUp# movements جیسی تحریکیں اسی دور کی ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تانیثی تحریک کے دوران مفکرین اور محققین کی جانب سے کئی نظریات قائم کیے گئے۔ان نظریات کے تحت مختلف معاشروں میں خواتین کے پسماندہ اور پیچیدہ مقام و مرتبہ کو سمجھنے اور صنفی مسائل کو جاننے کا موقع فراہم ہوا۔ان نظریات کا مختصراً یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ لبرل فیمینزم(Liberal Feminism)کا شمار تانیثیت کے اولین مکتبِ فکر میں ہوتا ہے۔اس کے نظریات' قانون اور پالیسی میں تبدیلی کے ذریعے خواتین کے برابر حقوق کی حمایت کا مقصد شامل رہا' تاکہ خواتین کو تعلیم، ملازمت، اور سیاست میں مساوی مواقع ملیں۔ ریڈیکل فیمینزم(Radical Feminism)کے نظریات نہایت شدت پسند رہے۔ان نظریہ سازوں کا موقف ہے کہ معاشرے کی بنیاد ہی پدرانہ نظام(Patriarchy)پر رکھی گئی ہے، یہی نظام خواتین کو محکوم بناتا ہے۔اس نظام کو مکمل طور پر بدلنے کی ضرورت ہے۔اس مکتبِ فکر کے حامی افراد نظامی تبدیلی پر زور دیتے ہیں تاکہ خواتین کو مکمل آزادی حاصل ہو۔

مارکسی فیمینزم(Marxist Feminism)کا نظریہ کہتا ہے کہ خواتین پر ظلم کا سبب صرف صنف(gender) نہیں بلکہ معاشی نظام بھی ہے۔ جبکہ سوشلسٹ فیمینیزم(Socialist Feminism)کا نظریہ پدرانہ نظام اور معاشی نظام دونوں کو اس کا ذمہ دار مانتا ہے۔ان کی نظر میں سرمایہ داری(capitalism)اور پدرسری کو مل کر خواتین کا استحصال کرنے والا نظام قرار دیا گیا ہے۔ کلچرل

فیمینزم(Cultural Feminism) کے نظریات خواتین کی مخصوص خصوصیات جیسے ہمدردی، نرمی، اور پرورش کی قدر پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ انھیں معاشرے کی تشکیل کے لیے اہم سمجھتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر کا مقصد عورتوں کی خوبیاں اجاگر کرنا اور انہیں اہمیت دینا ہے۔

ان کے علاوہ مزید مکتبِ فکر بھی ہیں، جیسے ایکو فیمینیزم، بلیک فیمینیزم، دلت فیمینیزم اور اسلامک فیمینیزم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تانیثیت کے مختلف نظریات اور تحریکات کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ "تانیثیت کی فکر اور تحریک یہ تسلیم کرتی ہے کہ صنف، حیاتیاتی نہیں ہے بلکہ ایک سماجی تعمیر ہے اور یہ تاریخی طور پر پدرانہ نظام میں تہذیبی عوامل کے تحت تعمیر کی گئی ہے۔ سماجی و ثقافتی عوامل خواتین کی حیثیت کو پسماندہ اور پیچیدہ بناتے ہیں اور ان کے بنیادی حقوق سے دور کرتے ہیں۔ یہ تمام نظریات اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مختلف پس منظر سے تعلق رکھنے والی خواتین کو منفرد چیلنجز اور امتیازی سلوک کا سامنا ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر تانیثی افکار و نظریات ایک ایسا معاشرہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تمام افراد یعنی مرد و عورت کو ان کی صنف سے قطع نظر، مساوی مواقع اور حقوق حاصل ہوں۔ یعنی "تانیثیت" بطور تصور اور نظریاتی سطح پر عورت مرکوز ہے اور ایک ایسی سماجی اور سیاسی تحریک ہے جو خواتین کے حقوق اور انھیں بااختیار بنانے کی وکالت کرتی ہے وہیں روایتی صنفی کرداروں اور اصولوں کو چیلنج کرتی ہے۔ یہ پدرانہ نظام کو ختم کرنے اور صنفی مساوات کو فروغ دینے کی کوشش کرتی ہے۔

2.13.2 تانیثیت اور صنفی مساوات کے درمیان رشتہ

(Relation between Feminism and Gender Equality)

تانیثیت اور صنفی مساوات، دو اہم تصورات ہیں، جو خواتین کے حقوق اور سماجی انصاف سے متعلق ہیں۔ دونوں اصطلاحات کے درمیان مشترک خصوصیات بھی ہیں اور کچھ امتیازات(Differences) بھی موجود ہیں۔ دونوں کے اہداف میں مساوات شامل ہے لیکن تانیثیت اور صنفی مساوات کے نقطہ نظر اور حکمت عملی میں فرق پایا جاتا ہے۔ دونوں تصورات، صنفی انصاف کے مسئلے کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ تاہم خواتین کے حقوق اور مرتبہ کے حصول کا مشترکہ مقصد رکھتے ہیں۔ دونوں تصورات پر مبنی تحریکیں صنفی بنیاد پر امتیازی سلوک کو چیلنج کرنے اور اسے ختم کرنے، مساوی مواقع کو فروغ دینے اور ایک سے زیادہ جامع معاشرے کی تشکیل کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ صنفی عدم مساوات افراد اور معاشرے کو مجموعی طور پر نقصان پہنچاتی ہے، انسانی صلاحیت کو محدود کرتی ہے اور سماجی ناانصافیوں کو برقرار رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے "تانیثیت کو ایک نظریاتی، سیاسی اور سماجی تحریک کے طور پر سمجھا جس کا مقصد خواتین کے ساتھ ہونے والے امتیاز، جبر اور عدم مساوات کو ختم کرنا اور انھیں تمام شعبۂ حیات میں برابری کا مقام دلانا ہے" جبکہ "صنفی مساوات کو ایک نظریہ اور اصول کے طور پر سمجھا۔ جس کا مقصد مرد، عورت اور دیگر تمام مختلف جنسی شناخت رکھنے والے افراد کو بنا کسی تعصب کے برابر کے مواقع، حقوق اور

وسائل کا حصول ہے۔ چونکہ صنفی امتیازات کے نتیجے میں خواتین زیادہ متاثر ہیں' اسی لیے صنفی مساوات کا ہدف یا توجہ کا مرکز بیشتر صورتوں میں خواتین ہوتی ہیں۔ تانیثیت اور صنفی مساوات' دونوں مساوی کام کے لیے مساوی تنخواہ، تولیدی حقوق، تعلیم تک رسائی، صحت کی دیکھ بھال اور سیاسی نمائندگی کے حامی ہیں۔ ان کا مقصد نقصان دہ صنفی دقیانوسی تصورات اور اصولوں کو چیلنج کرنا ہے جو افراد کے انتخاب کو محدود کرتے ہیں اور عدم مساوات کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان مشترکہ اہداف کے لیے کام کرنے سے، حقوق نسواں اور صنفی مساوات معاشرے کی مجموعی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

گرچہ کہ تانیثیت اور صنفی مساوات' خواتین کے حقوق کے لیے مشترکہ مقاصد کا اشتراک کرتے ہیں' لیکن ان کے حصول کے لیے مختلف طریقوں اور حکمت عملیوں کو استعمال کرتے ہیں۔ دونوں کا دائرہ کار مختلف ہے۔ جیسے تانیثیت' نظریاتی اور انقلابی تحریک ہے جو خواتین کی محکومیت اور ان کے خلاف صنفی امتیازات کے خاتمہ نیز ان کے سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق اور بااختیاری کے حصول کی کوشش سے تعبیر ہے۔ تانیثیت' تسلیم کرتی ہے کہ خواتین پر تاریخی طور پر ظلم واستحصال ہوا ہے۔ خواتین کی مخصوص ضروریات اور تجربات کو حل کرنے پر توجہ مرکوز کرتی ہے اور پدرانہ نظام میں صنفی بنیاد پر تشدد کے خاتمے کی وکالت کرتی ہے۔

دوسری طرف صنفی مساوات ایک نظریہ اور اصول ہے جو سماج میں ایسا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس میں تمام جنسوں کے افراد مساویانہ سمجھے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ صنفی مساوات یہ عقیدہ ہے کہ تمام مردوں اور عورتوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں مساوی حقوق اور مواقع ملنے چاہیے۔ انھیں جنسی شناخت کی بنیاد پر امتیاز کا سامنا نہ ہو۔ اس نقطۂ نظر میں عورت کے علاوہ وہ مرد افراد بھی آجاتے ہیں جو مذہب، ذات، طبقہ، رنگ ونسل وغیرہ کی بنیاد پر پسماندہ یا حاشیائی ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں صنفی مساوات کا نظریہ' غیر بائنیری افراد کے حقوق کو بھی تسلیم کرنے اور ان کے خلاف امتیازات کے خاتمے پر زور دیتا ہے۔ اس نظریہ کا مقصد ایسے تمام صنفی اصولوں اور دقیانوسی تصورات کو چیلنج کرنا ہے جو افراد سے امتیازی سلوک کو برقرار رکھتے ہیں۔ صنفی مساوات میں تمام جنسوں کے لیے مساوی مواقع اور وسائل تک رسائی کو فروغ دینا شامل ہے۔ یہ نظریہ وسیع طور پر تمام افراد بشمول خواتین شمولیت اور تنوع کو فروغ دینے پر زور دیتا ہے۔

اہم نکات:

- ''تانیثیت'' ایک اصطلاح ہے جو حقوقِ نسواں کے حصول کے نظریات سے عبارت ہے۔ یہ ایک سماجی اور سیاسی تحریک بھی ہے جو خواتین کے حقوق اور بااختیار بنانے کی وکالت کرتی ہے۔ یہ صنفی عدم مساوات کو برقرار رکھنے والے پدرانہ ڈھانچے کو چیلنج اور ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

- تانیثی مفکرین اور جہد کار یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خواتین تاریخی طور پر پسماندہ اور مظلوم رہی ہیں اور سماجی وثقافتی جبر واستحصال کا شکار رہی ہیں۔
- تانیثی تحریکات کا مقصد، تعلیم، روزگار، سیاست اور ذاتی زندگی میں خود مختاری سمیت زندگی کے تمام پہلوؤں میں صنفی مساوات کو فروغ دے کر سماج میں موجود صنفی عدم توازن کو دور کرنا ہے۔
- ''صنفی مساوات'' کا مقصد صنفی شناخت کی بنیاد پر امتیازی سلوک اور تعصب کو ختم کرنا ہے، اس بات کو یقینی بنانا کہ افراد کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے اور انہیں وسائل، مواقع اور فیصلہ سازی کے عمل تک مساوی رسائی حاصل ہو۔
- ''تانیثیت اور صنفی مساوات'' دو اہم تصورات ہیں جو اکثر استعمال ہوتے ہیں۔ اگرچہ کہ ان کی الگ الگ صفات اور اہداف ہیں۔ لیکن دونوں تصورات اور تحریکیں صنفی انصاف اور مساوی حقوق کے لیے کوشاں ہیں۔

2.14 اکتسابی نتائج(Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

1۔ مختلف صنفی تصورات کو وضاحت سے سمجھ پائے اور سماج پر ان کے دیرپا اثرات کو جان پائے۔آپ نے صنفی تعصب، صنفی امتیازات، صنفی عدم مساوات اور صنفی دقیانوسی تصورات کا نہ صرف تعارف حاصل کیا بلکہ ان اصطلاحات کے درمیان موجود بنیادی فرق کو بڑی وضاحت اور مثالوں سے سمجھا۔ ان تصورات کی وضاحت سے آپ نے جانا کہ یہ تمام ایسے سماجی رویے، رجحان، خیال اور عملی طور پر روزمرہ کی زندگی میں شامل عوامل ہیں۔ جس کے تحت افراد کے ساتھ جنس کی بنیاد پر یکساں سلوک نہیں کیا جاتا۔ یہ سلوک نہ صرف خواتین اور لڑکیوں بلکہ مردوں اور دیگر صنفی شناختوں کے افراد کو بھی متاثر کرتا ہے، جس کے نتیجے میں مجموعی طور پر معاشرے کے لیے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ صنفی عدم مساوات میں کردار ادا کرنے والے عوامل میں ثقافتی اصول، معاشی تفاوت، اور سماجی اداروں کا بنایا گیا ساختیاتی نظام ہے جو صنفی امتیازات پر مبنی ہے۔

2۔ اس اکائی میں آپ نے صنفی مساوات اور صنفی عدل کی تعریف اور امتیازات سے واقفیت حاصل کی۔ پائیدار ترقی کے اہداف کو حاصل کرنے میں صنفی مساوات کی ضرورت واہمیت کو بھی جانا۔آپ کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ مختلف بین الاقوامی صنفی عدم مساوات کے اشاریہ جات اور رپورٹس کی بنیاد پر ہندوستان، دیگر ممالک کے مقابلے میں نچلا مقام حاصل کر رہا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں صدیوں سے چلا آرہا صنفی عدم مساوات کا نظام ایک کثیر جہتی مسئلہ ہے جو بنیادی طور پر خواتین کی حیثیت کو برسوں سے بہت زیادہ متاثر کرتا چلا آیا ہے۔

3۔ مذکورہ اکائی سے یہ معلومات بھی حاصل ہوئیں کہ ہندوستان کی آبادی کا صنفی عدم مساوات کے تناظر میں مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو خواتین کئی معاملات میں پچھڑے مقام کی حامل نظر آتی ہیں۔ گرچہ کہ ہندوستان کا آئین، مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق دیتا ہے اور

پالیسی سازی میں بھی خواتین کی بااختیاری کو اہمیت حاصل ہے باوجود اس کے صنفی تفاوت ہر شعبہ میں برقرار ہے۔امتیازی سلوک خواتین کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ان کے مکمل تشخص سے لے کر ان کی معاشی طور پر خود انحصاری کو بھی متاثر کرتا ہے۔ مختلف اقدامات کے باوجود یہ انتہائی امتیازی سلوک سماج میں اب بھی خطرناک حد تک جاری ہے۔ جو آج بھی بہت سے لوگوں کی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔

4۔ اس اکائی میں آپ نے یہ بھی تعارف حاصل کیا کہ "تانیثیت اور صنفی مساوات" دو باہم مربوط تصورات ہیں اور تحریکیں بھی ہیں جو صنفی انصاف اور مساوی حقوق کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔ اگرچہ تانیثیت کا مقصد خاص طور پر خواتین کے حقوق پر توجہ مرکوز کرنا ہے اور پدرانہ طاقت کے ڈھانچے کو چیلنج کرنا نیز صنفی مساوات کو فروغ دینا ہے جبکہ 'صنفی مساوات تمام جنسوں کے حقوق کی وکالت کرتے ہوئے ایک وسیع تر نقطہ نظر اختیار کرتی ہے۔ان کے مختلف نقطہ نظر اور حکمت عملی کے باوجود، دونوں تحریکیں مشترکہ اہداف رکھتی ہیں اور ایک زیادہ مساوی اور جامع معاشرہ بنانے میں اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔ان تحریکوں کو سمجھ کر اور اس کی حمایت کر کے، ہم اجتماعی طور پر ایک ایسے مستقبل کی طرف کام کر سکتے ہیں جہاں صنفی بنیاد پر امتیاز کا خاتمہ ہو، اور تمام افراد کو ترقی کی منازل طے کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔

2.15 فرہنگ(Glossary)

- نظریہ ساز: کسی مسئلہ پر فکر و دلائل سے کام لے کر نظریہ قائم کرنے والا
- صنفی مساوات(Gender Equality): مردوں اور عورتوں کو زندگی کے ہر شعبے میں مساوی مواقع اور حقوق فراہم کرنا۔
- صنفی امتیاز(Gender Discrimination): جنس کی بنیاد پر کسی فرد کے ساتھ ناانصافی یا غیر مساوی سلوک کرنا۔
- صنفی تعصب(Gender Bias): کسی ایک جنس کے حق میں یا اس کے خلاف غیر منصفانہ رویہ اپنانا۔
- پدر شاہی(Patriarchy): ایسا سماجی نظام جس میں مردوں کو عورتوں پر برتری حاصل ہو اور زیادہ تر طاقت و اختیار مردوں کے پاس ہو۔
- تانیثیت(Feminism): ایک فکری اور سماجی تحریک جو عورتوں کے حقوق اور مساوات کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔
- صنفی کردار(Gender Roles): وہ سماجی توقعات اور ذمہ داریاں جو معاشرہ مردوں اور عورتوں کو تفویض کرتا ہے۔
- صنفی شناخت(Gender Identity): فرد کی ذاتی اور اندرونی پہچان کہ وہ خود کو مرد، عورت یا دیگر صنفی اقسام میں کس طرح محسوس کرتا ہے۔
- صنفی حساسیت(Gender Sensitivity): صنفی مسائل اور امتیازات کو سمجھنے، ان پر غور کرنے اور مساوات کو فروغ دینے کا شعور۔

- صنفی بنیاد پر تشدد(Gender Based Violence): وہ تمام اقسام کے تشدد جو کسی فرد پر اس کی جنس کی بنیاد پر کیے جائیں، مثلاً گھریلو تشدد، ہراسانی، یا غیرت کے نام پر قتل۔
- صنفی سماج کاری(Gender Socialization): وہ عمل جس کے ذریعے بچے کو معاشرتی اصول و ضوابط کے تحت صنفی کردار سکھائے جاتے ہیں۔
- صنفی نابرابری یا صنفی عدم مساوات(Gender Inequality): مردوں اور عورتوں کے درمیان مواقع اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم۔
- صنفی نقطۂ نظر(Gender Perspective): سماجی، تعلیمی اور پالیسی امور کو اس زاویے سے دیکھنا کہ ان کا مردوں اور عورتوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔
- صنفی عدل (Gender Equity): ہر فرد کو اس کی ضرورت اور حالات کے مطابق مواقع فراہم کرنا تاکہ مساوات کو قائم کیا جاسکے۔
- صنفی دقیانوسی تصورات(Gender Stereotypes): معاشرے کے وہ روایتی خیالات جو مردوں اور عورتوں کے کردار و صلاحیتوں کو محدود کرتے ہیں، مثلاً "عورتیں صرف گھر کے کام کے لیے موزوں ہیں"۔
- مساوی مواقع(Equal Opportunities): تعلیم، ملازمت، صحت اور دیگر شعبوں میں سب کو یکساں سہولتیں فراہم کرنا۔
- صنفی طاقت کا توازن(Gender Power Balance): معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان طاقت اور اختیار کی تقسیم۔
- صنفی انصاف(Gender Justice): صنفی ناہمواری اور امتیازات کو ختم کرکے ایک منصفانہ اور مساوی نظام قائم کرنا۔
- صنفی مرکزی دھارے میں شمولیت(Gender Mainstreaming): تمام پالیسیوں، منصوبوں اور پروگرامز میں صنفی نقطۂ نظر کو شامل کرنا۔
- خواتین کی بااختیاری(Women Empowerment): عورتوں کو اپنی زندگی کے فیصلے کرنے، وسائل پر قابو پانے اور سماجی و سیاسی عمل میں حصہ لینے کی طاقت دینا۔
- صنفی تنوع(Gender Diversity): مختلف صنفی شناختوں اور کرداروں کو قبول کرنا اور ان کی اہمیت کو تسلیم کرنا۔
- صنفی ترقی(Gender Development): سماج میں مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوی ترقی اور شمولیت کو یقینی بنانا۔

2.16 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ذیل میں دیے گئے جملوں میں صنفی کردار کی مثال کونسی ہے؟

a) لڑکے روتے نہیں
b) سب کو پڑھنے کا حق ہے
c) ہر کوئی کھیل سکتا ہے
d) مرد اور عورت برابر ہیں

2۔ صنفی تعصب سے کیا مراد ہے؟

a) ہر کسی کے ساتھ یکساں سلوک
b) صرف لڑکوں کو بہتر سمجھنا
c) مساوی مواقع فراہم کرنا
d) تمام طلبہ کو برابر سمجھنا

3۔ "Gender Stereotype" کا تعلق کس سے ہے؟

a) صنفی مساوات سے
b) سماجی انصاف سے
c) صنف سے متعلق رائج محدود خیالات سے
d) صنفی عدل سے

4۔ تعلیم کے ذریعے صنفی تشدد کو کیسے روکا جاسکتا ہے؟

a) خاموش رہ کر
b) تشدد کو نظرانداز کر کے
c) صنف پر مبنی تربیت اور شعور بیداری سے
d) صرف سخت قوانین سے

5۔ صنف اور تعلیم کے درمیان تعلق کیا ہے؟

a) تعلیم صرف لڑکوں کے لیے ضروری ہے
b) تعلیم کا صنف سے کوئی تعلق نہیں
c) تعلیم صنفی کرداروں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے
d) تعلیم صرف رسمی اداروں میں دی جاتی ہے

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ صنفی انصاف سے کیا مراد ہے؟
2۔ صنفی تعصب اور صنفی امتیاز میں کیا فرق ہے؟
3۔ تانیثیت کی تعریف لکھیے۔
4۔ صنفی رول سے کیا مراد ہے۔؟
5۔ صنفی مساوات کیوں ضروری ہے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ صنفی امتیازات سے خواتین پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2۔ صنفی عدل اور صنفی مساوات میں کیا فرق ہے؟ مثالوں کے ذریعے وضاحت کیجیے

3۔ تانیثیت کس طرح سے صنفی مساوات کے فروغ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لکھیے

2.17 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

1۔ Bhasin, K. (2013). Understanding Gender. Women Unlimited. New Delhi

2۔ Bhasin, K. (1993). What is Patriarchy? Kali for Women. New Delhi

3۔ O'Brien, J. (Ed.). (2009). Encyclopaedia of Gender and Society. Sage Publications.New Delhi

4۔ Freedman. Jane. (2019 Indian reprint). Feminism. Rawat Publications, New Delhi.

5۔ Gender Equality: Glossary of Terms and Concepts, 2017, UNICEF (available on https://www.unicef.org/rosa/media/1761/file/Gender)

6۔ UN Women, 2020, Gender Mainstreaming: A Global Strategy for Achieving Gender Equality and Empowerment of Women and Girls, available on: https://www.unwomen.org

اردو کتابیں:

7۔ عذرا عابدی،(2017)، سماجیات کا تعارف، نور پبلیکیشنس، نئی دہلی

8۔ آمنہ تحسین،(2019)، سماج اور صنفی تصورات: ادب کے آئینے میں، ایجوکیشنل پبلی کیشنز، نئی دہلی

9۔ عذرا عابدی،(2019)، ہندوستان میں تانیثیت، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی

اکائی 3۔ پدرانہ نظام

(Patriarchy)

اکائی کی ساخت(Unit Structure)

3.0 تمہید(Introduction)

3.1 مقاصد(Objectives)

3.2 پدرانہ نظام کے معنی(Patriarchy Meaning)

3.3 پدرانہ نظام کی تعریف و تشریح(Definition and Explanation of Patriarchy)

3.4 پدرانہ نظام بطور سماجی نظام(Patriarchy as a Social System)

3.5 پدرانہ نظام کا آغاز(Genesis of Patriarchy)

3.6 پدرانہ نظام کی خصوصیات(Characterstics of Patriarchy)

3.7 عوامی و نجی تضاد(Public -Private Devide)

3.8 خواتین کی حاشیہ کاری(Marginalization of Women)

3.8.1 حاشیہ کاری سے کیا مراد ہے(What is meant by Marginalisation)

3.8.2 پدرانہ نظام اور خواتین کی حاشیہ کاری(Patriarchy and Marginalization of Women)

3.8.3 حاشیہ کاری کے خواتین پر اثرات(Impact of Marginalization on Women)

3.9 پدرانہ نظام کے مردوں پر اثرات(Impact of Patriarchy on Men)

3.10 ہندوستان میں پدرانہ نظام کی صورتیں(Forms of Patriarchy in India)

3.11 ہندوستان میں خواتین کی محکومیت(Subordination of Women in India)

3.11.1 خواتین کی محکومیت کسے کہتے ہیں(What is meant by Subordination of Women)

3.11.2 ہندوستانی خواتین کی محکومیت(Subordination of Indian Women)

3.11.3 خواتین کی حاشیہ کاری اور محکومیت میں فرق

(Difference between Marginalization and Subordination of Women)

3.12 پدرانہ نظام کے خاتمے کے اقدامات(Measures about the Eradication of Patriarchy)
3.13 اکتسابی نتائج(Learning Outcome)
3.14 فرہنگ(Glossary)
3.15 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)
3.16 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

3.0 تمہید(Introduction)

سماج سے صنفی عدم مساوات' کے خاتمہ کے لیے کئی برسوں سے مختلف اقدامات کیے جارہے ہیں اور مردوں کے برابر عورتوں کو حقوق ومواقع فراہم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں' لیکن عالمی سطح کی رپورٹس بتاتی ہیں کہ اس جانب ذہنی تبدیلی کا عمل پوری طرح ممکن نہیں ہو پارہاہے۔ دنیا بھر کے مختلف معاشروں میں صنفی عدم مساوات عام ہے اور بیشتر خواتین کو ماتحتی اور علیحدگی و پسماندگی کا سامنا ہے۔ قابل غور نکتہ یہ ہے کہ مختلف النوع کوششوں کے باوجود مرد وعورت کے درمیان سماجی حیثیت اور حقوق ومواقعوں کا جو صنفی فرق موجود ہے وہ آخر ختم کیوں نہیں ہو پارہاہے؟ اس نکتہ پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دراصل مرد وعورت کے مقام ومرتبہ کے متعلق صنفی تصورات کا ایک مخصوص نظام' خاندان اور سماج کی تمام سطحوں پر موجود ہے جو صدیوں پرانا ہے۔ جو روایتوں، رسومات، سماجی نظریات کی شکل میں ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہتا ہے اور ہمیشہ ذہنوں میں محفوظ ہوتا ہے۔ اس نظام میں مرد کو مرکزیت اور تمام تر معاملات میں حقوق اور غلبہ حاصل ہے' جبکہ خواتین کو ثانوی درجہ دیا گیا ہے۔ اس نظامِ فکر کو بہ طورِ اصطلاح اور ایک موثر سماجی نظام کی حیثیت سے جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔

مردوں کے غلبہ کا یہ نظام ایک اہم سماجی نظام کے طور پر صنفی تفاوت کو برقرار رکھنے اور اس سے جڑے تمام عناصر کو تقویت دینے نیز قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مذکورہ نظام روزمرہ کی زندگی میں کچھ اس طرح سے شامل ہے کہ اس کی روایتوں پر عمل کرتے ہوئے کسی شخص کو اس جارحیت اور کی جانے والی نابرابری کا احساس بھی نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں عورت کی زندگی جبر واستحصال یا پسماندگی کا شکار ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمارے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس نظام کو صرف ایک اصطلاح کے طور پر ہی نہ سمجھیں بلکہ اس کو ایک پورے سماجی نظام کے طور پر سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ اس سے وابستہ تمام اہم پہلوؤں کو بھی جانیں۔ اس نظام کی جڑوں، معاشرتی مظاہر اور خواتین کی زندگیوں پر اس کے اثرات سے واقف ہو پائیں۔ لہٰذا اس اکائی کے مطالعے سے آپ ان ساختیاتی اور ثقافتی قوتوں کے بارے میں گہری سمجھ حاصل کر سکتے ہیں جو صنفی عدم مساوات کو بڑھاتی ہیں۔ جن کے خاتمہ سے ایک صنفی مساوات پر مبنی معاشرے کو تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

3.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- ''پدر سرئیت''یا''پدرانہ نظام''کے معنی سمجھ پاؤ گے اور اس کی اصطلاح نیز تشریحات سے واقفیت حاصل کرو گے۔
- صنفی عدم مساوات اور پدرانہ نظام کے مابین رشتہ کو سمجھ پاؤ گے ،اور اس نظام کے آغاز کی وجوہات کی معلومات حاصل کرو گے۔
- سماج میں رائج عوامی و نجی تضادات کے مفہوم کو سمجھ پاوگے اور معاشرے پر اس کے اثرات سے واقف ہو جاؤ گے ۔
- پدرانہ نظام اور خواتین کی حاشیہ بندی و محکومیت سے واقفیت حاصل کر لو گے۔

3.2 ''پدرانہ نظام''یا''پدر سرئیت''کے معنی(Patriarchy Meaning)

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ''پدر سرئیت یا پدرانہ نظام کا مطلب ،ایسا معاشرہ ہے جس میں خاندان کا سربراہ سب سے بڑا مرد ہوتا ہے۔اسے ہی رہنما اور فیصلہ ساز مانا جاتا ہے۔جبکہ ماریم ڈکشنری کے مطابق ''پدرانہ نظام ایک سماجی تنظیم ہے جس میں قبیلہ یا خاندان میں باپ کی بالادستی،بیویوں اور بچوں کی قانونی انحصاری اور مرد کے پاس تمام وسائل اور وراثت ہوتی ہے''۔

پدر سرئیت یا پدرانہ نظام ،ایک اصطلاح ہے۔جسے انگریزی میں Patriarchal System کہا جاتا ہے جبکہ اردو میں پدر سری یا پدر شاہی نظام جیسے الفاظ بھی اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔پدرانہ نظام ،ایک مرکب لفظ ہے۔پدر کے معنی ،والد یا باپ کے ہیں جبکہ نظام کا لفظ مختلف سیاق و سباق میں استعمال کیا جاتا ہے ۔جیسے اس کے معنی ، طریقہ کار ، مخصوص اصول وضوابط، ترتیب،آراستگی ،بندوبست، منظم طریقے سے کیا جانے والا کام وغیرہ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔اس اصطلاح کے وجود میں آنے کا قدیم تاریخی و تہذیبی پس منظر رہا ہے۔

لفظ "Patriarchy" یونانی زبان کے لفظ patriarkh سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب "باپ کی حکمرانی" ہے۔ابتدا میں یہ اصطلاح خاندان کے سربراہ مرد کے لیے استعمال ہوتی تھی۔جدید دور کے تانیثی مطالعات میں یہ اصطلاح ایک ایسے نظام کی علامت بن گئی ہے جس میں مردوں کو خواتین پر غلبہ حاصل ہوتا ہے(Walby 1990; Lerner 1986)۔اس لفظ کا استعمال ایک ایسے سماجی نظام کے لیے کیا جاتا ہے جہاں مرد سماجی، معاشی، سیاسی اور مذہبی طاقت کے غیر متناسب حصے پر قابض ہوتے ہیں اور وراثت عام طور پر ان کی ہی میراث تصور کی جاتی ہے۔

3.3 پدرانہ نظام کی تعریف و تشریح(Definition and explanation of Patriarchy)

پدر سریئیت یا پدرانہ نظام سماج کا تشکیل کردہ ڈھانچہ ہے۔ جس میں مرد معاشرے کے اہم پہلوؤں بشمول سیاست، معاشیات اور ثقافت پر غلبہ اور کنٹرول کرتے ہیں۔ پدر شاہی ایک ایسا سماجی نظام ہے جس میں مردوں کو غالب حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وہ سیاسی قیادت، اخلاقی اختیار، سماجی مراعات اور جائیداد کے کنٹرول جیسے شعبوں میں بالادستی رکھتے ہیں۔ یہ نظام تاریخی بنیادوں پر استوار ہے اور ثقافتی طور پر اسے فروغ دیا گیا ہے۔ یہ خاندان، تعلیم، قانون، روزگار اور دیگر سماجی اداروں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

گرڈا لرنر(1986)اپنی کتاب ''The Creation of Patriarchy'' میں لکھتی ہیں کہ پدر شاہی فطری یا حیاتیاتی عمل نہیں بلکہ تاریخی طور پر عورتوں کی معاشی اور تولیدی صلاحیتوں کو زیر نگیں رکھ کر پیدا کیا گیا''۔ آگے وہ پدرانہ نظام کو ایک ایسے نظام کے طور پر بیان کرتی ہیں، جس میں صنفی روایتوں اور عقائد کی بنیاد پر مردانہ غلبہ کو مرکزیت دی گئی اور عورت کو محکومیت و حاشیائی حیثیت دی گئی ہے''

کملا بھسین اپنی کتاب(What is Patriarchy)میں لکھتی ہیں ''یہ ایک مخصوص قسم کے "مردوں کے زیر تسلط خاندان" کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قدیم تہذیبوں میں مشترکہ خاندان یا گھرانے ہوا کرتے تھے، جس میں عورتیں، چھوٹے مرد، بچے، غلام اور گھریلو ملازم سب ایک بزرگ مرد کی حکمرانی میں رہا کرتے تھے۔ اب یہ زیادہ عام طور پر مردانہ تسلط کا حوالہ دینے کے لیے یا طاقت کے ان رشتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن کے ذریعے مرد عورتوں پر غلبہ حاصل کرتے ہیں۔ ایک ایسے نظام کی خصوصیت کے لیے بھی یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس کے تحت خواتین کو کئی طریقوں سے ماتحت رکھا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کو ہندی زبان میں ''پتر ستہ'' اور اردو میں پدرانہ، پدر سری یا پدر شاہی نظام کہا جاتا ہے''۔

سیلویا والبی(Sylvia Walby)ماہر سماجیات ہیں۔ انھوں نے پدر شاہی(Patriarchy)کے نظریے کو جدید اور منظم شکل میں پیش کیا۔ ان کی کتاب(1990) "Theorizing Patriarchy" اس موضوع پر سب سے اہم کام تصور کی جاتی ہے۔ سیلویا کے مطابق ''پدر شاہی ایک ایسا سماجی نظام ہے جس میں مرد مختلف اداروں اور ڈھانچوں کے ذریعے عورتوں پر غلبہ اور کنٹرول رکھتے ہیں''۔ مزید انھوں نے لکھا کہ ''پدر شاہی ایک پیچیدہ(complex)اور کثیر جہتی(multi-dimensional)نظام ہے۔ یہ وقت اور جگہ کے لحاظ سے مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے۔ انہوں نے نجی پدر شاہی(Private Patriarchy) اور عوامی پدر شاہی (Public Patriarchy)میں فرق بیان کیا ہے۔ ''نجی پدر شاہی'' سے مراد عورت پر کنٹرول زیادہ تر گھر کے اندر شوہر یا خاندان کے ذریعے ہوتا ہے، جبکہ ''عوامی پدر شاہی'' عورت پر کنٹرول زیادہ تر عوامی اداروں جیسے ریاست، روزگار، تعلیم اور قانون کے ذریعے قائم رہتا ہے۔'' سیلویا والبی کا نظریہ یہ واضح کرتا ہے کہ پدر شاہی صرف گھریلو مسئلہ نہیں بلکہ ریاست، معیشت، ثقافت اور سماجی اداروں میں جمی ہوئی

ایک گہری ساخت ہے۔ ان کے مطابق پدر شاہی کو ختم کرنے کے لیے ان تمام ڈھانچوں کو بدلنا ضروری ہے۔ وہ پدر شاہی کو چھ مختلف ڈھانچوں(Six Structures of Patriarchy)میں تقسیم کرتی ہیں جن کے ذریعے مردانہ طاقت قائم رہتی ہے۔ ذیل میں ان کا ذکر کیا جارہا ہے۔

1۔ **گھریلو پیداوار(Household Production)**: عورتیں زیادہ تر بغیر آمدنی والے کام یعنی گھریلو کام کرتی ہیں جس سے مردانہ کنٹرول مضبوط ہوتا ہے۔

2۔ **اجرت والے کام(Paid Work)**: عورتوں کو کم تنخواہ ملتی ہے، ان کے لیے محدود نوکریاں دستیاب ہیں، اور اکثر ان پر روزگار کے مواقع محدود کیے جاتے ہیں۔

3۔ **ریاست(The State)**: قوانین اور پالیسیوں میں مردوں کو ترجیح ملتی ہے اور عورتوں کے حقوق اکثر ثانوی سمجھے جاتے ہیں۔

4۔ **تشدد(Violence)**: مرد عورتوں پر جسمانی اور ذہنی تشدد کے ذریعے اپنا غلبہ قائم رکھتے ہیں۔

5۔ **جنسیات(Sexuality)**: معاشرے میں عورتوں کی جنسی آزادی کو محدود کیا جاتا ہے اور مردانہ معیار کے مطابق عورتوں کے کردار طے کیے جاتے ہیں۔

6۔ **ثقافتی ادارے(Cultural Institutions)**: مذہب، تعلیم، میڈیا اور دیگر ادارے مردانہ اقدار کو فروغ دیتے ہیں اور عورتوں کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔

3.4 پدرانہ نظام بہ طور ایک سماجی نظام(Patriarchy as a Social System)

پدر سریئت' کو بہ طورِ سماجی نظام سمجھنا ضروری ہے۔ پدر سریئت یا پدرانہ نظام ایک ایسا تصور ہے جس نے صدیوں سے دنیا بھر کے معاشروں کو بہ طور مرد اساس' تشکیل دیا ہے۔ ایسا نظام جو طاقت، استحقاق اور جبر کے ڈھانچے پر مبنی ہے۔ یہ نظام روزمرہ زندگی کے معاملات پر گہرا اثر رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کی ابتداء کی کڑیاں قدیم تہذیبوں سے ملتی ہیں' لیکن یہ اصطلاح وقت کے ساتھ ساتھ خاص طور پر تانیثی نظریہ کی بنیاد پر واضح ہوئی اور سماج کی صنفی تفریق کو سمجھنے کا ذریعہ بنی۔ حقوق نسواں کے جہد کار اور نظریہ ساز افراد نے پدرانہ نظام کو محض مردوں کے زیر تسلط سماجی ڈھانچے سے زیادہ ایک گہرے نظام کے طور پر سمجھنے کے لیے ایسے نکات رکھے جو زندگی کے ہر پہلو کو طاقت اور کنٹرول کے ذریعے تشکیل دیتے ہیں۔ لہذا پدر سریئت کو صرف ایک اصطلاح کے بجائے ایک تشکیل دیے گئے نظام کے تصور کے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس نظام کے معنیٰ و مفہوم کو وضاحت سے جاننے اور سماجی اداروں' جیسے خاندان، تعلیم، شادی، مذہب، قانون وغیرہ میں پدرانہ نظام کی

نوعیت اور اس کے اثرات کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ مردانہ غلبہ کے سماجی نظام میں عورت کے موقف اور مسائل کو انسانی نقطۂ نظر سے دیکھا جاسکے اور اس نظام کی تبدیلی کی کوشش کی جاسکے۔

پدر سریئت یا پدرانہ نظام 'روزمرہ کی گفتگو میں اکثر استعمال ہونے والی اصطلاح ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ پدرانہ نظام کیا ہے؟ دراصل اس اصطلاح کا مطلب "مردانہ تسلط"، "مرد تعصب"، یا اس سے بھی زیادہ آسان "مردانہ طاقت" ہے۔ جبکہ اس اصطلاح کا مزید مطلب دیکھیں تو "باپ کی مطلق حکمرانی یا خاندان پر سب سے بڑے مرد رکن کی سرداری"۔ اس طرح پدرانہ نظام خاندان کی نہ صرف تمام خواتین پر بلکہ کم عمر سماجی اور معاشی طور پر ماتحت مردوں پر بھی مرد یعنی باپ کی حکمرانی ہے۔ لفظی طور پر' پدرانہ نظام کا مطلب مرد سربراہ (جیسے خاندان، قبیلہ کے سردار) کی حکمرانی ہے۔ تاہم، بیسویں صدی کے اوائل سے حقوقِ نسواں کے مصنفین نے ''مردانہ تسلط کے سماجی نظام''، کو عورتوں کے متعلق ایک سماجی تصور کے طور پر سمجھنا شروع کیا۔ بالخصوص مضمون صنف اور مطالعاتِ نسواں میں پدرانہ نظام بنیادی طور پر ایک اہم تصور ہے۔ حقوق نسواں کے مصنفین نے اس ضمن میں بہت سے نظریات پیش کیے جن کا مقصد عورتوں کی پسماندگی اور ماتحتی کی بنیادوں کو سمجھنا ہے۔ اس اصطلاح اور اس سے جڑے نظریات کے نتیجے میں پورے سماجی نظام کو سمجھنے میں آسانی ہوئی۔

تحقیق و تنقید میں پدرانہ نظام کی اصطلاح نہ صرف ایک وضاحتی اصطلاح ہے جو نہ صرف یہ وضاحت کرتی ہے کہ کس طرح مختلف معاشرے' مردانہ اختیارات اور طاقت کی تشکیل کرتے ہیں، بلکہ سماج میں عورت کی حیثیت کو جاننے کے لیے ایک تجزیاتی زمرہ کے طور پر بھی کام آتی ہے۔ 1970 کی دہائی میں، حقوق نسواں کے مباحث سے یہ بات طے پائی کہ پدرانہ نظام کی صرف وضاحت کافی نہیں ہے بلکہ اسے تجزیاتی زمرے میں رکھ کر دنیا کے تمام علوم و تاریخ کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ یہ جان سکیں کہ ماضی میں جو کچھ لکھا گیا وہ صرف مردانہ نقطۂ نظر سے دیکھا اور لکھا گیا۔ خواتین کے تجربات اور نقطۂ نظر کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ ماضی تاحال پدرانہ نظام دنیا کو بیان کرنے اور سمجھانے کا ایک طریقہ بن کر روبۂ عمل رہا۔ لہٰذا کسی بھی سماجی نظام میں اختیار اور طاقت کے اہم اجزاء یا مسائل کی وضاحت کے لیے پدرانہ نظام کو تنقیدی طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔

پدرانہ معاشرے میں خواتین کو تعلیم حاصل کرنے، جائیداد رکھنے یا شادی اور زندگی کے دیگر پہلوؤں سے متعلق انتخاب کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ مردوں کے لیے، یہ وسائل حق کا معاملہ ہیں اور وہ انتخاب کر سکتے ہیں جو ان کی زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں آپ کو اس نظام کی کئی تصویریں نظر آئیں گی۔ جیسے مرد افراد خاص طور پر والد کو ہر موقع پر اپنے نقطۂ نظر سے بات کرنے یا دلیل رکھنے، انکار کرنے یا برملا اظہار کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے' جبکہ عورت خواہ وہ ماں ہی کیوں نہ ہو ایک لفظ بھی کہنے یا اپنی پسند ناپسند ظاہر کرنے کی اجازت دیے بغیر انھیں صرف کہی باتوں پر عمل کرنے کی تاکید ہوتی ہے۔ عورت کی ماتحتی کو دراصل انسانی نقطۂ نظر سے

نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کی ثانوی حیثیت اور اس پر کنٹرول کو گھریا خاندان کے اصول کی طرح رائج کر دیا جاتا ہے۔ جس کو ماننا اور ہر فرد کے طرزِ عمل کو سہنا عورت کے فرائض میں شامل کر دیا گیا۔ اس سماجی عمل کو یا نظام کو "پدرانہ نظام" کے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ پدرانہ نظام' نہ صرف خواتین کے لیے خود ساختہ تعریفیں اور اصول فراہم کرتا ہے بلکہ یہ سماجی اصول خواتین کے بطور ماں اور بیوی کے سماجی کردار کو محدود کرتا ہے۔ پدرانہ نظام ان تمام خواتین کو عزت اور احترام دیتا ہے جو ایثار و قربانی کا پیکر ہوتی ہیں۔ جو اپنے انسانی وجود کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہوتی ہیں۔ جو نسوانیت کے نام پر تشکیل دیے گئے متعین و محکوم کردار کو سیکھتی ہیں اور ساری زندگی اس پر عمل کرتی رہتی ہیں۔

سماجی نظام کی دوسری مثال یہ بھی لی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی لڑکی اسکول یا کالج میں لڑکوں کی جانب سے چھیڑ چھاڑ یا بد سلوکی کی شکایت کرتی ہے یا کوئی عورت اپنے کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کی شکایت کرتی ہے تو بالعموم اسے سنجیدہ نہیں لیا جاتا بلکہ اسے روزمرہ کے واقعات کا ایک معمولی عمل سمجھا جاتا ہے اور اسے مرد کی فطرت سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ لڑکی یا عورت کو اس بات کی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ نظر انداز کرے اور خاموش رہے۔ اس طرزِ عمل سے لڑکیوں اور عورتوں پر ہونے والے نفسیاتی اثرات اور خوف کو عورت کے نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی اس کے بجائے اس اہم مسئلہ کو مردانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کئی صورتوں میں کالج یا کام کی جگہ پر ہونے والے جنسی ہراسانی کے واقعات سے تمام مرد یکسر انکار کر جاتے ہیں۔ مردوں کے استدلال کو "عام طور پر پدرانہ" کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ پدرانہ نظام کی کئی ایک سماجی صورتیں ہیں' جو مختلف سماجی اداروں میں نظر آتی ہیں۔ خاندانی نظام میں وہ عورتیں جنھیں بچے نہیں ہوتے ہیں تو اس مسئلہ کو مکمل طور پر عورت کی تولیدی صحت سے جوڑ دیا جاتا ہے جبکہ میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ صرف عورت سے جڑا مسئلہ نہیں ہے۔ وہیں جو عورت لڑکا پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کے ہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں تو ایسی خاتون کا خاندان میں کوئی بہتر مقام نہیں ہوتا۔ پدرانہ نظام کے تحت بیوہ، خاص طور پر اونچی ذات کی بیواؤں کی پوزیشن اور بھی قابل رحم ہے۔ بیوہ کی دوبارہ شادی کا قانون بنایا گیا لیکن بیشتر معاشروں میں بیوہ کی دوبارہ شادی آج بھی ممنوع ہے' جبکہ سماج مرد کو ایک سے زائد شادی کا حق دیتا ہے۔ بیوہ کو خاندان کے سماجی اور مذہبی کاموں سے بھی باہر رکھا جاتا ہے اور گھر کے کاموں تک محدود کر دیا جاتا ہے۔

تاریخی طور پر پدرانہ نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں سے جڑا ہوا ہے۔ یعنی خاندانی اختیار سے لے کر سیاسی اقتدار تک اس نظام کی حکمرانی ہے۔ قدیم معاشروں میں، پدرانہ ڈھانچے خاندانی اکائی میں واضح طور پر نظر آتے تھے' جہاں باپ کو گھر کے سربراہ کے طور پر دیکھا جاتا تھا اور خاندان کے افراد پر اس کا کنٹرول ہوتا تھا۔ اس مردانہ تسلط کو مذہبی عقائد، قانونی ضابطوں اور ثقافتی روایات میں تقویت ملتی رہی جو مردوں کو واضح طور پر اختیارات کے عہدوں پر رکھتی ہیں۔

تاہم پدرانہ نظام کا تصور جمود کا شکار نہیں رہا۔ 19 ویں اور 20 ویں صدیوں میں حقوق نسواں کے مفکرین اور اسکالرز نے پدرانہ نظام کو نہ صرف ایک سماجی نظام کے طور پر بلکہ ایک نظریاتی تعمیر کے طور پر تلاش کرنا شروع کیا جو معاشرے کی تمام سطحوں پر محیط ہے۔ فریڈرک اینگلز (Friedrich Engels)، سیمون دی بیووار (Simone de Beauvoir)، بیٹی فریڈن (Betty Friedan)، سلویا والبی (Sylvia Walby)، جیرڈالرنر، وغیرہ جیسے تانیثی اسکالرز نے اس بات پر زور دیا کہ دنیا کے بیشتر معاشروں میں پدرانہ نظام کا وجود میں آنا محض ایک تاریخی حادثہ نہیں تھا بلکہ ایک گہری جڑوں والا ثقافتی اور نفسیاتی نظام تھا جس نے انفرادی شناخت اور اداراجاتی ڈھانچے دونوں کو تشکیل دیا ہے۔ انہوں نے استدلال کیا کہ پدرانہ نظام سماجی اصولوں، قوانین اور طریقوں کے ذریعے چلتا ہے جو صنفی کردار کو معاشرے میں نافذ کرتا ہے اور خواتین کی خود مختاری کو محدود کرتا ہے۔ ابتداء میں یہ تصور کیا گیا کہ پدرانہ نظام صرف خاندان جیسے سماجی ادارے پر مبنی ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ نظام کام کی جگہ، تعلیم، حکومت، سیاست، مذہب اور میڈیا تک پھیل گیا ہے۔ حقوق نسواں کے ماہرین نے یہ بھی نشاندہی کی کہ پدرانہ نظام صرف مردوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا بلکہ یہ مردانگی کے پابندی والے اصولوں کو نافذ کر کے انہیں بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ پدرانہ نظام کی اس وسیع تفہیم کے نتیجے میں عورت و مرد کے درمیان صنفی رشتوں کی پیچیدگی کو سمجھنے اور اسے خاندانی زندگی کے ایک الگ تھلگ مسئلے کے طور پر دیکھنے سے ہٹ کر سماجی کنٹرول اور عدم مساوات کی مختلف شکلوں کے ساتھ اس کے اشتراک کو جاننا آسان ہوا ہے۔

3.5 پدرانہ نظام کے آغاز سے متعلق نظریات (Theories about the Genesis of Patriarchy)

پدرانہ نظام کے آغاز سے متعلق مختلف اور متضاد نظریات پائے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے تاریخ دان یا سماجی علوم کے ماہرین ہیں جن کا یہ ماننا ہے کہ ابتداء سے ہی مرد حاکم اور عورت کی محکومیت چلی آرہی ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فرق مراتب والا نظام ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس نظام کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ایسے بھی کچھ مفکرین ہیں جنھوں نے ان خیالات کو چیلنج کیا ہے کہ پدر سری یا مرد کے غلبے کا نظام فطری نہیں ہے اور نہ ہی ابدی ہے، بلکہ یہ انسان کا بنایا ہوا نظام ہے جو صدیوں کی تاریخ کے دوران مختلف سماجی و ثقافتی تناظر میں تبدیل ہو کر جدا جدا شکلیں اختیار کرتا رہا۔ لہٰذا یہ سماجی نظام تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ نظام ہمیشہ سے موجود نہیں تھا۔ اسی لیے اس کی کہیں نہ کہیں شروعات ضرور ہوئی ہے تب اس کا خاتمہ بھی ضرور ہوگا۔ چنانچہ پچھلے کئی برسوں سے یہ بحث جاری ہے کہ کیا پدرانہ نظریات سماج کے تشکیل کردہ ہیں؟ یہ نظام فطری ہے یا غیر فطری؟ پدرانہ نظام کی بنیاد، حیاتیات، معاشیات، نفسیات یا تاریخ و ثقافت کی کونسی بنیادوں پر استوار ہوئیں؟

قدامت پسند مفکرین نے اس روایتی نظریہ کو حیاتیاتی طور پر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ان کے مطابق ''چاہے مذہبی متن ہو یا سائنٹفک مباحث ہوں۔ان کے تجزیے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پدرانہ نظام یا مرد کے غلبہ کا نظام اور عورت کی ماتحتی عالم گیر ہے۔جو قدرت کی جانب سے دی گئی ہے اور فطری ہے۔مختلف مذہبی کلمات کی رو سے عورت مرد کی ماتحت ہے چونکہ مرد بہت زیادہ طاقتور اور تخلیقی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں نتیجے میں وہ سماج میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔'' سماج میں اکثریت ایسے افراد کی ہے جو عورت اور مرد میں محنت یا سماجی کام کی تقسیم کی تائید کرتے ہیں۔جس کی بنیاد جنس کے درمیان حیاتیاتی فرق ہوتا ہے۔ان کا یہ خیال ہے کہ چوں کہ عورت اور مرد کے حیاتیاتی افعال مختلف ہوتے ہیں' لہٰذا انہیں فطری طور پر الگ الگ سماجی رول اور ذمہ داریاں بھی مختلف نبھانی چاہیے۔

قدامت پسندوں کی بحث کے مطابق عورت کو چونکہ تخلیق انساں اور افزائشِ نسل کا کام سونپا گیا ہے۔لہٰذا اس کی زندگی کا اہم مقصد ماں بننا ہوتا ہے اور اس کی اہم ذمہ داری بچوں کی پرورش ہوتی ہے۔مرد طبعی یا جسمانی اعتبار سے طاقتور ہوتے ہیں' جب کہ عورت کمزور ہوتی ہے۔بچوں کی پیدائش اور ان کی تربیت کرتی ہے لہٰذا اسے مرد کی جانب سے حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی لیے Gerda Lerner کا خیال ہے کہ یہ حیاتیاتی تجزیہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔اس لیے کہ پتھر کے دور سے آج تک یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ مرد حاکم پیدا ہوا ہے اور حاکم ہی رہے گا۔دیگر نظریہ ساز افراد نے بھی یہ ثابت کیا کہ مرد اعلیٰ ہے اور عورت ادنی ہے۔چوں کہ عورت ایام حیض اور بچوں کی پرورش کی وجہ سے جذباتی اور نفسیاتی طور پر پریشان رہتی ہے اسی لیے کسی خاص سیاسی و سماجی ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل نہیں ہوتی۔لہٰذا عورت کو مرد کی محکومیت میں ہونا چاہیے۔لیکن فی زمانہ مختلف شعبوں میں خواتین نے اپنی ذہانت اور محنت سے مقام حاصل کیا اور ثابت کر دیا کہ تمام شعبہ ہائے حیات میں مساویانہ حصّہ داری طاقت ور جسم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ذہنی صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں جو خواتین میں بھی اتنی ہی ہوتی ہیں جتنی کہ مردوں میں سمجھی جاتی ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ پچھلے کئی برسوں سے پدرانہ نظام کے آغاز وارتقاء کو مختلف نظریات کے تحت سمجھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس ضمن میں کئی سوالات موضوع بحث بنے ہیں۔جیسے' پدر سری نظام سے پہلے کیا مادری نظام رائج تھا؟ کیا اس نظام میں عورت برتر اور فیصلہ ساز تھی؟ کیا اس نظام میں دونوں جنسوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا تھا؟ آخر عورت کی ماتحتی کا آغاز کب ہوا۔یوں تو اس ضمن میں کئی نظریات منظرِ عام پر آئے ہیں' لیکن ان میں فریڈرک اینگلز (Friedrick Engles) کا نظریہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔جس کا یہاں تفصیل سے ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

Engles نے اپنی کتاب "Origin of the Family, Private-Property and The State" (1884) میں پدری نظام کے آغاز کی تشریح کی ہے۔Engles اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ عورت کی ماتحتی کا آغاز خانگی جائیداد کی

شروعات اور ترقی کے ساتھ ہوا۔ اس کے خیال میں تاریخی طور پر معاشی طاقت کی درجہ واری تقسیم اور عورت کی ماتحتی وجود میں آئی۔ اینگلز نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب کوئی سماج کی صنفی تقسیم کا تصور نہیں تھا اور جنسی شناخت کے اعتبار سے کوئی فرق محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ اینگلز نے اپنی کتاب میں قدیم سماج تا جدید سماج کی تینوں صورتوں کو پیش کیا' جس میں جنگلی، غیر مہذب اور تہذیب یافتہ سماجی تبدیلی کی مثالیں پیش کیں۔ جنگلی دور میں قبائلی انسان جانوروں کی طرح زندگی گذارتے تھے۔ شکار کرنا اور غذا جمع کرنا ان کا اہم کام تھا۔ قبائل میں اولاد ماں کے نام سے پہچانی جاتی تھیں۔ اس وقت تک شادی بیاہ اور خانگی جائیداد کا تصور نہیں تھا۔ غیر تہذیب یافتہ دور میں بھی افراد کا ایک جگہ جمع ہو کر رہنا اور شکار کرنا جاری تھا۔ لیکن دھیرے دھیرے اس سماج میں عورتیں آہستہ آہستہ زراعت اور مویشی پالن کرنے لگیں جبکہ مرد شکار پر جانے لگے۔ عورتیں گھر پر بچوں کی دیکھ ریکھ کرنے لگیں۔ اس دور سے کام یا مزدوری کی صنفی تقسیم عمل میں آنے لگی۔ اینگلز نے ایک اہم حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اس دور میں بھی عورت کو اختیارات حاصل تھے۔ سماج میں عورت و مرد کے الگ الگ درجات نہیں تھے۔

اینگلز کے مطابق زراعت میں ترقی اور مویشیوں کی تعداد میں اضافہ ایک اہم ذریعہ اور طاقت بن کر ابھرنے لگا۔ ابتدا میں عورتیں ہی مویشی پالتی تھیں اور زراعت کا کام انجام دیتی تھیں۔ لیکن جب مرد نے مویشی پالن اور زراعت میں بھی دلچسپی لینی شروع کی تو ساتھ ساتھ پیدائش کے دوسرے اصولوں سے بھی واقف ہوتا چلا گیا وہ ہتھیار بنانے لگا تاکہ بڑا شکار کر سکے۔ اس طرح سے وہ دوسروں پر طاقت کا استعمال کرنے لگا اور جانوروں اور غلاموں کی صورت میں مال و دولت جمع کرنے لگا۔ ان وجوہات کی بنا پر خانگی جائیداد کا عمل ترقی کرنے لگا۔ مرد، طاقت، حقوق اور جائیداد کو اپنے تک ہی محدود رکھنے لگا۔ اور یہ بھی چاہنے لگا کہ اسے اپنے حقیقی بچوں میں تقسیم کر سکے۔ ورثہ کی تقسیم کو یقینی بنانے کے لیے عورت سے اس کے وسائل وذرائع چھین لیے اور اس کے حقوق کو ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ ان معاشروں میں باپ یا مردوں کے حقوق واختیارات قائم ہوتے چلے گئے اور عورت صرف گھریلو امور انجام دینے والی ایک فرد بن کر رہ گئی۔ اس طرح سے سماج میں ایک زوجگی نظام اور پدر سری نظام کی شروعات ہوئی اور عورت ہر طرح سے مرد پر منحصر اور محکوم ہوتی چلی گئی۔ اینگلز کے مطابق جدید تہذیب نے عورت پر یہ حدود لگا دیے کہ وہ گھر کی چہار دیواری میں رہ کر جائیداد کے لئے وارث پیدا کرتی رہے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ مادری حقوق کا خاتمہ دنیا کی تاریخی ہار ثابت ہوئی۔ یہی وہ دور ہے جب پدری نظام مستحکم ہونے لگا اور مختلف ثقافتی اصولوں کے ساتھ سماج کی ترقی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

اینگلز' دراصل مارکسی نظریہ کا حامل تھا۔ اس نے کارل مارکس کے نظریات کو مزید وسعت دی اور پیداواری نظام پر مردوں کے قبضے اور درجہ بندی کی توثیق کی۔ اس نظریہ کے علاوہ حقوقِ نسواں کے حامی دیگر افراد نے بھی عورت کی ماتحتی کو مختلف زاویوں سے سمجھنے کی کوشش

کی۔ چند مفکرین نے پدر سری نظام اور جاگیر دارانہ نظام کے پس منظر میں سماجی تقسیم نیز عورت کی ماتحتی کو دیکھنے کی کوشش کی۔ان کے خیال میں جب جاگیر دارانہ نظام اور خانگی ملکیت کو منسوخ کر دیا جائے گا اور عورت کام گار کی حیثیت سے محنت کی منڈی میں کام کرنے لگے گی تو پدری نظام خود بخود ختم ہو جائے گا۔ان کا خیال تھا کہ بنیادی تضاد دونوں جنسوں کے درمیان نہیں ہے بلکہ دونوں کے سماجی درجوں کے درمیان ہے۔ عورت کی آزادی اسی میں ہے کہ وہ کام گار طبقے میں شامل ہو جائے اور معاشی طور پر خود مکتفی ہو جائے۔ سگمنڈ فرائیڈ نے اس ضمن میں نفسیاتی نظریہ پیش کیا۔اس کے مطابق پدرانہ نظام کا آغاز لاشعوری طور پر مردوں کی فوقیت اور عورتوں کی محکومی سے جڑا ہوا ہے۔

دیگر مکاتبِ فکر یعنی ریڈیکل فیمینیزم سے تعلق رکھنے والے مفکرین' جیسے کیٹ ملیٹ اور سلویا والبی، سیمون دی بوار کا تصور یہ ہے کہ پدرانہ نظام ایک سماجی ڈھانچہ ہے' جو مردوں کو خواتین پر سیاسی، معاشی، جنسی ونفسیاتی کنٹرول فراہم کرتا ہے۔ یہ تصور ثقافتی عوامل سے جڑا ہے۔اس نظام کا خاتمہ خاندانی وسماجی سطح پر افراد کی ذہنی تبدیلی اور سماجی اداروں کے مرداساس ڈھانچے کی تبدیلی سے ہی ممکن ہے۔

پچھلے صفحات پر پیش کیے گئے مباحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پدرانہ نظام یا پدر سریئت یا پدر شاہی' کوئی فطری نظام نہیں ہے' بلکہ یہ ایک تاریخی، سماجی، معاشی اور معاشرتی عمل کا نتیجہ ہے۔اس عمل نے خواتین کو صدیوں سے بنیادی حقوق سے دور رکھا اور محکوم بناڈالا۔

3.6 پدرانہ نظام کی خصوصیات(Charecterstics of Patriarchy)

پدرانہ نظام ایک پیچیدہ سماجی تصور اور نظام ہے' جو علامات، نظریات، اقدار اور طرز عمل سے تشکیل دیا گیا ہے۔وہ زندگی کے بیشتر پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔پدرانہ نظام کی نوعیت ایک ہی معاشرے میں مختلف طبقات میں مختلف ہوتی ہے۔تاریخ کے مختلف ادوار میں بھی اس کی شکل مختلف عقائد اور طرزِ عمل کے ساتھ رہی لیکن مرد کنٹرول کے نظریات اور اصول ایک جیسے ہی رہتے ہیں۔ پدرانہ نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام میں مرد کو مرکزی حیثیت حاصل رہتی ہے۔وہ زیادہ طاقت اور تمام تر اختیارات رکھتے ہیں۔انھیں فیصلہ ساز فرد کا مقام حاصل رہتا ہے' جبکہ اس نظام میں عورت حاشیائی حیثیت پر ہوتی ہے اور تمام اختیارات سے محروم ہوتی ہے۔اس نظام کے نتیجے میں سماجی معاملات کو مرد مرکوز نظر سے دیکھنے اور بیان کرنے کا نظریہ عام ہو گیا اور نسائی فکر، اظہار اور ان کے تجربے پس پشت کر دیے گئے۔اس نظامِ معاشرت میں عورت ومرد کے درمیان گہرائی سے پیوست تعصبات کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ مرد عوامی اور نجی دونوں شعبوں میں قیادت اور کنٹرول کے وسائل کے زیادہ تر عہدوں پر فائز ہیں، جبکہ خواتین ثانوی کردار ادا کرتی ہیں اور انہیں گھریلو کام کاج کے لیے ہی موزوں سمجھا جاتا ہے۔ذیل میں چند خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے ملاحظہ کیجیے

1۔ **مردانہ غلبہ:** بہت سے معاشروں میں، پدرانہ ثقافت مردانہ غلبہ کو ایک مرکزی عنصر کے طور پر برقرار رکھتی ہے۔ یہ غلبہ اکثر اعتقادی نظام سے پیدا ہوتا ہے جہاں مرد خود کو طاقت، ذہانت اور مجموعی وسائل وصلاحیت کے لحاظ سے خواتین سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ خواتین کو اکثر کمتر مخلوق کے طور پر دیکھا جاتا ہے، بنیادی طور پر انھیں گھریلو فرائض اور بچے پیدا کرنے تک محدود تصور کے ساتھ ثانوی مقام دیا جاتا ہے. پدرانہ نظام ان افراد میں ظاہر ہوتا ہے جو خاندانی ڈھانچے اور وسیع تر معاشرے دونوں میں فیصلہ سازی کے عمل پر خصوصی کنٹرول رکھتے ہیں۔ وہ طاقت اور اختیار کے عہدوں پر قابض ہیں، زندگی کے تمام پہلوؤں میں برتری کے احساس کو برقرار رکھتے ہیں۔

2۔ **مردانگی کی شناخت:** ایک پدرانہ معاشرے میں ، مردانگی(Masculinity) کی شناخت میں کنٹرول، طاقت، اور مسابقت جیسی خصوصیات کو اپنانا شامل ہے۔ مردوں کو غلبہ حاصل کرنے، عقلیت کو ترجیح دینے، اور ایک مضبوط کام کی اخلاقیات کو برقرار رکھنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ یہ شناخت پدرانہ نظام کے لیے بہت اہم ہے کیونکہ یہ مردوں کو اپنے حقیقی اظہار سے روکتی ہے اور خواتین کو شرکت سے خارج کرنے کے قابل بناتی ہے'۔اس کے برخلاف ''نسوانیت'' کا تصور تشکیل دیا گیا اور مختلف مذہبی، ثقافتی اور روایتی اصول اور مخصوص صفات کے فریم ورک بنائے گئے' جس کے تحت لڑکیوں اور عورتوں کو حد بندیاں بتائی گئیں۔ پدرانہ ثقافتوں میں، 'مردانیت اور نسوانیت کا تصور ابتدائی مرحلے سے لڑکیوں اور لڑکوں کے ذہنوں میں پیوست کر دیا جاتا ہے۔ انہیں مردانگی وزنانہ پن سے وابستہ خصلتوں کو برقرار رکھنے اور ظاہر کرنے کے لئے سکھایا جاتا ہے۔ بالعموم لڑکے بچپن سے ہی خواتین پر ان کی فطری برتری کے یقین کو برقرار رکھتے ہیں۔ اکثر گھرانوں میں، بیٹوں کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جاتا ہے۔ وراثت کے وہ مالک ہوتے ہیں۔ وسائل تک رسائی انھیں حاصل رہتی ہے۔

3۔ **مردانہ مرکوزیت:** پدرانہ معاشرے میں مردانہ مرکوزیت اس تصور کی نشاندہی کرتی ہے کہ مردوں کو سرگرمیوں اور سماجی ترقی کو آگے بڑھانے میں بنیادی کردار سے منسوب کیا جاتا ہے۔ انہیں اکثر ایجادات اور اہم واقعات میں اہم تعاون کرنے والے کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ان کے ہی نظریہ سے معاشرتی معمولات کو دیکھا جاتا رہا ہے۔ پدرانہ نظام کے فریم ورک میں، مردوں کو عام طور پر مختلف حالات میں ہیرو کے طور پر سراہا جاتا ہے، اور وہ تمام سیاسی وسماجی معاملات میں حاوی ہوتے ہیں۔ مردوں پر فیصلہ سازی کی واحد ذمہ داری عائد کی جاتی ہے اور وہ قبول بھی کرتے ہیں۔

4۔ **پدرانہ ڈھانچہ:** پدرانہ معاشروں میں درجہ بندی کا ڈھانچہ صرف مردوں کی طرف سے برقرار نہیں رکھا جاتا ہے' بلکہ خواتین بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان سے اکثر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بغیر کسی احتجاج کے مردوں کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرتے ہوئے تابعدار اور مطیع کرداروں کے مطابق ہوں۔

5۔ **گھریلو تشدد:** جن معاشروں میں پدرانہ نظام کا غلبہ ہے' وہاں ہر طرح کے گھریلو تشدد، جبر اور استحصال کی خاموشی سے قبولیت موجود ہے' حالانکہ اسے کھلے عام تسلیم نہیں کیا جاتا ہے خاص کر سسرال جہیز، لین دین، رسوم ورواج سے وابستہ تشدد کو "نجی حق" تصور کر لیا گیا ہے۔ خواتین پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ غیر فعالی اور تابعداری کی توقعات کے مطابق ہی رہیں' جس سے وہ اکثر جنسی اور جسمانی استحصال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ خلاف ورزی کا کوئی بھی مظاہرہ شوہر کی طرف سے بیوی یا بچوں کی طرف جسمانی اور ذہنی طور پر مزید جارحیت کو جنم دیتا ہے۔ سلویا والبی نے اپنی کتاب میں خواتین کے خلاف تشدد کو خواتین پر مردوں کے غلبے کے مظہر کے طور پر پیش کیا ہے۔

اہم نکات:

- پدر سرئیت یا پدرانہ نظام اصطلاح ہے جو ایک ایسے سماجی نظام کی ترجمانی کرتی ہے جو مرد غالب اور مرد مرکوز ہے۔ اس نظام کو پدر سری یا پدر شاہی نظام بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نظام فطری نہیں ہے بلکہ صدیوں کے دوران سماج کا تشکیل کردہ نظام ہے۔
- پدرانہ نظام کے تحت' وسائل، طاقت، اختیار اور فیصلہ سازی مردوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہوتی ہیں۔ یہ نظام متعدد سطحوں پر کام کرتا ہے، بشمول خاندان، برادری، اور وسیع تر سماجی ادارے' پدر شاہی فکر اور روایتی صنفی کرداروں، اصولوں اور توقعات کو برقرار رکھتے ہیں۔
- پدرانہ نظام مردوں کو زیادہ مراعات، مواقع اور وسائل تک رسائی فراہم کرتا ہے' جبکہ خواتین کو پسماندہ و محکومیت عطا کرتا ہے۔

3.7 عوامی۔ نجی تضاد(Public- Private Dichotomy)

پدرانہ نظام کو وضاحت سے سمجھنے کی کوششوں سے بہت سے ایسے تصورات اور تضادات واضح ہوتے ہیں' جو صدیوں سے عورت و مرد کی سماجی اور صنفی حیثیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ "عوامی و نجی تضاد"(Public Private Dichotomy) کا تصور بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے' جو جدید دور کے مباحث کی دین ہے۔ دراصل عوامی اور نجی شعبوں کے درمیان تقسیم ایک اہم سماجی تصور ہے جو ہماری روزمرہ زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ زندگی کے یہ پہلو معاشرے میں متعین کیے گئے عورت و مرد کے صنفی کردار پر محیط ہیں۔ "عوامی و نجی تضاد" کے تصور سے مراد وہ طریقہ یا نظام ہے جس میں معاشرہ زندگی سے جڑے اہم عناصر کو دو مختلف شعبوں یعنی عوامی (پبلک) اور نجی (پرائیویٹ) میں تقسیم کرتا ہے۔ روزمرہ زندگی سے جڑی بعض سرگرمیوں اور کرداروں کو عوامی دائرے میں رکھا گیا ہے، جبکہ کچھ سرگرمیوں کو نجی شعبے میں رکھا گیا ہے۔ جیسے تاریخی طور پر، عوامی دائرہ کار' سیاست، اور عوامی زندگی کی بیرونی دنیا سے وابستہ رہا ہے' جب کہ نجی شعبے کو گھر، خاندان اور گھریلو ذمہ داریوں کے طور پر دیکھا جاتا رہا ہے۔ تشکیل شدہ اس فریم ورک میں' مردوں نے عام طور پر عوامی جگہوں پر قبضہ کیا ہے، جبکہ خواتین کو نجی ڈومین تک محدود رکھا گیا ہے۔

خواتین اس امتیازی تقسیم کی بنیاد پر نجی معاملات اور گھر تک محدود کر دی گئیں جبکہ مرد عوامی دائرے یعنی تمام وسائل، تعلیم، معیشت، سیاست، قانون، مذہبی ادارے، فیصلہ ساز ادارے وغیرہ میں اپنی جگہ سنبھال لی۔ اس طرح سے سماج کی کارکردگی بنیادی طور پر دو مختلف شعبوں میں بانٹ دی گئی۔ امتیازات پر مبنی اس علیحدگی کو ''عوامی و نجی تضاد یعنی پبلک پرائیویٹ ڈائی کاٹومی (Dichotomy)'' کہا جاتا ہے۔ اس نے سماجی اصولوں کو خاص شکل دی ہے اور تعلیم، کام اور سیاسی شرکت سمیت مختلف شعبوں میں مواقع تک خواتین کی رسائی کو محدود کر دیا۔ اس کی سینکڑوں مثالیں تاریخ سے بھی لی جا سکتی ہیں جہاں عورتوں کو تعلیم اور آگاہی سے دور رکھا گیا، سماجی یا سیاسی شعور ان کے لیے غیر ضروری سمجھا گیا۔ سماج میں ان کی نقل و حرکت کو معیوب سمجھا گیا۔ صدیوں تک انھیں اپنے نام کے ساتھ کسی بھی قسم کی تحریر سے روکا گیا۔

حقوق نسواں کے نظریہ سازوں نے مختلف مطالعات سے ثابت کیا کہ مرد عوامی شعبے پر حاوی ہیں جبکہ خواتین بنیادی طور پر نجی شعبے میں شامل ہیں۔ انھوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ 'نجی' عورت اور 'عوامی' مرد کے درمیان تقسیم کو نسوانی اقدار اور خواتین کے مسائل کو سیاسی عمل میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے بنائے گئے دائرے یا تقسیم ہے۔ اس تضاد نے ''پدرانہ نظام'' کو مضبوط کرنے اور خواتین پر جبر کو یقینی بنانے کا کام کیا ہے۔ مثال کے طور پر، خواتین کو ان مسائل کو اٹھانا مشکل ہوتا ہے جو ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تولیدی حقوق، مختلف شعبوں میں ترقی کے لیے گلاس سیلینگ، مزدوری کی گھریلو تقسیم اور مساوی تنخواہ کی کوششوں نے شاذ و نادر ہی اتنی سنجیدگی حاصل کی ہے جتنی ان مسائل پر جو عوامی حلقوں پر حاوی ہیں۔ سیاسی عمل بھی اور حکمت عملیاں بھی عوامی دائرے کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں جب کہ بڑی حد تک نجی دائرے کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ نجی شعبے کو پس پشت ڈال کر، مردوں نے ایک نسل سے دوسری نسل تک سیاسی عمل پر اپنا تسلط برقرار رکھا ہے۔ اس دوہرے یا ثنائی نظام (Dual system) میں مردوں کے کردار کو فعال، ظاہری توجہ مرکوز، اور طاقت اور فیصلہ سازی کے ساتھ منسلک دیکھا جاتا ہے' جب کہ خواتین کے کرداروں کو غیر فعال، باطنی توجہ مرکوز، اور دیکھ بھال اور پرورش کے ساتھ منسلک دیکھا جاتا ہے۔ اس تقسیم نے اس بات پر گہرا اثر ڈالا ہے کہ صنفی کردار کیسے بنائے اور نافذ کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر گھریلو امور زیادہ تر خواتین کے ذریعے ہی انجام دیے جاتے ہیں۔ باہر یعنی عوامی مقامات پر کیے جانے والے کام' جیسے دفتری ملازمتیں، سیاست اور کاروبار، جہاں مرد زیادہ عام ہوتے ہیں' ان کے مقابلے میں گھریلو کام کو کم اہمیت دی جاتی ہے۔ پدرانہ نظام کی اس تقسیم کی وجہ سے خواتین کو یہ ذہن نشین کروا دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو بنیادی طور پر دیکھ بھال کرنے والی، ماؤں اور بیویوں کے طور پر دیکھیں، جو گھر کی دیکھ بھال اور خاندان کی فلاح و بہبود کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ان توقعات نے ان کی ایجنسی اور وسیع دنیا میں حصہ لینے کی ان کی صلاحیت کو محدود کر دیا ہے۔ انہیں مرد شخصیات یعنی باپ، بھائی، بیٹا یا شوہر پر انحصار کرنے والی بنا دیا ہے' جو عوامی حلقے میں اقتدار کے عہدوں پر فائز ہیں۔ شعبوں کی علیحدگی اس خیال کو تقویت دیتی ہے کہ خواتین کی

شراکتیں نجی دائرے تک محدود رہیں۔اس تقسیم کے نتیجے میں خاندانی سطح پر عورت کا استحصال، ظلم وجبر حد سے تجاوز کر گیا، کیونکہ وہاں جبر کے تسلسل کو ''نجی زندگی'' کا حصہ قرار دیا گیا اور جس میں کسی اور فرد کی مداخلت ممکن نہیں رکھی گئی۔اسی تناظر میں تانیثی مفکرین نے بیسویں صدی کے آخری دہائیوں میں "Personal is Political" کا پرزور نعرہ دیا اور اس بات پر توجہ دلائی کہ عوامی و نجی کے اس دائرے کو ختم کیا جانا چاہیے اور نجی دائرے میں عورت پر ہو رہے ہر طرح کے مظالم اور سلوک کو سماج کے سامنے لایا جائے اور مباحث کا حصّہ بنایا جائے۔تاکہ خاندانی نظام میں عورت کے اوپر ہونے والے جبر واستحصال کو نجی سمجھنے کے تصور کو سماج سے ختم کیا جاسکے۔

اہم نکات:

- عوامی اور نجی کا تصور دو مختلف شعبوں یا دائروں میں سماجی تعلقات کو پیش کرتا ہے۔ عوامی دائرے کی خصوصیات ان سرگرمیوں سے وابستہ ہوتی ہے جو مرد افراد معاشرے میں انجام دیتے ہیں۔ جیسے معیشت اور سیاست میں پیداواری کام۔ نجی دائرے سے مراد گھر اور خاندان کے امور ہیں۔
- تاریخی طور پر مردوں نے عوامی دائرے میں کام کیا اور عوامی اور نجی دائرے کے درمیان آزادانہ نقل و حرکت کی ہے۔جب کہ خواتین کو نجی دائرے تک محدود کر کے انھیں محکومیت کا تصور دیا گیا۔ عوامی سطح پر کیے جانے والے بامعاوضہ کام اور فیصلہ ساز مقام و مرتبہ مردوں کے لیے رکھا گیا جبکہ گھر کے نجی دائرے میں خواتین کی پسماندہ یا ثانوی حیثیت عطا کی گئی اور ان کے گھریلو کاموں کو بلا معاوضہ مزدوری میں رکھا گیا۔اس طرزِ تقسیم یعنی پبلک پرائیویٹ ڈائی کوٹومی نے سماج میں صنفی عدم مساوات پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

3.8 خواتین کی حاشیہ کاری(Marginalization of Women)

3.8.1 حاشیہ کاری سے کیا مراد ہے(What is meant by Marginalization)

حاشیہ کاری کے لیے حاشیہ بندی یا حاشیہ پذیری کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔حاشیہ کاری' ایک اصطلاح ہے۔اس سے مراد کسی شخص یا چیز کو کم اہمیت دینا' یا اثر ورسوخ یا طاقت کے مقام سے کسی فرد کو دور رکھنے کا عمل ہے۔ کسی بھی فرد کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جیسے وہ سماج میں اہم نہیں ہیں۔(کیمبرج ڈکشنری)۔حاشیہ کاری سے مراد وہ سماجی عمل ہے جس کے ذریعے افراد یا مخصوص گروہوں کو مختلف اصول وضوابط کے نفوذ کے ذریعے سماج میں کنارے کر دیا جانے کا عمل ہے۔انھیں مرکزی دھارے کی سماجی شرکت سے خارج کر دیا جاتا ہے۔انھیں حقوق ومواقع سے دور کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ افراد دھیرے دھیرے تمام شعبہ ہائے حیات میں حاشیائی حیثیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ یہ عمل برسوں اور صدیوں پر محیط ہوتا ہے۔ سماجی سطح پر ایک گروہ سے دوسرے گروہ کے درمیان فرق اور موقف کا یہ عمل

کلاس یعنی سماجی حیثیت، نسل، صنف، جنسی شناخت، عمر، علاقہ، معذوری اور مذہب و ذات پات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے افراد منظم طور پر پسماندہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

حاشیہ کاری کو سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ کس طرح سے سماج میں 'اعلیٰ، طاقتور یعنی وسائل رکھنے والے یا مخصوص افراد' سماج کے دیگر نچلے یا کمزور یا غریب طبقات یا کسی دوسرے مذاہب وذات پات اور جنسی شناخت کی بنیاد پر افراد کے ساتھ منظم طور تفرقہ کو اپناتے ہیں۔ طاقت کی حرکیات (Power Dynamics) ، سماجی اصول، اور ادارہ جاتی نظام وسائل، مواقع اور حقوق تک غیر مساوی رسائی یا عدم مساوات کو کس طرح ادارہ جاتی بناتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ افراد زندگی کے اہم اور مرکزی ترقی کے دھارے سے ہٹ کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حاشیا بندی یا حاشیہ پذیری کو ایک اور اصطلاح میں ہم ''سماجی استخراج'' (Social Exclusion) کے طور پر بھی سمجھ سکتے ہیں۔ حاشیہ کاری کا نظام دنیا کے مختلف سماجوں بشمول ہندوستان میں رائج ہے۔ اس نظام کے ذریعے سماج کا غالب طبقہ بعض گروہوں کو یا اقلیتوں کو یا خواتین کو 'سماجی، معاشی، تہذیبی اور سیاسی زندگی میں مکمل شرکت سے محروم کر دیتا ہے۔ ان کے لیے مساوی حقوق و مواقعوں سے انکار کیا جاتا ہے۔ انھیں ترقی سے دور رکھ کر حاشیے پر کر دیا جاتا ہے۔ حاشیہ کاری میں پدرانہ نظام کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ پدرانہ نظام صنفی بنیاد پر عدم مساوات کو ادارہ بنا کر حاشیہ کاری یا پسماندگی کو تقویت دیتا ہے اور اس نظام کو برقرار رکھتا ہے جو نہ صرف خواتین پر اثر انداز ہوتا ہے، بلکہ دیگر طبقات کو بھی متاثر کرتا ہے۔ جیسے دیگر جنسی شناخت والے افراد اور سماج کی اقلیتیں نیز دبے کچلے طبقات وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

3.8.2 پدرانہ نظام اور خواتین کی حاشیہ کاری (Patriarchy and Marginalization of Women)

جیسا کہ آپ نے پچھلے صفحات پر دیے گئے متن سے یہ جانا کہ 'پدرانہ نظام میں مرد مرکزیت اور بنیادی وسائل پر اپنی طاقت اور غلبہ رکھتے ہیں۔ سیاسی قیادت سے لے کر مذہبی و سماجی استحقاق اور جائیداد و تمام وسائل پر اپنا تصرف رکھتے ہیں جبکہ خواتین بیشتر صورتوں میں حاشیائی یا پسماندہ حیثیت رکھتی ہیں۔ دراصل پدرانہ نظام اور حاشیہ کاری کے درمیان بڑا گہرا تعلق ہے۔ دو باہم جڑے ہوئے ایسے نظام ہیں جو دنیا بھر کے معاشروں میں سماجی درجہ بندی (Social Stratification)، صنفی تعلقات (Gender Relations) طاقت کی حرکیات (Power Dynamics) اور وسائل تک رسائی کو باقاعدہ طور پر صنفی نقطۂ نظر سے تشکیل دیتے ہیں۔

تاریخی ادوار سے سماج میں مرد کے غلبہ کے نظام نے حاشیہ کاری کے طرزِ عمل کو تقویت دی ہے۔ جس کے براہ راست اثرات خواتین پر مرتب ہوئے ہیں۔ صدیوں سے مروج اس سماجی طرز عمل سے خواتین مساوی حقوق و مواقع سے محروم ہو گئیں۔ تعلیمی، سماجی،

اقتصادی اور سیاسی سطح پر شرکت سے انھیں روکا گیا۔ جس کے نتیجے میں ان کا سماجی استخراج (Social Exclusion) ہوتا گیا۔ یہ صرف انفرادی امتیاز کے بارے میں نہیں تھا بلکہ ادارہ جاتی طرزِ عمل بھی رہا؛ جو صنفی عدم مساوات کو تقویت دیتا رہا۔

پدرانہ نظام بنیادی طور پر خواتین کو بلا معاوضہ گھریلو کام (بچوں کی دیکھ بھال، کھانا پکانے، صفائی) تفویض کرتا ہے۔ ان کی معاشی آزادی کو محدود کرتا ہے۔ ان کی محنت کی قدر کو کم کرتا ہے اور کیریئر کی ترقی کو محدود کرتا ہے۔ پدرانہ نظام خواتین کے خلاف تشدد کو ایک آلے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ صنف پر مبنی تشدد (گھریلو بد سلوکی و تشدد، جنسی ہراسانی، غیرت کے نام پر قتل وغیرہ) دراصل پدرانہ کنڑول کو برقرار رکھنے اور مرد غلبے کے نظام کی مثالیں ہیں۔ ہندوستان کا پدرانہ نظام ذات پات سے جڑا ہوا ہے، دلت (نچلی ذات) خواتین کو زیادہ جبر کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ جنسی تشدد اور معاشی محرومی کی اعلی شرح کا تجربہ کرتے ہیں۔ بالخصوص پسماندہ ذات کی خواتین بشمول، غریب، معذور، ضعیف اور دیگر جنسی شناخت والی خواتین کو 'صنف، ذات اور طبقہ کی بنیاد پر جبر کی وجہ سے زیادہ چیلینجس کا سامنا رہتا ہے۔ خواتین کے لیے قانونی اور ادارہ جاتی رکاوٹیں بھی بنتی ہیں۔ بہت سے معاشروں میں جہاں خواتین کو وراثت یا زمین کی ملکیت سے انکار کیا جاتا ہے وہیں پدرانہ اصول شادی اور خاندان میں مرد کی رضامندی و سرپرستی کو نافذ کرتے ہیں اور خواتین کی خود مختاری کو محدود کرتے ہیں۔ خواتین کے ساتھ کام کی جگہ پر امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ جنسی ہراسانی اور صنفی امتیازات ان کی پیشہ ورانہ ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

3.8.3 حاشیہ کاری کے خواتین پر اثرات (Impact of Marginalization on Women)

تعلیمی و معاشی حاشیہ کاری: ماضی سے لے کر تا حال سماجی حقائق کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ لڑکیوں اور خواتین کے ثانوی وجود سے متعلق سینکڑوں روایات اور تصورات جوڑ لیے گئے اور انھیں تعلیم و ترقی سے دور کر دیا گیا۔ تعلیم اور ہنر مندی کے حصول تک ان رسائی کو محدود کر دیا گیا۔ ان کے لیے معاشی ترقی اور روزگار کے مواقعوں سے انکار کیا گیا۔ گرچہ کہ خواتین ابتداء سے ہی معاشی حصہ دار رہی ہیں لیکن ان کاموں کو صنفی نقطۂ نظر سے تقسیم کیا گیا اور غیر پیداواری کام سمجھا گیا۔ انھیں اہم عہدوں کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیشہ ورانہ اور اہم عہدوں نیز اقتصادی ترقی کے مرکزی دھارے سے ان کی علیحدگی ہوتی چلی گئی اور وہ غربت کی طرف ڈھکیل دی گئیں۔ غیر منظم سیکٹر، ذرعت و دیگر کم اجرت یا تنخواہ والی ملازمتوں میں ان کی شراکت داری بڑھتی چلی گئی۔ پدرانہ نظام بنیادی طور پر خواتین کو بلا معاوضہ گھریلو کام (بچوں کی دیکھ بھال، کھانا پکانے، صفائی) تفویض کرتا ہے۔ ان کی معاشی آزادی کو محدود کرتا ہے۔ یہ ان کی محنت کو کم کرتا ہے اور کیریئر کی ترقی کو محدود کرتا ہے۔

سماجی وسیاسی حاشیہ کاری: خواتین کے وجود کے ساتھ دقیانوسی تصورات جوڑ دیے گئے اور انھیں عوامی مقامات (Public sphere) نیز سماجی معاملات سے دور کر دیا گیا۔ عرصہ دراز تک خواتین کو سیاست اور سیاسی معاملات سے علیحدہ رکھا گیا۔ فی زمانہ خواتین کی سیاسی شرکت کو بڑھانے کے اقدامات کیے گئے لیکن مکمل طور پر لوک سبھا اور راجیہ سبھا، لوکل گورننس، پالیسی ساز عہدوں وغیرہ میں ان کی شرکت اور رسائی ممکن نہیں ہو پا رہی ہے۔ گذرے تمام برسوں میں مختلف سیاسی پارٹیوں کے چنے گئے افراد میں خواتین کی کم نمائندگی سے اس بات کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ثقافتی حاشیہ کاری: خواتین تہذیب وتمدن کی ترقی و ترویج میں ابتدائی دور سے ہی اپنا اہم کردار ادا کرتی آئی ہیں۔ لباس، رہن سہن، غذا کی فراہمی، ضروریاتِ زندگی کی سمجھ، گھریلو نظام میں اقتصادی نظم وضبط کو بحال رکھنا، نئے نئے الفاظ کھوجنا اور بچے کو زبان سے واقف کروانا، ماضی کی شاہی حکومتوں میں اپنی سمجھ بوجھ اور تدبر سے قابل لحاظ حصہ داری نبھانا وغیرہ جیسے سینکڑوں افعال خواتین نے انجام دیے لیکن تاریخ کے اوراق ان کے کسی کارناموں کو جگہ نہیں دے پائے۔ ثقافتی تاریخ میں خواتین کو ہمیشہ حاشیہ پر رکھا گیا۔ انھیں تہذیب وتمدن کی ترقی وبقاء کے ایک اہم کارکن کے طور پر مرکزیت نہیں دی گئی۔

میڈیا اور خواتین کی حاشیہ کاری: میڈیا سماج کا ایک اہم ستون مانا جاتا ہے' لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ میڈیا میں بیشتر صورتوں میں حقائق کی پیش کشی مرد مرکوز نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے۔ میڈیا اکثر پدرانہ دقیانوسی تصورات کو ہی تقویت دیتا ہے۔ فلم، ٹیلی سیریل، ڈرامے یا ادبی تحریروں میں خواتین کے کردار کی پیش کشی میں کم ہی غیر جانبداری برتی جاتی ہے۔ انھیں غیر فعال، جذباتی اور ایک خوب صورت شئے یا بہت معمولی مددگار کردار کی طرح پیش کیا جاتا ہے جبکہ مرد کردار ہیرو کی شکل میں بہادر، مضبوط اداروں والے، عقل وشعور سے بھرپور نہایت فعال اور مرکزی شخصیت کے روپ میں پیش ہوتے ہیں۔ ہندوستان کا پدرانہ نظام ذات پات سے جڑا ہوا ہے، جہاں دلت (نچلی ذات) خواتین کو جبر اور امتیازی رویوں کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستانی سماج میں عورت کو صنف، مذہب وذات پات اور طبقہ کی بنیاد پر جنسی تشدد اور امتیازات نیز معاشی محرومی کی اعلی شرح کا تجربہ کرنا پڑتا ہے۔ میڈیا میں ایسی مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین کے مسائل یا ان کی کامیابیوں وحصّہ داریوں کی کم ہی نمائندگی ہوتی ہے یا ان کو اولیت ہی نہیں دی جاتی۔ انھیں دوسرے درجہ پر ہی رکھا جاتا ہے۔ اشتہارات یا گیتوں وغیرہ میں عورت کو صرف دل بہلانے والی یا جذبات کو برانگیختہ کرنے والی یا ایک خوبصورت شئے کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ برسوں سے کی جارہی اس طرح کی پیشکشی سے سماج میں پدرانہ نظریات کو تقویت ملتی رہتی ہے۔ اسی لیے خواتین کی حاشیہ کاری کے خاتمے کی کوششیں مکمل طور پر سود مند ثابت نہیں ہوتیں۔

اہم نکات:

- پدرانہ نظام اور خواتین کی حاشیہ کاری گہرے طور پر جڑے ہوئے ایسے سماجی نظام ہیں' جو صنف، نسل، اور طبقے کے ساتھ جڑ کر سماج میں صنفی عدم مساوات کو بڑھاتے ہیں اور ان تصورات کو برقرار رکھتے ہیں۔
- سماج کے بنائے گئے ایسے تمام پدرانہ اصولوں کو چیلنج کیا جاسکتا ہے جو عدم مساوات کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ یہ صرف ذہنی رویے ہیں جو سماج کے بنائے گئے اداروں میں اصول وضوابط کے طور پر متعارف کروائے گئے ہیں' لہٰذا انھیں بدلا جاسکتا ہے۔
- خواتین کی محکومیت فطری نہیں ہے بلکہ سماج نے صدیوں سے مختلف طریقوں کے ذریعے ان کی حاشیہ کاری کی ہے' جسے ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم کا فروغ، معاشی وسماجی ترقی میں خواتین کی مکمل شمولیت اور تمام سطحوں پر ان کے ساتھ انصاف کے ذریعے عدل پر مبنی سماج کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔

3.9 پدرانہ نظام کے مردوں پر اثرات(Impact of Patriarchy on Men)

پدرانہ نظام' کی تعریف و تشریح سے آپ نے یہ جانا کہ یہ ایک ایسا سماجی نظام ہے جو خواتین کی آزادی، تعلیم و ترقی اور بااختیاری میں رکاوٹ بنتا ہے اور ان کی پسماندگی و محکومیت کا سبب بنتا ہے' لیکن غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے پدر شاہی تصورات اور اس نظامِ معاشرت کے اثرات سے مرد حضرات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے پدر شاہی یا پدر سریّت کی تعریف اور تشریح سے واقفیت حاصل کی کہ یہ ایک ایسا سماجی نظام ہے جس میں مردوں کو برتر اور غالب تصور کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں مردوں کو کئی طرح کے اختیارات اور سماجی فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ اس نظام میں مردوں کو ظاہری فوائد حاصل ہیں' لیکن گہرائی میں دیکھا جائے تو پدر شاہی نظام مردوں کو بھی مخصوص سماجی کرداروں میں مقید کرتا ہے اور ان کی شخصیت، ان کے جذبات اور بہترین انسانی سوچ وفکر پر منفی اثرات ڈالتا ہے۔ یہ نظام خود مردوں کے لیے بھی کئی نفسیاتی، سماجی اور جذباتی الجھنوں کا باعث ہے اور دیرپا مسائل پیدا کرتا ہے۔ جس کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ **جذباتی دباؤ اور خاموشی کی توقع:** پدرانہ معاشروں میں مردوں سے توقع کی جاتی ہے کہ کسی بھی نامساعد حالات میں وہ اپنے کمزور جذبات کا اظہار نہ کریں، نہ روئیں اور ہمیشہ مضبوط رہیں۔ اس تصور کو لڑکوں کے بچپن سے ہی ذہن نشین کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود کو مظبوط ترین شخص ظاہر کرنے کے لیے وہ روتے نہیں ہیں تاکہ انھیں یہ سننے کو نہ ملے کہ ''وہ عورتوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا''۔ اس نظام میں مردوں کو "مضبوط" اور "ناقابل شکست" ظاہر ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اکثر اوقات ضبطِ غم کی وجہ سے ان کی ذہنی صحت متاثر ہوتی ہے اور وہ تنہائی، ڈپریشن اور اضطراب جیسے مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔

2۔ **روایتی مردانگی کا دباؤ:** خاندانی نظام میں بہ حیثیت سسر، شوہر یا والد کے مردوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ تشکیل شدہ روایتی مردانیت کے تصور کی مکمل تصویر بنے رہیں۔ مردوں پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ "مضبوط، جارحانہ اور غیر جذباتی" ہوں۔ انھیں یہ خلق ہمیشہ ستاتا ہے کہ وہ "سخت باپ" یا "کامیاب شوہر" کے کردار کو کس طرح سے نبھاتے رہیں۔ خواہ انھیں اکیلے میں اپنے رشتوں کے لیے رونا کیوں نہ پڑ جائے وہ اس دیے گئے کردار سے باہر نہیں آسکتے۔ یہ کردار اکثر انہیں اپنے خاندان سے دور کر دیتا ہے وہ خود کو اکیلا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ مرد افراد اگر اپنے بچوں یا بیوی کے ساتھ ہمدردانہ، دوستانہ یا جذباتی تعلق بنانا چاہیں تو اسے ان کی کمزوری سمجھا جاتا ہے اور بہت سے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ یہ دباؤ ان کی فطری شخصیت کو دبانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ مصنوعی رویے اپنانے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اندرونی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں۔ چونکہ اس نظام میں مردوں کو جارحیت اور انانیت کی تعلیم دی جاتی ہے، جس سے وہ نہ صرف عورتوں یا دیگر افراد پر بلکہ خود پر بھی تشدد کرنے لگتے ہیں۔ کئی لڑکے ایسے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں جہاں تشدد کو طاقت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

3۔ **معاشی ذمہ داریوں کا دباؤ:** پدرانہ نظام کے تحت خاندانی نظام کا ایک خاص ڈھانچہ ہے، جس میں مردوں کو گھر کے واحد کفیل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ گھر اور روز مرہ زندگی کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ان سے ہی توقعات رکھی جاتی ہیں۔ اس سے ان پر معاشی دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ خصوصاً اگر وہ کسی وجہ سے روزگار حاصل نہ کر سکیں یا وقتیہ طور پر ناکام ہوں یا تمام ضروریات کی تکمیل کرنے کے قابل نہ ہوں ۔آج بھی بیشتر معاشروں میں تعلیم و ہنر مند خواتین کو روزگار سے وابستہ ہونے سے روک دیا جاتا ہے۔ کئی خاندانوں میں صرف اس لیے خواتین کو معاشی حصّہ داری سے روکا جاتا ہے کہ لوگ ''بیوی کی کمائی پر گذر بسر کرنے والا'' کے خطاب سے نوازیں گے اور یہ ان کی انانیت کو مجروح کرنے کا باعث ہو گا۔ ان تصورات کی وجہ سے مرد حضرات مستقل قرض کی پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور پائیدار ترقی کو حاصل نہیں کر پاتے۔ ان کی غربت انھیں سینکڑوں مسائل میں مبتلا کرتی ہے۔

4۔ **صنفی امتیاز کا شکار ہونا:** اس سے قبل آپ نے صنفی امتیازات کی مثالوں میں عورت کے ساتھ ہونے والے تفرقوں کی مثالیں دیکھیں۔ لیکن پدرانہ نظام کے اصول وضوابط ''مردانیت اور نسوانیت'' کے مطابق کچھ اس طرح سے بنتے چلے گئے جس میں مختلف کام کی تقسیم بھی شامل ہو گئی۔ کام بھی عورت و مرد کے مخصوص ہو گئے۔ پدر سریئت صرف خواتین کو ہی مخصوص کام اور کردار تک محدود نہیں کرتی بلکہ اکثر مردوں کو بھی مخصوص کرداروں میں مقید کرتی ہے۔ مثلاً، اگر کوئی مرد پکوان، نرسنگ یا صاف صفائی، گھرداری یا مونٹیسیری اسکول وغیرہ میں کام کو ''غیر مردانہ پیشے'' سمجھا جاتا ہے، اگر مرد افراد ان شعبوں میں کام کرنے کی خواہش کریں یا گھریلو امور میں اپنی بیوی کا

ساتھ دیں یا' خواتین سے متعلق کوئی تعلیم حاصل کرنے یا' رنگین لباس میں دلچسپی رکھیں تو اُنھیں خاندان یا معاشرے میں مذاق یا تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

اہم نکات:

- پدرانہ نظام میں مرد آزاد، غالب اور مرکز میں ہوتے ہیں لیکن درحقیقت کئی معاملات میں یہ نظام انھیں بھی مقید کرتا ہے۔ پدرشاہی تصورات مردوں کو بھی مخصوص سماجی کرداروں میں باندھتے ہیں۔ ان کے مطابق روایتی کرداروں پر عمل کرنے میں مرد حضرات کی اصل شخصیت اور ان کے انسانی جذبات واحساسات مجروح ہوتے ہیں۔
- پدرانہ نظام میں مردوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ "روایتی مردانگی" (Hegemonic masculinity) یعنی سخت مزاج، جارحیت پسند، خود مختار اور مالی کفالت کی بھرپور صفات پر کھرے اتریں۔ جو مرد ان سماجی معیارات پر پورا نہیں اُترتے' وہ سماجی تضحیک کا نشانہ بنتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ اندرونی کشمکش کا شکار ہو جاتے ہیں۔
- مردوں کو خاندانی کفیل کے طور پر دیکھا جاتا ہے' جس سے وہ بے روزگاری، کم آمدنی یا مالی ناکامی کی صورت میں سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خواتین کو معاشی طور پر خود مکتفی بننے اور حصہ داری نبھانے سے روکا جاتا ہے۔ اس سے مسائل مزید بڑھ جاتے ہیں۔
- چونکہ مردوں کو جذبات کے اظہار سے روکا جاتا ہے، اس لیے وہ اپنی بیوی، بچوں یا دیگر رشتوں سے گہرے تعلقات قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ انسانی جذبات واحساسات اور رشتوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ جذباتی تنہائی ان کی ذہنی و معاشرتی زندگی پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔
- ایک متوازن اور مساوات پر مبنی معاشرہ نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کی فلاح اور ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے پدرانہ نظام کو ختم کرنے کی جانب مرد و عورت کو قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔

3.10 ہندوستان میں پدرانہ نظام کی صورتیں (Forms of Patriarchy in India)

ہندوستان مختلف مذاہب اور تہذیبوں پر مشتمل کثیر آبادی والا ملک ہے۔ اس ملک کی قدیم تمدنی تاریخ رہی ہے۔ تاریخی شواہد سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صدیوں پہلے سے یہاں پدرانہ تصورات و نظریات کو سماجی تقاضوں کی بنیاد بنایا جاتا رہا ہے۔ مشترکہ ثقافتوں نے جہاں اس ملک کو انفراد بخشا ہے وہیں' پدرانہ نظام کی بنیادوں کو مستحکم بھی کیا ہے۔ ہندوستانی سماج کے صنفی نظامِ فکر کے نتیجے میں کئی ایسی روایتیں فروغ پا گئیں

جو عورت و مرد کے درمیان سماجی فرق کو اتنا بڑھا گئیں کہ سینکڑوں اقدامات اس فرق کو ختم کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔اس تناظر میں پدرانہ نظام کی نوعیتوں کو جاننا ضروری ہے۔

1۔ **خاندانی نظام میں مردوں کو ترجیح دینا:** ہندوستانی سماج میں خاندان ایک اہم سماجی ادارہ ہے' جہاں پدرانہ اصول سب سے زیادہ گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔روایتی طور پر، خاندانی ڈھانچہ مردانہ اختیارات کے گرد بنایا گیا ہے جس میں باپ یا خاندان کے سب سے بڑے مرد افراد خانہ تمام فیصلوں پر اپنا اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔پدرانہ طرز کے خاندانوں میں' جائیداد کے حقوق، وراثت، دولت اور کاروبار باپ سے صرف بیٹے تک منتقل ہوتی ہے۔اس طرح کے خاندانی نظام میں' خواتین کو اکثر بیٹیوں، بیویوں اور ماؤں کے طور پر ماتحت کرداروں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔اگرچہ خاندان کے اندر خواتین کے کردار نے ہندوستان سمیت دنیا کے بہت سے حصوں میں ترقی کی ہے، لیکن پدرانہ کنٹرول کی میراث اب بھی صنفی توقعات میں واضح ہے۔خواتین سے اب بھی زیادہ تر گھریلو کام اور ذمہ داریوں کی توقع کی جاتی ہے۔یہاں تک کہ ایسے خاندانوں میں بھی جہاں خواتین کام کے لیے یا اپنے کیریئر کے لیے گھر سے باہر نکل تی ہیں' باوجود اس کے ان سے یہی توقع رہتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر دیکھ بھال کرنے والی اور گھریلو ساز ہوں اور تمام تر ذمہ داریاں اسی طرح اٹھائیں جیسی گھریلو خاتون اٹھاتی ہیں۔اس طرح سے وہ دہری ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔

ہندوستان کے بیشتر معاشروں میں خاندانی نظام کی بنیاد اور استحکام لڑکوں کی پیدائش سے جوڑ دیا گیا ہے۔لڑکوں کی پیدائش کو ترجیح دی جاتی ہے اور لڑکیوں کی پیدائش کو بدنصیبی کی علامت مانا جاتا ہے۔اسی تصور کی بنیاد پر ہندوستان میں مادہ جنین یا نومولود لڑکیوں کا قتل کیا جاتا ہے۔لڑکا خاندان کا اہم فرد اور وراثت کا حق دار ہوتا ہے۔اسی لیے وراثت کی تقسیم مرد اولادوں میں کی جاتی ہے۔لڑکوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔خواتین کو وراثت کا حق ہونے کے باوجود ان کا حصّہ دینے سے انکار کیا جاتا ہے۔

2۔ **جہیز کا رواج:** ہندوستان میں جہیز کی رسم ورواج پدرانہ نظام کی ایک اہم مثال ہے۔شادی کے وقت لڑکی کے گھر والوں سے دلہا والوں کا رقم، جائداد اور قیمتی زیورات کی مانگ کرنا ایک عام رواج بن گیا ہے۔اس رواج کے پیچھے جو سماج کے تصورات پائے جاتے ہیں وہ یہ کہ لڑکی کو ایک بوجھ مانا جاتا ہے اور والدین اس بوجھ کو کسی دوسرے شخص کو سونپتے ہیں۔جو لڑکا شادی کرتا ہے وہ یہ تصور رکھتا ہے کہ وہ کسی کا بوجھ اپنے گھر ساری زندگی کے لیے لا رہا ہے۔یعنی دلہن کو بہو بنا کر سسرال لانے کے عمل میں مرد کی اہمیت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔اس کی سماجی حیثیت کے مطابق خطیر رقم کی مانگ کی جاتی ہے۔مانگیں پوری نہ ہونے کی صورت میں ظلم وستم ڈھائے جاتے ہیں۔

3۔ **کام کی جگہ پر صنفی امتیاز اور جنسی استحصال:** کئی شعبوں میں خواتین کو مساوی تنخواہ، ترقی کے مواقع یا قیادت کے عہدے نہیں دیے جاتے، جیسے پالیسی ساز اداروں میں کم نمائندگی، شعبہ جات یا میڈیا ہاؤسس میں اہم عہدے، ٹیکنالوجی، صحافت یا سیاست میں کم

نمائندگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جبکہ کام کی جگہ پر انھیں ہر لمحہ جنسی استحصال یا جبر کا خوف لگا رہتا ہے۔ہندوستانی فلموں اور ڈراموں میں عورتوں کو اکثر روایتی یا "مردوں پر منحصر " کرداروں میں دکھایا جاتا ہے، جو پدرشاہی نظریات کو فروغ دیتا ہے۔

4۔ **تعلیم میں صنفی فرق اور نقل و حرکت پر پابندیاں:** بہت سے خاندان لڑکوں کی تعلیم کو اہمیت دیتے ہیں، جبکہ لڑکیوں کو صرف گھریلو کام کاج تک محدود رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لڑکیوں کا شام کے بعد باہر جانے سے عدم تحفظ کا احساس رہتا ہے اسی لیے ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ یہ تصورات پدرشاہی سوچ کی عکاسی کرتے ہیں۔

5۔ **خاندانی فیصلوں میں مردوں کا غلبہ اور گھریلو تشدد:** اکثر گھر کے اہم فیصلے جیسے شادی، بچوں کی پیدائش، تعلیم، یا ملازمت کے بارے میں صرف باپ، بھائی یا شوہر ہی فیصلہ کرتے ہیں۔ایسے خاندانوں میں عورت کی عزت کم ہوتی ہے۔ برتری اور غلبے کے نظام کے نتیجے میں مختلف طرح کے گھریلو تشدد کے امکانات زیادہ رہتے ہیں۔

3.11 ہندوستان میں خواتین کی محکومیت(Subordination of Women in India)

3.11.1 خواتین کی محکومیت سے کیا مراد ہے(What is meant by Subordination of Women)

محکومیت(Subordination)کا مطلب ہے کسی کو کمتر، تابع یا نچلے درجے پر رکھنا۔ جب یہ رویہ عورتوں کے ساتھ روا رکھا جائے تو اسے "خواتین کی محکومیت" کہا جاتا ہے۔یعنی خواتین کی محکومیت ' سے مراد وہ سماجی، معاشی، سیاسی، اور ثقافتی نظام ہے جس میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں کمتر، تابع اور غیر فیصلہ ساز حیثیت دی جاتی ہے۔

عورتوں کی محکومیت' ایک ایسا سماجی و نظریاتی تصور ہے جو دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں مختلف شکلوں میں موجود رہا ہے۔اس نظام میں عورت کو مرد کے تابع، کمزور اور محدود کردار میں تصور کیا جاتا ہے۔ محکومی کا یہ سلسلہ صرف جسمانی یا معاشی نہیں بلکہ فکری، تعلیمی اور سیاسی سطح پر بھی قائم ہے۔اس نظام کے تحت عورتوں کو بااختیار بنانے کے بجائے انہیں محدود کرداروں میں قید رکھا جاتا ہے، جیسے صرف خانہ داری کے امور، افزائشِ نسل، پرورش و پرداخت یا بزرگوں کی دیکھ بھال وغیرہ۔ یہ محکومیت پدرشاہی نظام کا بنیادی جزو ہے، جہاں طاقت، اختیار، اور وسائل کی تقسیم مردوں کے حق میں ہوتی ہے، اور عورتوں کی شرکت یا آواز کو دبا دیا جاتا ہے۔

سیلیویا والبی(Sylvia Walby)کے مطابق "محکومیت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے خواتین کو مختلف اداروں جیسے خاندان، تعلیم، ریاست اور ملازمت میں کمتر مقام دیا جاتا ہے۔" جبکہ جیرڈا لرنر(Gerda Lerner) لکھتی ہیں "محکومیت ایک تاریخی عمل

ہے جس نے عورتوں کو ذیلی درجے پر رکھا، اور مردوں کو فیصلہ ساز قوتوں کا حامل بنایا۔"این اوکلی(Ann Oakley) کے مطابق""عورتوں کی محکومیت' فطری نہیں بلکہ سماجی طور پر تشکیل دی گئی ہے، جسے روایات اور ادارے برقرار رکھتے ہیں۔"

خواتین کی محکومیت کی عام مثالیں جیسے 'گھریلو فیصلوں میں عورت کی رائے کو اہمیت نہ دینا، تعلیم یا ملازمت کے مواقع میں صنفی تفریق، سیاسی نمائندگی میں خواتین کی کم شرکت وغیرہ سے لی جاسکتی ہیں۔

3.11.2 خواتین کی حاشیہ کاری اور محکومیت میں فرق

(Difference between Marginalization and Subordination of Women)

حاشیہ کاری یا حاشیہ پذیری(Marginalization) ایک ایسا سماجی عمل ہے جس میں عورتوں کو' تعلیم و ترقی، معیشت اور فیصلہ سازی کے مرکزی دھارے یا سرگرمیوں سے دور رکھا جاتا ہے۔انھیں تعلیم و ترقی کے مواقع، وسائل اور حقوق تک رسائی کی سہولتیں کم ہوتی ہیں ' یا بالکل نہیں فراہم کی جاتیں ۔یہ عمل عورتوں کی سماجی و معاشی حیثیت کو شدید طور پر متاثر کرتا ہے' جبکہ محکومیت (Subordination)' کنٹرول اور اطاعت(Control and Obedience) پر مبنی عمل ہے۔اس سے مراد عورتوں کو سماجی، ثقافتی، اور قانونی طور پر مردوں کے ماتحت اور کمتر حیثیت میں رکھنا ہے۔یعنی عورت کو شعوری طور پر مرد سے کم تر سمجھا جاتا ہے اسے ثانوی درجہ دیا جاتا ہے اور اس کی فکری اور عملی آزادی کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ہر حکم بجالانا اس کے فرائض میں شامل کر دیا گیا ہے۔یہ تصور عورت کے سماجی رتبے اور ذاتی اظہار آزادی کو محدود کرتا ہے اور اس کے وجود کی اہمیت کو ختم کرتا ہے۔ایک مثال کے ذریعے ان دونوں کے مابین موجود فرق کو سمجھنے کی کوشش کریں

- **حاشیہ کاری:** لڑکیوں اور خواتین کو تعلیم، وراثت یا وسائل سے محروم رکھنا اور انھیں ترقی کے مرکزی دھارے سے باہر رکھنا
- **محکومیت:** خواتین میں تعلیم کی کمی اور وسائل و مواقعوں تک ان کی رسائی میں رکاوٹوں کے نتیجے میں سماجی یا معاشی طور پر مرد افراد پر انحصار اور ان کے ماتحت زندگی۔

3.11.3 ہندوستانی خواتین کی محکومیت(Subordination of Indian Women)

ہندوستان جیسے ترقی پذیر اور کثیر ثقافتی ملک میں خواتین کو آج بھی کئی شعبوں میں پسماندگی، عدم مساوات اور محکومیت کا سامنا ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے آئین' میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیے گئے ہیں، مگر عملی سطح پر صنفی امتیاز اور پدرشاہی نظام کی جڑیں آج بھی

بہت مضبوط ہیں۔ ہندوستانی معاشرہ قدیم زمانے سے ہی پدر شاہی نظام کا حامل رہا ہے۔ ویدک دور میں عورتوں کو کچھ آزادی حاصل تھی، لیکن بعد میں ان کے حقوق محدود کیے گئے۔ بعد کے ادوار میں عورتوں کی حیثیت مزید کمزور ہوئی، اوران پر مذہبی وسماجی پابندیاں بڑھتی گئیں۔

ہندوستان ان ممالک میں سے ایک ہے جہاں خواتین کی آبادی مردوں کی آبادی کے تناسب سے کم ہے۔ یونیسیف انڈیا کی ''رپورٹ برائے چائلڈ سیکس ریشو'' کے مطابق لڑکیوں کی پیدائش میں مسلسل کمی آرہی ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے جنسی تناسب میں مسلسل گراوٹ کی شرح کو مذکورہ رپورٹ کے علاوہ سنسس رپورٹس میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں خواتین ملک کی تقریباً نصف آبادی پر مشتمل ہیں، لیکن ان کی حالت تشویشناک ہے۔ صدیوں سے مذہب اور سماجی و ثقافتی طریقوں کے نام پر انہیں جان بوجھ کر ترقی کے مواقع سے محروم رکھا گیا ہے۔ سماجی وسیاسی میدان کے علاوہ خواتین کو اپنے گھروں میں بھی آزادی اور فیصلہ سازی سے انکار، جبر اور غیر مساوی وکمتر حیثیت، ذات پات کی درجہ بندی اور یہاں تک کے چھوت چھات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مذہبی روایت اور سماجی اداروں میں بنائے گئے ضابطوں کا خواتین کے کردار اور مقام پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

خواتین کا استحصال: ہندوستانی معاشرے میں بیشتر عورتیں ذلت، تشدد اور استحصال کا شکار رہی ہیں۔ معاشرتی سطح پر، عصمت دری، قتل، جہیز کے لیے تشدد، بیوی کی پٹائی اور امتیازی سلوک کی بہت سی مثالیں عام طور پر مروج ہیں۔ ہندوستانی معاشرے میں مردوں کا غلبہ ہے۔ اس لیے خواتین زندگی کے متعلقہ شعبے میں مردانہ تسلط کا شکار ہیں۔ خاص طور پر معاشی زندگی میں، وسائل پر فیصلہ سازی، اپنی کمائی اور اپنے جسم کے استعمال پر بھی ان کا کنٹرول نہیں ہے۔ مختلف سماجی واقتصادی پہلوؤں کے حوالے سے شہری خواتین کے مقابلے میں دیہی خواتین کی حالت زیادہ دگرگوں نظر آتی ہے۔

صنفی تشدد: ثقافت اور روایت نے قدیم زمانے سے ہندوستانی سماج کو جکڑ رکھا ہے۔ پدرانہ نظام اور خاندان اور معاشرے میں صنفی دقیانوسی تصورات نے ہمیشہ لڑکے کو ترجیح دی ہے۔ لڑکوں کو خاندان اور وراثت نیز سماجی تحفظ کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے جبکہ لڑکیوں کو مہمان اور پرایا دھن سمجھا جاتا ہے۔ اپنے ماتحت مقام کی وجہ سے وہ امتیازی سلوک، استحصال اور محکومی کے خوف کا شکار رہتی ہیں۔ ان ہی تصورات کی وجہ سے وہ کئی سماجی برائیوں کا شکار رہی ہیں۔ جیسے بچپن کی شادی، ستی، تعدد ازدواج، پردہ کا نظام، مادہ جنین کشی، جبری حمل، عصمت دری وغیرہ۔ گھریلو تشدد کی بنیادی وجوہات میں طاقت کے غیر مساوی رشتے، صنفی امتیاز، پدرانہ نظام اور خواتین کا معاشی انحصار، فیصلہ سازی کے عمل میں عدم شرکت وغیرہ قرار دیے جاسکتے ہیں۔

معاشی استحصال: اقوام متحدہ کی رپورٹس بتاتی ہیں کہ دنیا میں عورتیں سارے کام کا دو تہائی بوجھ اٹھاتی ہیں' پھر بھی وہ دنیا کی آمدنی کا صرف دسواں حصہ حاصل کرتی ہیں۔ ہندوستان میں خواتین کی حالت بھی سماجی زندگی کے ہر شعبے میں دگرگوں ہے۔ انہیں اسی کام کے لیے ان کے

مرد ہم منصبوں کی کمائی ہوئی رقم کا نصف ادا کیا جاتا ہے۔ ان کے کام کی قدر نہیں کی جاتی۔ اوسطاً، ایک عورت روزانہ 15 سے 16 گھنٹے بلا معاوضہ گھر میں اور گھر سے باہر کام کرتی ہے۔ گھر میں کیے جانے والے کام کو غیر پیداواری کام قرار دیا جاتا ہے جبکہ باہر وہ کم تنخواہ پر کام کرتی ہیں۔ معاشی استحصال کے نتیجے میں بیشتر ہندوستانی عورتیں غربت اور کسم پرسی کی زندگی گذار رہی ہیں۔

تعلیمی محرومی: ہندوستان میں خواتین کی شرح خواندگی مردوں کے مقابلے بہت کم ہے، کیونکہ لڑکے لڑکیوں کے مقابلے میں تعلیم حاصل کرنے کے خوب مواقع پاتے ہیں۔ لڑکیاں تعلیم حاصل نہیں کر پاتیں اور ہنر مندی کی تربیت سے دور رہتی ہیں۔ اسی لیے وہ منظم سیکٹر یا بہتر آمدنی یا اجرت والے روزگار کم ہی حاصل کر پاتی ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹس کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی غریب آبادی میں بڑا حصّہ خواتین کا ہے یعنی خواتین کی تعلیم سے محرومی اور غربت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اگرچہ کہ ہندوستان میں ملک کی آزادی کے بعد خواتین کی بہتری کے لیے بہت سے اقدامات کیے گئے ہیں۔ کئی پالیسیز، پروگرامس اور قوانین بنائے گئے ہیں۔ دیہی اور شہری خواتین کی ترقی کے لیے تعلیم، صحت اور روزگار کے شعبوں میں بہت سے اہم پروگرام شروع کیے گئے ہیں۔ تعلیم اور ترقی نسواں کی خاص منصوبہ بندی کے نتیجے میں ان کی تعلیمی اور معاشی سطح میں بتدریج معمولی بہتری آرہی ہے۔ لیکن آبادی کے لحاظ سے یہ بہتری انتہائی معمولی قرار دی جاسکتی ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں صنفی مساوات اور خواتین کی ترقی و بااختیاری تب تک ممکن نہیں ہے جب تک ان کی ماتحتی کو ختم کرنے کے لیے پدرانہ نظام کے غلبے کو کمزور نہیں کیا جاتا۔

اہم نکات:

- عورتوں کی محکومیت کا خاتمہ صرف قانونی اصلاحات سے نہیں ہو سکتا، بلکہ ہمیں معاشرتی رویوں، تعلیم، اور ادارہ جاتی تبدیلیوں پر بھی کام کرنا ہوگا۔ صنفی مساوات کو فروغ دینا، خواتین کو بااختیار بنانا، اور سماج کی سوچ میں تبدیلی لانا ضروری ہے۔

3.12 پدرانہ نظام کے خاتمے کے اہم اقدامات

(Important measures to Eradicate Patriarchy)

1۔ سماج کی ہر سطح پر تعلیم کو فروغ دیا جائے اور لڑکوں اور لڑکیوں کو نہ صرف یکساں تعلیمی مواقع حاصل رہیں بلکہ لڑکیوں کے لیے مزید خاص مراعات کی ضرورت ہے۔

2۔ لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کو صنفی مساوات، انسانی حقوق اور تنقیدی سوچ کی تعلیم کو اہم بنایا جائے۔ نصابِ تعلیم میں صنفی تفہیم کے مضمون کو لازمی مضمون بنایا جائے۔

3۔ تعلیمی نصاب میں تانیثی نظریات، خواتین کی جدوجہد، ان کی حصہ داری پر مضامین شامل کیے جائیں۔

4۔ خواتین کی بااختیاری کو سماج میں فروغ دیا جائے

5۔ خواتین کو اقتصادی، سیاسی، اور سماجی فیصلوں میں خود مختار بنایا جائے

6۔ خواتین کو ملازمت، تعلیم، وراثت، اور سیاسی نمائندگی کے مساوی مواقع دیے جائیں۔

7۔ خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے مؤثر قانونی نظام بنایا جائے۔ صنفی تشدد کے خلاف سخت قوانین کا نفاذ عمل میں لایا جائے

8۔ جہیز، گھریلو تشدد، جنسی ہراسانی، اور دیگر صنفی جرائم کے خلاف سخت قوانین کو نافذ کیا جائے

9۔ ''مردانگی اور نسوانیت'' کے متعلق روایتی سوچ اور ذہنیت میں تبدیلی کے لیے مختلف اقدامات اپنائے جائیں

10۔ میڈیا، فلم، اور سوشل میڈیا کے ذریعے پدر شاہی رویوں کو چیلنج کیا جائے۔

11۔ 'عزت، ''غیرت، اور خاندانی نام اور وقار' جیسے تصورات کو عوامی سطح پر مباحث کا حصّہ بنایا جائے۔

12۔ پدر شاہی نظام کو ختم کرنے کے مختلف اقدامات میں مردوں کا تعاون اور شمولیت کو فروغ دیا جائے

13۔ لڑکوں کو صنفی برابری کے اصولوں پر تربیت دی جائے اور عورتوں کے حق اور وقار کے انھیں پاسدار بنانے کی کوشش کی جائے۔

14۔ خاندانی نظام میں لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ مساوی سلوک کو فروغ دیا جائے اور گھریلو ذمہ داریوں میں مرد و عورت کی برابری، بچوں کی پرورش میں دونوں کے رول کی اہمیت واضح کی جائے۔

اہم نکات:

- پدرانہ یا پدر شاہی نظام کا خاتمہ دراصل پورے معاشرے کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب ہر فرد، خاص طور پر نوجوان نسل باشعور بنے اور صنفی مساوات کو ایک بنیادی انسانی قدر سمجھے نیز اس کے لیے عملی اقدامات کرے۔

3.13 اکتسابی نتائج (Learning Outcome)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے کئی اہم تصورات اور نظریات سے واقفیت حاصل کی، جیسے

1۔ آپ نے یہ جانا کہ پدر سریئت ایک سماجی اور تصوراتی نظام ہے جو مردوں کو عورتوں سے بہتر مانتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں وسائل، نظریات اور فیصلوں پر مردوں کا زیادہ کنٹرول ہوتا ہے۔ تمام سماجی نظاموں کی طرح، پدر سریت کا بھی ایک نظریاتی ڈھانچہ ہے، جو یہ طے کرتا ہے کہ مرد خاندان کے مکھیا، خاندانی نام اور جائیداد کے وارث ہیں لہذا تمام وسائل پر مردوں کا ہی کنٹرول ہوگا۔

2۔ آپ کو یہ واقفیت بھی حاصل ہوئی کہ پدر سریئت، کے نظام نے صدیوں کے دوران صنفی نظامِ فکر اور رول کو تشکیل دیا ہے۔ اس نظام کی ابتداء نجی جائیداد کے عروج اور دولت کی وراثت کو یقینی بنانے کی ضرورت سے کی جاسکتی ہے، جس کی وجہ سے پدرانہ خاندانی ڈھانچے کی

ترقی ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ، پدرانہ نظام سرکاری اور نجی دونوں شعبوں میں سرایت کر گیا ہے۔ دونوں شعبوں میں بنیادی طاقت مردوں کے پاس ہے۔

3۔ آپ نے یہ بھی سمجھا کہ فی زمانہ، صنفی مساوات کی طرف پیش رفت کے باوجود، پدرانہ اصول صنفی کردار اور سماجی توقعات کو آج بھی متاثر کر رہے ہیں۔ سماج میں بڑی تعداد ایسے افراد کی ہے جو اس خیال کو تقویت دیتے ہیں کہ مرد قدرتی طور پر طاقت اور قیادت کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ ان اصولوں کو چیلنج کرنے اور زیادہ مساوی معاشرے کی جانب کام کرنے کے لیے پدرانہ نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔

4۔ آپ نے یہ جانا کہ اگرچہ پدرشاہی نظام مردوں کو سماجی حیثیت اور اختیار دیتا ہے، لیکن اس کے اثرات اندرونی طور پر مردوں کی فلاح، ذہنی صحت، جذباتی توازن اور رشتوں پر منفی پڑتے ہیں۔ اس لیے ایک ایسا نظام جو برابری، نرمی، جذباتی آزادی اور انسانی قدروں پر مبنی ہو، مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے فائدہ مند ہے۔

5۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے جانا کہ ہمارے سماج میں پدرانہ نظام نے وقت کے ساتھ ساتھ مختلف شکلیں اختیار کی ہیں، لیکن صنفی کرداروں اور معاشرتی توقعات پر اس کا اثر اب بھی عصری معاشرے میں گہرائی تک محسوس کیا جاسکتا ہے۔ صنفی مساوات میں نمایاں پیش رفت کے باوجود ہندوستانی خواتین سینکڑوں مسائل سے جوجھ رہی ہیں، جیسے خواتین کو وراثت اور دیگر حقوق کے حصول میں رکاوٹیں، لڑکیوں کے خلاف جنین کشی، ناخواندگی اور تعلیم کی کمی، ترکِ تعلیم کی زیادہ شرح، کم عمری کی شادی، ملازمت میں فرق، خواتین کو کم تنخواہ، ترقی کے کم مواقع، جنسی ہراسانی، گھریلو تشدد، سیاسی نمائندگی کی کمی، قوانین کا غیر منصفانہ نفاذ وغیرہ سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی سماج میں خواتین کی حاشیہ کاری نے انھیں کس حد تک محکوم بناڈالا ہے۔

3.14 فرہنگ (Glossary)

- پدرانہ نظام (مردانہ حاکمیت): ایسا نظام جس میں مردوں کو سماجی، سیاسی، اور خاندانی طاقت حاصل ہوتی ہے۔
- مردوں کی بالادستی: وہ نظام جہاں مرد عورتوں پر حاوی ہوتے ہیں۔
- صنفی کردار (Gender roles): مرد و عورت کے لیے سماجی طور پر متعین کردہ کردار
- ظلم/جبر (Opperasion): کسی طبقے پر ناحق طاقت یا اختیار کا استعمال۔
- مرتبہ بندی/درجہ بندی (Hierarchy): کسی معاشرتی یا ادارہ جاتی نظام میں طاقت یا حیثیت کی ترتیب۔
- عورت دشمنی (Misogyny): عورتوں سے نفرت یا ان کے خلاف تعصب۔ عورت دشمن رویے پدرانہ نظام کی بنیاد ہوتے ہیں۔
- اختیار/کنٹرول: دوسروں پر طاقت یا اثر ورسوخ رکھنا۔ پدرانہ نظام مردوں کو عورتوں پر اختیار دیتا ہے۔

- تابع بنانا/ محکوم بنانا(Subordination/Subjugation): کسی فرد یا گروہ کو دبانا یا ان کا اختیار چھین لینا۔ عورتوں کو محکوم بنانا پدرانہ نظام کا ایک اہم پہلو ہے۔
- روایتی اقدار: ایسے سماجی اصول جو نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں، اکثر مردوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ کچھ روایتی اقدار عورتوں کے حقوق کو محدود کرتی ہیں۔
- زہریلی مردانگی(Toxic Masculinity): وہ رویے جو مردوں کو سخت، بے رحم، یا عورتوں پر حاوی ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔
- مرد پرستی/ صنفی غرور(Chauvinism): مردوں کو عورتوں سے بہتر سمجھنے کا نظریہ۔
- خانگی دائرہ/ گھریلو دائرہ(Domestic Sphere): گھر سے متعلقہ عورتوں کا محدود دائرہ کار۔ پدرانہ نظام میں عورت کو صرف گھریلو دائرے تک محدود کیا جاتا ہے۔

3.15 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Questions)

1۔ پدرانہ نظام میں برتری کسے حاصل ہوتی ہے؟

a)خواتین b)بچوں c)مردوں d)بزرگوں

2۔ پدرانہ نظام کا تصور بنیادی طور پر کس چیز سے متعلق ہے؟

a)مذہی فکر b)سیاسی فکر c)صنفی نظامِ فکر d) معاشی فکر

3۔ پدر شاہی نظام میں عورت کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے؟

a)برابری کی بنیاد پر b)مرد کے برابر c)کمتر و تابع d)معاشرتی رہنما

4۔ ہندوستان میں پدر شاہی کی ایک واضح مثال کیا ہے؟

a)عورتوں کا ووٹ دینا b)مردوں کی وراثت میں برتری

c)خواتین کی قیادت d) تعلیم میں مساوات

5۔ ”جہیز“ کی رسم کس نظام کی پیداوار ہے؟

a)جمہوری نظام b)پدر شاہی نظام c)مساواتی نظام d)ترقی پسند نظام

مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1۔ پدرانہ نظام(Patriarchy) سے کیا مراد ہے۔

2۔ پدرانہ نظام کے متعلق سلویا والبی کے پیش کردہ چھ ساختوں کو بیان کیجیے۔

3۔ پدرشاہی اور صنفی تشدد کے درمیان تعلق پر نوٹ لکھیں۔

4۔ حاشیہ کاری کے خواتین پر اثرات کا ایک مختصر جائزہ قلمبند کیجیے

5۔ عوامی و نجی تضاد سے کیا مراد ہے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ پدرانہ نظام کے آغاز کے متعلق نظریات بیان کیجیے۔

2۔ ہندوستان میں خواتین کی محکومیت پر مفصل نوٹ لکھیے۔

3۔ پدرانہ نظام مردوں اور خواتین دونوں کی زندگی کو کس طرح متاثر کرتا ہے؟ مفصل جواب تحریر کیجیے۔

3.16 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

1۔ Bhasin, K. (2006). What Is Patriarchy. Women Unlimited: New Delhi.

2۔ Walby, S.(1990),Theorizing Patriarchy,Basil Blackwell Ltd,Cambridge Centre,USA,(https://archive.org/details/theorizingpatria0000walb/mode/1up)

3۔ Engels, F. (1940). The Origin of the Family, Private Property and the State. London: Lawrence and Wishart.

4۔ Lerner, G. (1989). The Creation of Patriarchy. Oxford University Press: New York

5۔ Menon, Nivedita. (2012). Seeing like a feminist. Penguin: New Delhi

اکائی 4۔ صنف کی سماج کاری

(Socialization of Gender)

اکائی کی ساخت(Unit Structure)

4.0 تمہید(Introduction)

4.1 مقاصد(Objectives)

4.2 سماج کاری کیا ہے(What is Socialization)

4.3 سماجی ادارے اور سماج کاری کا عمل(Social Institutions and Socialization)

4.3.1 سماجی ادارے سے کیا مراد ہے(What is meant by Social Institutions)

4.3.2 سماجی اداروں کی اقسام(Types of Social Institutions)

4.4 صنف کی سماج کاری سے کیا مراد ہے(What is meant by Socialization of Gender)

4.5 صنف کی سماج کاری اور مردانیت و نسوانیت کا تصور

(Gender Socialization and the concept of Masculinity and Femininity)

4.6 صنف کی سماج کاری کے اہم عوامل(Important Agents of Gender Socialization)

4.7 ہندوستان میں صنفی تصورات اور لڑکیوں کی سماج کاری

(Gender Concepts in India and Socialization of Girls)

4.8 صنف کی سماج کاری کے سماج پر اثرات(Impact of Gender Socialization on the Society)

4.9 اکتسابی نتائج(Learning Outcome)

4.10 فرہنگ(Glossary)

4.11 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

4.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

4.0 تمہید(Introduction)

بچہ 'ایک انسان کی حیثیت سے جنم لیتا ہے۔ وہ پیدائش کے وقت اپنی حیاتیاتی شناخت (لڑکا یا لڑکی) کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ زبان و اظہار، سماج میں رہن سہن کے طور طریقے اور تہذیب سے وہ واقف نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ وہ رفتہ رفتہ اپنے والدین، قریب رہنے والے رشتہ دار، استاد، دوستوں اور سماج کے دوسرے افراد سے سیکھتا ہے۔ جیسے جیسے بچہ عمر کی منازل طے کرنے لگتا ہے اور روزمرہ اس کا واسطہ جن افراد اور زندگی کے معاملات سے پڑتا ہے ویسے ویسے وہ سماجی زندگی کے طریقہ کار سیکھتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح انسان کا یہ سماجی تہذیب کو اختیار کرنے کا عمل ''سماج کاری یا سماجیانہ'' کہلاتا ہے۔ اس عمل کے دوران بچہ جس معاشرے میں پیدا ہوتا ہے اس معاشرے کی تہذیب اپنے اطراف واکناف سے سیکھتا ہے۔ سیکھنے کا یہ عمل انسان کی ساری زندگی میں جاری رہتا ہے۔ سماج کاری میں خاص تہذیب کو اختیار کیا جاتا ہے ۔اس تہذیب کے کچھ قوانین بھی ہوتے ہیں یہ قوانین سماج کے مختلف افراد کو در پیش طرز عمل کی بنیاد پر بنائے جاتے ہیں۔ یہ عمل بچے کے بڑھنے اور پرورش پانے کے دوران چلتا رہتا ہے۔ یہ عمل اس کی شخصیت سازی میں نہایت ہی اہم رول ادا کرتا ہے۔ گرچہ کہ بچے پر اسکے موروثی اثرات حاوی رہتے ہیں، لیکن سماجی طرز عمل کے ذریعہ انسان کی سوچ و فکر اور اعمال کو ایک خاص سمت میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بچے کو بچپن سے ہی مختلف طریقوں سے یعنی اس کے لباس، رنگوں کے انتخاب، زبان کے استعمال نیز کھلونوں اور رہن سہن کے طریقوں کے ذریعے لڑکا یا لڑکی ہونے کا احساس کروایا جاتا ہے اور جدا جدا خصوصیات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی سماج میں ان کی صنفی شناخت اور صنفی کردار کی تشکیل کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ سماجیانہ کا یہی عمل دراصل ''صنفی سماج کاری'' کہلاتا ہے جس کے نتیجہ میں لڑکا اور لڑکی مردانہ و زنانہ خصوصیات کے حامل بنتے ہیں اور بڑے ہونے پر سماج میں اپنا مخصوص صنفی کردار ادا کرتے ہیں۔ صنف کی تشکیل میں خاندان، رشتے، مذہب، حکومت و قانون، ذرائع ابلاغ اور تہذیبی عوامل اہم کردار نبھاتے ہیں۔ اس اکائی میں ہم سماجیانہ کے متعلق معلومات حاصل کریں گے اور صنفی سماج کاری میں معاون سماجی اداروں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

4.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- سماج کاری کی تعریف اور سماج کاری میں معاون کردار ادا کرنے والے سماجی اداروں سے واقفیت حاصل کر پائیں گے۔
- صنفی سماج کاری کو وضاحت سے سمجھ پائیں گے۔

- مردانیت اور نسوانیت کے تصورات کی تشکیل اور عدم مساوات سے ان تصورات کے مابین رشتوں سے واقفیت حاصل کر پائیں گے۔
- صنف کی سماج کاری کے مراحل سے واقف ہوں گے اور سماج پر اس کے اثرات کو سمجھ پائیں گے۔

4.2 سماج کاری کیا ہے؟(What is Socialization)

''سماج کاری'' سے مراد وہ سماجی عمل ہے جس کے ذریعے ایک فرد اپنے معاشرے کے رسم و رواج، اقدار، عقائد، رویے، زبان اور سماجی کردار سیکھتا اور اپنا لیتا ہے۔ یہ عمل فرد کو معاشرتی زندگی میں ڈھالنے اور ایک کارآمد رکن بنانے میں مدد دیتا ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا سماجی عمل ہے جس کے ذریعے فرد اپنے ماحول اور معاشرے سے علم، اقدار، رسم و رواج، اور سماجی رویے سیکھ کر اپنی شخصیت اور کردار کی تشکیل کرتا ہے۔(Sylvia, W. (1990) Theorizing Patriarchy)

سماج کاری کو سماجیانہ' بھی کہا جاتا ہے۔ سماج کاری کو معاشرے کے اصولوں، اقدار، عقائد کی بنیاد پر شخصیت سازی کا عمل بھی کہہ سکتے ہیں۔ گویا' یہ وہ عمل ہے' جس کے ذریعے افراد معاشرے کے رکن بنتے ہیں۔ بچہ' پیدائش کے وقت انسان کی حیثیت سے دینا میں آجاتا ہے لیکن مرحلہ وار سماج کاری کا عمل اس کی پیدائش سے لے کر ساری زندگی جاری رہتا ہے اور اسے ایک سماجی فرد بننے میں معاون کردار ادا کرتا ہے۔ اس عمل کے دوراں انسان اپنی جنسی شناخت، صنفی کردار، سماجی اصول، طور طریقے۔ زبان و بیان، رسم و رواج، آپسی میل جول، نظم و ضبط، عقائد اور اقدار سیکھتا ہے۔ سماج کاری کے اس عمل میں' سماجی ادارے حصّے دار ہوتے ہیں۔

جیسا کہ پچھلی سطور میں کہا گیا کہ سماج کاری کا عمل بچپن میں ہی راست یا بالواسطہ طریقے سے شروع ہو جاتا ہے، جب بچے اپنے والدین، بہن بھائیوں، قریبی رشتہ داروں سے بنیادی باتیں، تہذیبی عقائد اور اقدار و روایات کو ذہن نشین کرتے ہیں' جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ سماجیانہ کا عمل صرف بچپن تک محدود نہیں ہوتا بلکہ زندگی بھر جاری رہتا ہے کیونکہ ہم جیسے جیسے بڑے ہوتے ہیں ویسے ویسے مختلف سماجی گروہوں، سماجی اداروں اور نت نئے تجربات سے گذرتے ہیں اور بہت کچھ سیکھتے رہتے ہیں۔ سماج کاری کے عمل میں کئی معاون ادارے ہیں' جن میں بنیادی اور ثانوی سے لے کر مختلف نوعیت کے ادارے شامل ہیں۔ ''بنیادی سطح کا سماجیانہ'' ہمارے بالکل بچپن کے دور میں ہوتا ہے۔ ہماری زندگی کے ساتھ جڑے قریبی رشتے' والدین، بہن بھائی، دادا دادی، نانا نانی دوست، وغیرہ اس سماجی عمل میں شامل ہوتے ہیں۔ ہم ان سے بہت سارے سماجی ضابطے اور ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ سیکھتے ہیں۔ ''ثانوی سطح کا سماجیانہ'' اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے خاندان سے باہر کے لوگوں سے بات چیت کرتے ہیں یا مختلف سماجی اداروں سے ہمارا رابطہ ہوتا ہے اور ہم مختلف اوصاف ان سے حاصل کرتے

ہیں۔ سماج کاری کا بنیادی مقصد فرد کو سماج کا حصّہ بنانا ہے۔ سماج میں رہنے سہنے کے طور طریقے اور اصول سکھانا ہے۔ ان اصولوں کے نفاذ اور تربیت کے ذریعے ہی فرد کو وہی اقدار اور رویے سکھائے جاتے ہیں جو خاندان اور سماج کے اندر قبول کیے جاتے ہیں۔

4.3 سماجی ادارے اور سماج کاری (Social Institutions and Socialization)

4.3.1 سماجی ادارے سے کیا مراد ہے (What is meant by Social Institutions)

سماجی ادارے، ایسے منظم ڈھانچے یا نظام ہیں جو معاشرے میں انسانی رویوں کو منظم کرتے ہیں۔ سماجی اقدار کو قائم رکھتے ہیں اور افراد کو اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے اور سماجی ہم آہنگی برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ سماجی ادارے معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ انسانی ضروریات پوری کرنے، اقدار کی حفاظت کرنے اور معاشرتی نظم قائم رکھنے کا کام کرتے ہیں۔ ''سماجی ادارے'' معاشرے میں اصول وضوابط کے منظم ڈھانچے ہوتے ہیں جو معاشرتی سطح پر افراد کو سماج میں رہنے کے طور طریقے، نظم وضبط کے علاوہ انفرادی خاندان کی تہذیبی روایات اور مذہبی عقائد واعمال سے روشناس کرواتے ہیں اور رہن سہن کو ایک خاص نظام میں ڈھالتے ہیں۔ سماجی اداروں کو ''سماجیانہ کے ایجنٹس یا عوامل'' بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے، خاندان، تعلیم، حکومت، مذہب، قوانین، میڈیا اور آرٹ وادب اور ثقافت وغیرہ، وہ ایجنٹس ہیں جو سماج کاری کے عمل میں شامل رہتے ہیں۔ یہ سماجی ادارے بنیادی ایجنٹ، ثانوی ایجنٹ کے علاوہ دیگر نوعیت کے ایجنٹس بھی ہوتے ہیں، جو فرد کی شخصیت سازی، سماجی نظم ونسق کو برقرار رکھنے، سماجی طرز عمل کی تشکیل اور ایک دوسرے سے تعاون کے لیے فریم ورک فراہم کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ سماجی ادارے دراصل "مکمل طور پر خاندانی اور سماجی قواعد وضوابط" کی طرح ہوتے ہیں جو معاشرے کو آسانی سے کام کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ اسی لیے سماجی اداروں کو عقائد، اصولوں، اقدار، عہدوں اور سرگرمیوں کا نظام بھی کہا جا سکتا ہے جو بنیادی معاشرتی ضرورت کے ارد گرد تیار ہوتا ہے یا عام طور پر ادارے اصولوں کے وہ نمونے ہوتے ہیں جو سماجی تعلقات میں آپسی رویوں اور طرز عمل کی وضاحت کرتے ہیں۔

4.3.2 سماجی اداروں کی اقسام (Types of Social Institutions)

خاندان: جب آپ لفظ "خاندان" سنتے ہیں تو ذہن میں کونسا تصور آتا ہے؟ ہم میں سے اکثر کے لیے، یہ ہمارے والدین، بہن بھائی، یا شاید ہمارا بڑھا ہوا خاندان جیسے دادا دادی، خالہ، اور چچا ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو یہ صرف رشتوں کے ساتھ رہنے کی ایک جگہ نہیں ہے بلکہ خاندان سماج کی بنیادی اکائی ہے جو افراد کو سماجی طور پر فعال بنانے کے متعدد مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ خاندان دراصل اہم سماجی فریم ورک فراہم

کرتا ہے جو کسی بھی فرد کی زندگی میں نقطہ آغاز کی طرح ہے' جہاں زبان، پہلے الفاظ واظہار اور طرزِ عمل اور سماجی اقدار سیکھتے ہیں۔ اسی لیے ''خاندان'' ایک اہم اور بنیادی سماجی ادارہ کہا جاتا ہے۔

خاندان' افراد کو نہ صرف سماج کا حصّہ بنانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں بلکہ تہذیبی اقدار اور روایتوں کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خاندان' افزائشِ نسل، بچوں کی پرورش اور مکمل شخصیت سازی کے ذمہ دار ہوتے ہیں نیز افراد کو پہچان، تحفظ اور ذہنی وجذباتی مدد فراہم کرنے میں معاون کردار ادا کرتے ہیں۔ خاندانوں کی ساخت اور افعال مختلف ثقافتوں میں وسیع پیمانے پر مختلف ہو سکتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاپذیر بھی ہوتے ہیں۔ روایتی خاندانی ڈھانچے جیسے' قبیلہ نظام میں رہنے والے کئی افراد پر مشتمل خاندان، مشترکہ خاندان (بشمول رشتہ دار جیسے دادا دادی، خالہ، چچا، اور کزنز وغیرہ) اور جدید طرز کے خاندان جیسے واحد خاندان (ماں باپ اور بچے) شامل ہیں۔ یعنی خاندان ہی وہ بنیادی ادارہ ہے جہاں سے ہم خاندانی اور سماجی اصول، اقدار، رسومات و روایات کے علاوہ ''صنفی کرداروں (Gender roles)، صنف پر مبنی صفات، روایات اور سماجی حیثیت کے بارے میں سیکھتے ہیں۔

تعلیم: تعلیم سے مراد جاننا، نئی معلومات حاصل کرنا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ ہم نے اسکول یا کالج میں جو تعلیم حاصل کی وہی دراصل تعلیم ہے' بلکہ جاننے کا یہ عمل ہماری پوری زندگی میں جاری رہتا ہے۔ ہم عمر کے کسی بھی پڑاؤ پر نئی نئی معلومات مختلف ذرائعوں سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔ تعلیم ایک اہم سماجی ادارہ ہے جو افراد کو علم، ہنر اور ان کے کردار کو سنوارنے نکھارنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ تعلیم افراد کو معاشرے کا بہترین اور فعال رکن بننے میں مدد کرتی ہے۔

تعلیمی سفر کے دوراں طلبہ نہ صرف تعلیم وہنر سیکھتے ہیں، بلکہ معاشرتی اصول اور اقدار بھی سیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون واشتراک، وقت کی پابندی، نظم وضبط اور احکامات کے احترام کے علاوہ مختلف معلومات حاصل کرتے ہیں۔ تعلیم معاشرے کی "تربیت کے میدان" کے طور پر کام کرتی ہے۔ یہ افراد کو معاشرے اور افرادی قوت میں شرکت کے لیے تیار کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیمی ادارے مختلف مضامین سیکھنے میں ہی مدد نہیں کرتے بلکہ یہ ادارے سماجی مہارتوں، تحقیقی وتنقیدی فکر کو بنانے، سماجی وصنفی عدم مساوات کے رجحان کو ختم کرنے نیز انفرادی ترقی کے لیے معاون ہوتے ہیں۔ ہم عمر یا ہم مرتبہ افراد سماجیانہ کے ثانوی ایجنٹ ہوتے ہیں۔ ہم عمر افراد کے ذریعے سماج کاری کا عمل ہوتا رہتا ہے۔ لباس، رہن سہن، بول چال، فکر واظہار، پسند ناپسند اور کئی باتوں کا علم ہم اپنے ہم عمر افراد سے سیکھتے ہیں اور اکثر ان کے انداز واطوار کی طرح خود کو بھی ڈھالتے ہیں۔ دوست احباب یا ہم مرتبہ گروپوں کے افراد کے ساتھ میل جول فرد کی شخصیت پر اپنا گہرا اثر چھوڑتا ہے۔

مذہب: مذہب صرف ایک خاص عقیدے کا نظام یا کسی اعلیٰ طاقت میں یقین رکھنے سے مراد نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک اہم سماجی ادارہ ہے جو سماج کاری کا ثانوی ایجنٹ کہلاتا ہے۔ مذہب انسانی زندگی میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ مذہب بہتر سماجی اور خاندانی زندگی کے لیے اخلاقیات اور سماجی اصولوں کو تشکیل دیتا ہے۔ مذہبی عبادات، احکامات، نظریات، روایات اور رسومات کے ذریعے اصول اور رہن سہن کے طریقے تشکیل دیے گئے ہیں جن سے افراد سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہب دراصل افراد کے لیے مشعلِ راہ کا کام انجام دیتا ہے۔ سماجی معاملات کو سمجھنے اور آپسی روابط کو بہتر بنانے کے لیے بھی مذہب ایک فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ مذہبی ادارے جیسے کہ مساجد، گرجاگھر، مندر، گردوارے اور دیگر عبادت گاہیں' اجتماعی عبادات، روحانی رہنمائی اور اخلاقی و سماجی تعلیم اور نجی زندگی کی رہنمائی کے مراکز کے طور پر کام کرتے ہیں۔ تاہم یہ نکتہ سمجھنا ہے کہ مذہبی حکامات اور اصول وضوابط کی تشریحات کس طرح کی جاتی ہیں اور سماج تک پہنچائی جاتی ہیں۔ مذہبی حکایات کو مختلف سماجی و تہذیبی پس منظر میں جداگانہ طریقے سے تشریح کی جاتی ہے اور احکام کی صورت میں سماج میں روایت بنادی جاتی ہے۔

ریاست یا حکومت: کسی ملک میں نظم وضبط برقرار رکھنے، افراد کی نجی و سماجی زندگی کے تحفظ میں اور ترقی کے منازل طے کرنے میں سرکاری ادارے یا حکومت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حکومت میں قانون ساز ادارے، سیاسی جماعتیں، اور پالیسی سازی اور حکمرانی میں شامل دیگر ادارے شامل ہیں۔ سیاسی ادارے قوانین بنانے اور ان کو نافذ کرنے، امن عامہ کو یقینی بنانے، بیرونی خطرات سے دفاع، اور عوامی خدمات جیسے بنیادی ڈھانچے، تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال فراہم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ وہ وسائل کی تقسیم میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اور سماجی اور اقتصادی ترقی کو نمایاں طور پر متاثر کر سکتے ہیں۔ منظم معاشرے کے لیے قوانین کا نفاذ لازم ہوتا ہے۔ حکومت افراد کی زندگی میں تحفظ فراہم کرنے کے لیے قانون بنانے اور اسے نافذ کرنے کا ذمہ دار ادارہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ معاشرے کا "کنڑول سینٹر" ہوتا ہے۔ معاشرے کو اصولوں کا فریم ورک فراہم کرتا ہے اور نظم ونسق کو برقرار رکھتا ہے تاکہ سماج میں افراد آسانی سے زندگی گذار سکیں اور مل جل کر ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

قانونی اور عدالتی نظام: قوانین کے ذریعے معاشرتی اصولوں کو طے کیا جاتا ہے اور اور ان کے نفاذ سے افراد کو سماجی برتاؤ اور نظم وضبط سکھائے جاتے ہیں۔ قانونی اور عدالتی نظام قوانین، قوانین اور ضابطوں کا فریم ورک ہے۔ اس نظام کے بغیر ہم محسوس کر سکتے ہیں کہ معاشرے میں عدم تحفظ ہوگا اور اس کے معیارات مجروح ہوں گے۔ جس سے معاشرہ بھی زوال پذیر ہوگا۔ اس طرح سے قانونی نظام ایک اہم سماجی ادارے کی نمائندگی کرتا ہے۔ مزید برآں، قانونی اور عدالتی نظام کی کارکردگی، انصاف پسندی اور غیر جانبداری قانون کی حکمرانی پر عوام کے اعتماد کو برقرار رکھنے کے لیے اہم ہے۔ قانونی رسائی، آزادی اور سلامتی کے درمیان توازن، اور انفرادی حقوق کے تحفظ جیسے مسائل اس ادارے کے کام اور ارتقاء میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ: ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا سماج کا ایک اہم ستون قرار دیا گیا ہے۔ جدید دنیا میں میڈیا اور مواصلاتی ادارے معلومات کی ترسیل اور استعمال کرنے کے طریقہ کار میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس میں روایتی میڈیا جیسے اخبارات، ٹیلی ویژن، اور ریڈیو کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع ابلاغ' انٹرنیٹ اور سوشل یا ڈیجیٹل میڈیا پلیٹ فارم جیسی نئی شکلیں بھی شامل ہیں۔ یہ ادارے لوگوں کو باخبر رکھنے، رائے عامہ پر اثر انداز ہونے، ذہن سازی کرنے، بحث و مباحثہ کے لیے پلیٹ فارم مہیا کرنے اور دیگر سماجی اداروں پر نگران کے طور پر کام کرنے کے لیے بہت اہم ہیں۔ علاوہ ازیں میڈیا' ثقافتی اصولوں اور اقدار کو تشکیل دینے کا اہم ذریعہ ہے۔ افراد کے سماج کاری میں میڈیا اپنا موثر کردار ادا کرتا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا' سے افراد روزانہ کی زندگی میں اپنے کردار کے متعلق بہت کچھ سیکھتے ہیں اور ٹی وی شوز یا فلم یا ڈرامے اور دیگر میڈیا پلیٹ فارمس کے ذریعے پیش کیے جانے والے پروگرام اور کرداروں کے مطابق خود کو ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ دراصل ذرائع ابلاغ سماجی اصولوں اور اقدار سے روبرو کرواتے ہیں۔

فن، ادب اور ثقافت: فن، ادب اور ثقافت معاشرے کے اندر بنیادی نظام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں سماج کا آئینہ بھی کہا جاتا ہے۔ آرٹ و فن کاری کے شاہکاروں میں یا ادبی تحریروں یا مختلف تہذیبی پروگراموں مثلاً فلم، ڈرامے، گیت، وغیرہ میں ہم سماج کی واضح جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ اس ادارے میں آرٹ کی مختلف شکلیں شامل ہیں جیسے ادب، موسیقی، تھیٹر، اور بصری فنون کے ساتھ ساتھ ثقافتی ورثے کے ادارے جیسے میوزیم، گیلریاں اور لائبریریاں وغیرہ' ان سب میں کہیں نہ کہیں سماجی زندگی کو پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ ادارے راست یا بالواسطہ طریقے سے سماجی حقائق کو پیش کرنے اور اخلاقی و سماجی سدھار کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ سماج ان اثرات کو قبول کرتا رہتا ہے۔ تہذیبی و ثقافتی روایات، رسم ورواج کو دیکھ کر یا شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں شرکت سے افراد اپنے معاشرتی اقدار، روایات اور سماجی اصولوں کے بارے میں سیکھتے ہیں۔

4.4 صنف کی سماج کاری سے کیا مراد ہے (What is meant by Socialization of Gender)

صنف کی سماج کاری کی اصطلاح کو (Gender Socialization) بھی کہتے ہیں ' بلکہ اکثر "صنف کی تشکیل (Construction of Gender) کے علاوہ صنفیانہ یا صنف کاری (Genderization) کی اصطلاح کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ Ann Oakley نے اپنی کتاب (Sex, Gender and Society 1972) میں صنف کی سماج کاری سے متعلق لکھا کہ "یہ وہ سماجی عمل ہے جس کے ذریعے افراد (خصوصاً بچے) معاشرتی طور پر اپنے جنس (یعنی مرد یا عورت ہونے) کے مطابق مخصوص کردار، رویے، توقعات اور روایات سیکھتے ہیں۔" یہ ایک ایسا سماجی عمل ہے جس میں خاندان، اسکول، میڈیا، مذہب اور معاشرتی

ادارے کردار ادا کرتے ہیں تاکہ لڑکے اور لڑکیوں کو ان کے "مناسب "صنفی کرداروں کی تربیت دی جاسکے۔ صنف کاری بچوں کو معاشرتی طریقے سے یہ سکھاتی ہے کہ "ایک مرد کو کیا کرنا چاہیے" اور "ایک عورت کو کیا کرنا چاہیے"۔ یہ عمل بسا اوقات صنفی عدم مساوات کو فروغ دیتا ہے۔ یعنی مردانیت اور نسوانیت کے تصورات کی منظم طور پر تشکیل کی جاتی ہے۔

صنف کی سماج کاری سے مراد ایسا سماجی عمل ہے جس کی بنیاد جنسی شناخت کو بنایا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق افراد کو معاشرے میں لڑکا یا لڑکی یا عورت و مرد کے لیے تفویض کیے گئے جداگانہ صنفی خصوصیات، توقعات اور کردار واعمال سکھائے جاتے ہیں اور خاندانی و سماجی نظام میں صنفی تصورات کی تشکیل کی جاتی ہے۔ صنفی عدم مساوات کی جڑوں اور غلبے کے نظام کو سمجھنے کے لیے صنف کے سماجیانہ یا صنفی سماج کاری کو جاننا لازم ہے۔ صنف کی سماج کاری، پدرانہ نظام کی تخلیق اور اسے برقرار رکھنے کے لیے جزو لاینفک سمجھی گئی۔ اس لیے کہ یہ مردوں اور عورتوں کے لیے مختلف قسم کے انتخابات اور اختیارات کا تعین کرتی ہے۔ یہ انتخاب کام اور پیداواری عمل، محنت کی تقسیم، تفویض کیے گئے رول، رویے، جائیداد، ورثہ، اختیار و حکمرانی کی تقسیم کی شکل میں ہوتا ہے۔ جو صنفی تشکیل کے طرز کی عکاسی کرتا ہے۔ صنفی تشکیل کی بناء پر عورت کا کردار بہت متاثر ہوا ہے کیونکہ یہ محنت کی تقسیم کو متاثر کرتا ہے و نیز وسائل تک رسائی اور کنٹرول پر بھی اثر انداز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر عورتیں وسائل تک کم رسائی حاصل کرتی ہیں اور اپنی محنت پر ان کا بہت کم کنٹرول ہوتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جنسی شناخت کی بنیاد پر کام یا محنت کی تقسیم صنف کی سماجی تشکیل کا بنیادی جز ہے۔ صنف کی تشکیل سماجیانہ کے عمل کے دوران ہوتی ہے۔

4.5 صنف کی سماج کاری اور مردانیت و نسوانیت کا تصوّر

(Gender Scocialization and the concept of Masculinity and Femininity)

پچھلی سطور میں صنف کی سماج کاری کا مطلب کی وضاحت کی گئی۔ سماج کاری کے عمل کی بنیاد، مردانیت اور نسوانیت کے تصورات ہیں۔ لہذا ان کو بھی مزید وحاحت سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مردانیت (Masculinity) اور نسوانیت (Femininity) کا تصور دو سماجی اور ثقافتی تصورات ہیں جو کسی صنف سے وابستہ خصوصیات، کردار رویے، اور توقعات کو بیان کرتے ہیں۔ یہ دونوں تصورات فطری (biological) نہیں ہیں بلکہ معاشرتی طور پر تشکیل پاتے ہیں، یعنی مختلف معاشرے ان تصورات کو مختلف انداز سے سمجھتے اور پیش کرتے ہیں اور اسے عمل جامہ پہناتے ہیں۔

سماج کاری میں انسان مختلف سماجی اداروں کے تحت راست یا بالواسطہ طور پر کئی چیزیں سیکھتا ہے اور بہت ساری خصوصیات کو اپناتا ہے جو اس کی سوچ و فکر کو بنانے میں معاون ہوتی ہیں۔ تاہم اس عمل میں ایک جو سب سے اہم پہلو پیش نظر ہوتا ہے وہ ہے صنفی سماج کاری،

جس کی کوشش تمام سماجی اداروں میں مختلف طرح سے ہوتی رہتی ہے۔ صنفی سماج کاری کی بنیاد مردانیت و نسوانیت کے تشکیل کردہ تصوّر پر رکھی گئی ہے۔ عورت و مرد کی حیاتیاتی پہچان سے ہٹ کر سماج انھیں ایسے مخصوص عادات واطوار اور خصوصیات میں ڈھالتا ہے جو مردانیت اور نسوانیت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان ہی خصوصیات کے مطابق اپنے سماجی کردار ادا کرتے رہیں۔

فطرت ہمیں نر یا مادہ یعنی عورت یا مرد بناتی ہے۔ وہ ہمیں ہماری فطری اور حیاتیاتی شناخت دیتی ہے، لیکن یہ سماج ہے جو ہمیں ''زنانہ و مردانہ یا نسوانیت اور مرادنیت کی سرحدوں میں قید کرتا ہے۔ سماج اور سماجی شناخت طے کرتی ہے کہ عورتوں اور مردوں کو کیسے برتاؤ کرنا چاہیے، کیسے بولنا ہے اور لباس کس طرح کا پہننا چاہیے، کیسا دکھائی دینا چاہیے، کیسا رویہ اور صفت اختیار کرنا چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں مخصوص صفات اور خصوصیات کے طور پر ''مردانیت اور نسوانیت'' سماجی و تہذیبی سطح پر تشکیل دی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ایک سماج سے دوسرے سماج میں اور ایک وقت سے دوسرے وقت میں یہ تصورات مختلف بھی ہوتے ہیں۔ جیسے مثال کے طور پر اگر مردانیت کا تصور طاقت ور جسم اور طویل قامت مرد سے جڑا ہے تو آپ جانتے ہوں گے کہ جنوبی افریقہ یا سوڈان جیسے ممالک کی عورتیں بالکل ایسی ہی ہوتی ہیں۔مزید برآں نازک جسم، رنگ گورا اور چھوٹا قد نسوانیت کا تصور رکھتا ہے۔ جاپان کے مرد افراد بالکل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ان مثالوں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ 'صنف کے تصور کی طرح ہی مردانیت و نسوانیت کے تصور کو بھی ثبات نہیں ہے۔ مختلف تہذیبوں میں یہ تصور نئی شکلیں اختیار کرتا رہتا ہے۔اس میں آنے والی تبدیلیاں، زماں و مکاں کے اعتبار سے، معیشت کی تبدیلیوں، فطری آفات یا جنگ کے اثرات، نقل مکانی، انسانی آفات کی وجہ سے بھی ممکن ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تصورات بھی تبدیل شدہ رویوں اور خصلتوں کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔

مردانیت اور نسوانیت سماجی طور پر تعمیر شدہ تصورات ہیں جو بالترتیب مردوں اور عورتوں کے ساتھ روایتی طور پر جڑے ہوئے خصائص، طرز عمل اور کردار کا باقاعدہ فریم ورک ہیں۔ سماج کاری کے دوران مردانیت اور نسوانیت کی سماجی شناختیں حاصل کی جاتی ہیں۔ جیسے جیسے افراد سماج کا حصّہ بنتے جاتے ہیں وہ اپنی انسانی شناخت سے کہیں زیادہ صنفی شناخت اپنے ذہن میں تیار کرتے ہیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ''مرد'' یا ''عورت'' ہونے کا کیا مطلب ہے؟ وہ ان مقررہ صنفی کرداروں میں فٹ ہوتے ہیں یا نہیں؟ وہ معاشرتی صنفی اصولوں پر کھرے اتر رہے ہیں یا نہیں۔ پدرسریت کے تحت نسوانیت کے لیے مردانیت کا تصور کچھ اسی طرح کا ہے جیسے ذات پات کے نظام کے تحت پس ماندہ ذاتوں کے لیے اعلیٰ ذاتیں ہیں۔ ایک حکومت کرتی ہے دوسری محکوم ہوتی ہے۔ایک بہتر ہے تو دوسری کم تر ہے۔

مردانیت(Masculinity): آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق مردانیت یا مردانگی (Masculinity) کا مفہوم ہے ''ایسی صفات کا ہونا جو روایتی طور پر مردوں سے جوڑے گئے ہیں''۔ مردانگی سے مراد وہ خصوصیات اور رویے ہیں جو کسی معاشرے میں مردوں سے وابستہ کیے

جاتے ہیں۔ مردانگی کوئی فطری شے نہیں' بلکہ سماجی طور پر پیدا کی گئی شناخت ہے جو وقت، جگہ اور ثقافت کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ جیسے 'طاقتور ہونا، خود مختار ہونا، جذبات کو ظاہر نہ کرنا، گرج دار آواز کا حامل ہونا، مقابلہ کرنا اور جیتنا، محافظ و کفیل بننا وغیرہ صفات مردانیت کی پہچان مانی جاتی ہیں۔ مردانگی کا تعلق خاص خصوصیات اور صفات سے ہے، جسم یا حیاتیات (Biology) سے نہیں ہے۔ مردانیت اور مردانگی کی خاصیتوں یا صفات میں' وسائل پیدا کرنے والا، جوشیلا، نڈر، ہمت والا، بہادر، سخت جان، طاقت ور، پُر عزم، مضبوط دل، بلوان، کنٹرول کرنے والا، قوی، دبنگ، شجیع، قدآور وغیرہ شامل ہیں۔

تانیثی مفکر کملا بھسین کے مطابق 'مردانگی' لڑکوں اور مردوں کو دی گئی ایک سماجی اصطلاح ہے۔ صنف کی طرح یہ بھی سماج کا بنایا ہوا تصور ہے جو فطری نہیں ہے۔ مردانیت یا مردانگی بالعموم' بہادری، جارحانہ پن، خود انحصاری، خود مختاری اور غلبہ جیسے خصائص کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے۔ مردوں کو سخت دل، آزاد اور فیصلہ ساز فرد کا تصور دیا جاتا ہے۔ انھیں ہر حال میں جدوجہد کرنے اور جارحیت کا مظاہرہ کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس طرح کی مردانیت کو ہمارے آس پاس یا خاندان کے مرد افراد نیز کسی بھی فلم کے ہیرو میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ہیروز مرکزی کردار نبھاتے ہیں۔ جسمانی طور پر مضبوط اور جذباتی طور پر سخت اور فیصلہ ساز ہوتے ہیں۔ مشکلات اور مسائل کو اپنی دانش وری اور طاقت سے حل کر جاتے ہیں۔ پدر سری تہذیب میں موجود متعین و مقرر کردہ اصول و کردار سے لڑکے اور مرد بھی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ لڑکوں کو جذباتی، نرم دل اور حساس ہونے نیز اپنی کمزوری یا ڈر کو تسلیم کرنے سے روکا جاتا ہے۔ انہیں جبراً خاندان کے پرورش کنندہ، محافظ اور جنگجو کے کرداروں میں ٹھونسا جاتا ہے۔ زیادہ تر مرد حاکمانہ مردانگی کے اونچے معیار تک نہیں پہنچ پاتے۔ اگر وہ جارحانہ مزاج کے مالک نہیں ہوتے ہیں تو انہیں ''زنانہ'' کہہ کر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ بھولے، سیدھے اور نرم لڑکوں کو تنگ کیا جاتا ہے اور ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ مردانگی کا ان کی جنسی قوت اور اس کے مظاہرے پر حد سے زیادہ زور ہونے کی وجہ سے بہت سے مرد حد سے زیادہ عدم تحفظ اور تفکر کے شکار ہو جاتے ہیں۔(Exploring Masculinity – 2013)

نسوانیت(Femininity): نسوانیت' بھی سماجی و تہذیبی طور پر تیار کردہ تصور ہے اس کا تعلق عورت کی مخصوص صفات یا تعمیر کردہ خصوصیات، رویوں اور برتاؤ کے طریقوں سے ہے جنہیں معاشرہ اور سماج طے کرتا ہے۔ نسوانیت سے مراد وہ خصوصیات اور طرزِ عمل ہیں جو کسی معاشرے میں عورتوں سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ نسوانیت ایک سماجی تعمیر ہے، جو ثقافت کے ذریعے عورتوں کو مخصوص کردار سونپتی ہے۔ جیسے 'نرمی اور رحم دلی، خوبصورتی اور آرائش پر زور، فرمانبرداری، احساسات کا اظہار، دیکھ بھال اور پرورش کرنا، نرس یا ماں کا کردار نبھانے والی صفات کی حامل(Butler, J. (1990). Gender Trouble)

عام طور پر' پیار، ایثار، نرم روی، جذباتی اظہار، افزائش نسل وپرورشِ نسل سے متعلق خصائص کو نسوانیت کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور اسے فطری اور قدرتی سمجھ لیا گیا۔ نسوانیت کی یہ توقعات اکثر گھریلو امور، بچوں کی پرورش اور جذباتی مشقت کی دیگر اقسام کے ارد گرد ہی تشکیل دی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر خواتین سے اکثر توقع کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ شفقت اور جذبات کا مظاہرہ کریں، مؤثر طریقے سے اور غیر جارحانہ انداز میں بات چیت کریں، اور رشتوں کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کو ترجیح دیں۔ مرد رشتوں پر انحصار کریں۔ خاندان، سماج اور فلم وٹیلی سیریلس وڈراموں میں بھی ایسے کردار ہی پیش کیے جاتے ہیں جو نسوانیت اور محکومیت کی بھرپور خصوصیات کے ترجمان ہوتے ہیں۔

مردانیت ونسوانیت کے متعلق بیان کردہ صنفی خصوصیات سماج کے تعمیر کردہ ہیں۔ جو دراصل روایتی اور متوقع طرز عمل کی ثقافتی وضاحتیں ہیں۔ عورت ومرد دونوں ان خصوصیات یا خصلتوں کے حامل ہو سکتے ہیں اور ایسی کئی مثالیں ہمیں مل بھی جاتی ہیں۔ مردانگی صرف مردوں تک محدود نہیں ہے، جیسا کہ عورتیں مردانہ خصلتوں کو ظاہر کر سکتی ہیں اور اکثر کرتی بھی ہیں جیسے طاقت ور جسم، اونچی آواز، غصہ، جارحانہ پن، حاکمیت وغیرہ جیسی صفات عورتوں میں بھی ممکن ہے۔ اسی طرح نسوانیت سے وابستہ خصلتیں جیسے بچوں کی پرورش، ہمدردی، شفقت، حساسیت، پکوان سے دلچسپی یا خدمت کرنے کا جذمہ اور غیر جارحانہ رویّے مردوں میں بھی ہوتے ہیں۔ ایسی کئی شخصیات کو ہم اپنے آس پاس دیکھتے ہیں۔ ان مثالوں سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ صفات پیدائشی اور قدرتی نہیں ہیں۔ اگر سچ مچ وہ قدرتی ہوتے تو دنیا میں کوئی مرد نرم دل، مشفق اور دوسروں کا خیال رکھنے والا نہیں ہوتا اور کوئی بھی عورت جارح، سخت مزاج اور دباؤ وغلبہ قائم رکھنے والی نہیں ہوتی۔ مردانیت اور نسوانیت کی صفات پیدا کرنے کا عمل سماج کاری کے ذریعے ہوتا رہتا ہے اور اس عمل کو انجام دینے میں سماجی ادارے معاون رول ادا کرتے ہیں۔

اہم نکات:

- مردانیت اور نسوانیت ثقافتی اصولوں، اقدار اور تاریخی سیاق وسباق سے ڈھلنے والی سیال تعمیرات ہیں۔ یہ تعمیر کردہ خصوصیات' فطری نہیں ہیں بلکہ مخصوص کیے گئے تصورات ہیں۔
- سماج کاری کے دوران ان صنفی تصورات کی محدودیت کو بدلا جا سکتا ہے اور مرد وعورت سے متعلق مخصوص خصلتوں کو ایک دوسرے کے لیے قابل قبول بنایا جا سکتا ہے۔

4.6 صنف کی سماج کاری کے اہم عوامل(Important Agents of Gender Socialization)

''صنف کی سماج کاری'' فرد کے سماجیانہ کا ایک اہم عنصر ہے۔ سماجی ادارے ''مردانیت اور نسوانیت'' کے تصورات کو بنیاد بنا کر بہ حیثیت ایجنٹس کے صنفی سماج کاری میں اپنا موثر رول نبھاتے رہتے ہیں۔ سب سے پہلے خاندان میں بچے اپنی صنف سے وابستہ اصولوں اور طرز عمل کو سیکھنا شروع کرتے ہیں۔ والدین یا دیگر قریبی رشتے صنف کی پہلی سماج کاری کے حصّہ دار ہوتے ہیں۔ صنفی سماج کاری بیشتر صورتوں میں اس وقت شروع ہو جاتی ہے جب والدین کو پتہ چل جاتا ہے کہ آیا وہ لڑکے کی توقع کر رہے ہیں یا لڑکی کی۔ بچے کی پیدائش سے پہلے، وہ بچے کے کمرے کو ایک خاص رنگ میں پینٹ کرنا شروع کرتے ہیں اور مخصوص لباس خریدتے ہیں جو ان کے بچے کی جنس کے لیے 'مناسب 'شناخت بنتا ہو۔

صنفی سماج کاری یا صنفیانے کی کئی ایک مثالیں ہیں جو روز مرہ زندگی میں روایت بن کر اس طرح شامل ہو گئی ہیں کہ خاندانی و سماجی نظام کا حصّہ بن گئی ہیں، جس کی پاسداری کو لازم کر لیا گیا ہے۔ ہاسپٹل میں بچے کی پیدائش سے ہی صنفی سماج کاری کی شروعات ہو جاتی ہے۔ جیسے نرس بچے کو گلابی یا نیلے رنگ کے کپڑے میں لپیٹ کر باہر آتی ہے جس سے فوراً یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ لڑکا ہوا ہے یا لڑکی۔ اسی طرح اسی مناسبت سے والدین بھی کپڑوں اور دیگر استعمال کی اشیاء میں رنگوں کی تخصیص کا خیال رکھتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کی جنسی شناخت کے مطابق کھلونے خریدے جاتے ہیں۔ بازار میں لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے الگ الگ شناخت والی چیزیں بنائی اور فروخت کی جاتی ہیں۔ مارکٹ میں لڑکوں کے کھلونے اکثر نیلے رنگ کے ہوتے ہیں اور ایکشن فگرز، ہتیار، بلڈوزر،، بڑے ٹرکس یا کار اور بلڈنگ بلاکس کی شکل میں دستیاب رہتے ہیں، جب کہ لڑکیوں کے کھلونے اکثر گلابی رنگ میں ہوتے ہیں اور ان کھلونوں میں، بہترین ڈریس اور میک اپ زدہ خوب صورت، نازک سی گڑیا، ڈریس اپ گیمز، میک اپ پر مبنی کھلونے، پکوان اور صفائی کرنے کے سیٹ کی شکل میں ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کو دیے گئے کھلونے اس بات کو تقویت دیتے ہیں کہ عورت ہونے کا مطلب، جسمانی طور پر پرکشش ہونا اور گھریلو کاموں کو سنبھالنا ہے۔ دکانوں پر گراہک سے پہلے ہی پوچھ لیا جاتا ہے کہ خریدی کس کے لیے یعنی لڑکے کے لیے یا لڑکی کے لیے ہو رہی ہے۔ اسی کے مطابق دکاندار اشیاء پیش کرتا ہے۔

والدین اپنے بچے کے ارد گرد جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ صنفی سماج کاری کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ لڑکیوں کو 'خوبصورت' یا 'نازک' کہا جاتا ہے، جب کہ لڑکوں کو 'مضبوط' اور بہادر کی صفت والے الفاظ سے نوازا جاتا ہے۔ بچے اس زبان سے سیکھتے ہیں کہ انہیں اپنی جنس کے مطابق کیسے ہونا چاہیے۔ لڑکیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کھانا پکانے، خریداری کرنے اور صفائی ستھرائی کی سرگرمیوں میں اپنی ماں کی مدد کریں۔ لڑکوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ملازمت کی اعلیٰ خواہشات رکھیں، گھر سے باہر کھیلوں میں مشغول ہوں اور مستقبل میں کسی بڑے عہدے پا فائز ہوں، تجارت یا وراثت کو سنبھالنے میں اپنے والد کی مدد کریں۔ والدین کا اپنے بچے کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ بچے کی جنس کے لحاظ

سے مختلف ہوتا ہے۔ بیشتر گھرانوں میں لڑکیوں کو بچپن سے ہی شائستہ اور پر سکون انداز میں گھر کے اندر رہنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گھر کے آنگن میں کھیلنے، باہر کی دنیا سے خوف کھانے، اندھیرے سے ڈرنے کے علاوہ نرم گفتاری نیز فرمانبر دارنہ صفت، ایثار وقربانی اور ہر بات کی قبولیت کی طرز کا برتاؤ سکھایا جاتا ہے، جبکہ لڑکوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ اونچی آواز میں اپنی بات رکھیں۔ ضد کریں لیکن روئیں نہیں۔ کھلے مقامات پر نڈر و بے خوف ہو کر کھیلیں۔ خاندانی سطح پر اس طرح کا صنفی برتاؤ بچوں کو بچپن سے ہی بہت کچھ مردانیت اور نسوانیت کے معنی ومفہوم سمجھا دیتا ہے۔

بچّے ان کے ہم عمر ساتھیوں کے ذریعے مختلف طریقوں سے بھی صنفیانہ کا حصّہ بنتے ہیں۔ وہ اکثر ایسے ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے کو ترجیح دیتے ہیں جو یکساں دلچسپی رکھتے ہیں اور اس طرح ایک ہی جنس کے ساتھیوں کی طرف سے سماجی ہونے کا زیادہ امکان بڑھ جاتا ہے۔ جیسے لڑکیاں اکثر دوسری لڑکیوں کی ایک چھوٹی سی تعداد کے ساتھ گہری دوستی کرتی ہیں اور وہ باری باری بولنے اور اتفاق کا اظہار کرتی ہیں۔ لڑکے اکثر بڑے گروپوں میں کھیلتے ہیں، سخت سرگرمیوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ لڑتے جھگڑتے ہیں۔ مار پیٹ کرتے ہیں۔ اپنی فتح وکامرانیوں کا جشن بھی پُر جوش طریقے سے مناتے ہیں۔ بچے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وقت گزارنے کے دوران ان کے لیے کیا '' مناسب'' ہے وہ سیکھتے ہیں۔ بلکہ اس ضمن میں وہ ایک دوسرے سے بحث کرتے ہیں کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو کیا کرنا چاہیے۔ تعلیم کے دوران بھی وہ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ والدین کی طرح اکثر اساتذہ بھی لڑکوں اور لڑکیوں میں صنفی توقعات و برتاؤ رکھتے ہیں۔ جس سے بچوں کے عقائد اور مفروضوں کو مزید تقویت ملتی ہے۔ طلبہ کو تاریخ، سماجیات، معاشیات، سائنس یا ادب کی نصابی کتابوں میں مردوں کے مقابلے خواتین کا ذکر اور کارنامے کم ہی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس کی وجہ سے طلبہ یہ ذہن نشین کر لیتے ہیں کہ علم کے علاوہ تاریخ، تہذیب و تمدن کی ترقی میں صرف مردوں کی ہی حصّہ داری رہی ہے۔ خواتین صرف گھریلو امور تک محدود ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ اسکول میں نظم پڑھی تھی ''کیا خوب لڑی مردانی، وہ تو جھانسی والی رانی تھی''۔ چونکہ جھانسی کی رانی بہادر اور جنگجو تھیں، لہٰذا انہیں مردانی یا مرد جیسا کہہ کر مثال دی گئی اور ان کی خوب تعریف کی گئی۔ گویا عورت اگر بہادری کا مظاہرہ کرتی ہے تو وہ اس کی صفت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ '' مردانہ'' بن جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی لڑکی یا عورت نازک اندام نہ ہو اور طاقت و بہادری کا مظاہرہ کرتی ہے تو اسے فوراً '' مردانہ پن'' کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ سماج میں کئی ایسے جملے عام ہیں جو صنفی تضاد کے ترجمان ہیں۔ جیسے ''لڑکی جوان ہو گئی ہے اسے قابو میں رکھا جائے۔ باہر اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے''۔ دوسری طرف ''لڑکا جوان ہو گیا ہے اسے اب آزاد رکھا جائے۔ اس کے ساتھ اب ٹوکا ٹوکی نہ کی جائے بلکہ اس پر اعتماد کیا جائے''۔ لڑکی اور لڑکے کی پرورش میں اس طرح کے مختلف صنفی تصورات بچپن سے جوانی تک سماج کاری میں شامل رہتے ہیں۔

میڈیا بھی مختلف ذرائعوں سے صنفی دقیانوسی تصورات کو تقویت دیتا ہے۔ بہت ساری فلموں اور ٹی وی کے پروگراموں یا اشتہارات میں مردوں کو اکثر کامیاب ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ انھیں مرکزیت کے ساتھ کسی اہم کام میں مشغول، مہم جوئی کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ ان کے متعلق ایک خاص تصّور بچپن سے ہی ذہن میں نقش ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں خواتین عام طور پر ضمنی کرداروں میں پیش کی جاتی ہیں۔ اکثر انہیں جسمانی طور پر ایسی پر کشش ایک شئے (Sexual Commodity/product) کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو مرد کی نگاہوں کو فوراً پسند آجائے۔ گیتوں کے ذریعے ان کی خوبصورتی کے قصیدے سنائے جاتے ہیں۔ خواتین کے رول اکثر کمزور اور غیر فعال ہوتے ہیں۔ وہ فکر و فہم سے بھرپور مہم جو یا باہمت فرد کے بجائے، مرد کرداروں کے لیے محبت کی دلچسپی یا ایثار و قربانی سے بھرپور شخصیت یعنی ماں یا منفی کردار کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ اگرچہ کہ فلم و ٹیلی ویژن پر عورت کے مرکزی کردار پر چند کہانیاں پیش ہونے لگی ہیں ۔ میڈیا ہاوسس میں خواتین ڈائرکٹرس اور پروڈیوسرس کی شرکت کسی قدر بڑھی ہے اور خواتین کے کرداروں کی پیش کشی میں کسی حد تک تبدیلی آئی ہے لیکن آج بھی انہیں روایتی طور پر صنف کے لحاظ سے مناسب رول ہی دیے جاتے ہیں۔ اشتہارات، گیت، رسوم و رواج یا ادبی تحریروں میں پدر سریئت اور صنفی تصورات کی بے شمار جھلکیاں دیکھنے اور پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ سماجی ادارے یعنی، الکٹرانک یا پرنٹ میڈیا کے ذریعے صنفی تصورات اور کرداروں کی پیش کشی سماج پر بڑا گہرا اثر ڈالتی ہے اور بالواسطہ طریقے سے سماج میں صنفی سماج کاری کا عمل جاری رہتا ہے۔

4.7 ہندوستان میں صنفی تصورات اور لڑکیوں کی سماج کاری

(Gender concepts and socialization of Girls in India)

پچھلے صفحات پر سماج کاری کی تعریف، صنفی سماج کاری اور اس کے اہم عوامل سے واقفیت حاصل کی گئی۔ تاہم لڑکیوں کی سماج کاری کو مزید باریک بینی سے سمجھنا اس لیے بھی اہم ہے کہ ہندوستانی سماج میں لڑکیوں اور خواتین کو تحفظ فراہم کرنے نیز ان کی حیثیت کو بہتر بنانے کے سینکڑوں اقدامات مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں۔ اسی لیے ہمیں یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ آخر صنفی تصورات کی جڑیں کہاں تک پیوست ہیں اور کس طرح سے انھیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ مشہور فرانسیسی فلسفی اور تانیثیت کی علمبردار سیمون دی بوووار (Simone de Beauvoir) نے اپنی کتاب (1949) The Second Sex میں ایک جملہ لکھا تھا:

"One is not born, but rather becomes, a woman."

آیئے اس قول کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ عورت ہونا صرف حیاتیاتی(biological) حقیقت نہیں بلکہ ایک سماجی اور ثقافتی تشکیل(social and cultural construction)ہے۔عورت کے طور پر پیدا ہونا صرف جسمانی یا جنس(Sex)شناخت کو ظاہر کرتا ہے جس طرح کسی مرد کی حیاتیاتی پہچان ہوتی ہے،لیکن "عورت بننا" ایک سماجی عمل ہے جو سماج کاری کے ذریعے مکمل ہوتا ہے۔معاشرہ لڑکیوں پر کچھ خاص صفات، توقعات، کردار اور ذمہ داریاں عائد کرتا ہے، جنہیں دہراتے دہراتے عورت انھیں اپنی پہچان کا حصہ بنا لیتی ہے۔مثال کے طور پر لڑکیوں کو بچپن سے ہی نرمی، گھریلو کام کی ذمہ داری، خدمت گزاری، شفقت، ممتا، ایثار سکھائی جاتی ہے اور وہ مکمل طور پر ان صفات پر کھری اترنے کی کوشش کرتی ہیں۔جس کا نتیجہ آپ اپنی والدہ کی روزمرہ زندگی میں بھی دیکھتے ہوں گے۔وہ کبھی گھر کے کسی فرد سے پہلے اپنی خواہش یا ضرورت پر اظہار نہیں کرتیں۔اگر وہ بھوکی بھی ہیں تو کبھی سب سے پہلے کھانے سے فارغ نہیں ہوں گی۔بیمار ہیں لیکن دوسروں کی خدمت کو اولیت دیں گی۔زندگی کے تمام معاملات میں اپنی پسند کو کبھی ترجیح نہیں دیں گی۔ ہر پل گھر کے تمام افراد کی خواہشات کا لحاظ رکھیں گی۔اس طرح سے وہ دھیرے دھیرے اپنے وجود کو ختم کرتی چلی جاتی ہیں اور کسی دوسرے فرد کو احساس بھی نہیں ہونے دیتیں۔گھر کے تمام افراد ان کی صفات اور اعمال کو قدرتی اور فطری فرائض کا نام دے کر مطمعین ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ان نکات پر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ یہ فطری نہیں ہیں بلکہ لڑکیوں پر فرائض بنا کر ڈال دی گئی ہیں اور مختلف پہلوؤں سے ان کے ذہن اور شخصیت کا حصّہ بنادی گئی ہیں۔ اس طرح عورت ہونا کوئی قدرتی اور پیدائشی صفت نہیں بلکہ ایک سماجی تشکیل(Social Construction)ہے جو وقت اور ماحول کے ساتھ وجود میں آتی ہے۔

صنفی سماج کاری کی بناء پر ہندوستانی عورت کا کردار بہت متاثر ہوا ہے کیونکہ یہ محنت کی تقسیم کو بھی متاثر کرتا ہے نیز وسائل تک رسائی اور کنٹرول پر بھی اثرانداز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر عورتیں وسائل تک کم رسائی حاصل کرتی ہیں اور اپنی محنت پر ان کا بہت کم کنٹرول ہوتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جنسی شناخت کی بنیاد پر کام یا محنت کی تقسیم صنف کی سماجی تشکیل کا بنیادی جزہے۔

اکثر خاندانوں میں لڑکی کی پیدائش کو ایک المیہ سمجھا جاتا ہے۔ہندستان کے کئی گھرانوں میں لڑکی کی پیدائش سے قبل ہی حمل ساقط کروادیا جاتا ہے۔ایسی کئی ریاستیں ہیں جہاں کا جنسی تناسب شدید طور پر متاثر ہے۔اگر پہلی لڑکی ہو تو ماں باپ خود کو تسلی دیتے ہیں اور اس کو چھوٹی سی لکشمی کہتے ہیں جو دولت اور شہرت کی دیوی ہے۔اور یہ امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے بعد ضرور لڑکا لے کر آئے گی۔جو خاندان کا وارث ہوگا۔اگر لگاتار لڑکیوں کی پیدائش ہو تو خاندان بڑے صدمے سے دوچار ہو جاتا ہے۔نتیجہ میں ماں کو پریشان کیا جاتا ہے۔لڑکی کی پیدائش کا اسے ہی ذمہ دار ٹھیرایا جاتا ہے۔لڑکیوں کو ناپسند کیا جاتا ہے۔بار بار ان لڑکیوں کو یہ باور کروایا جاتا ہے کہ وہ پرایا دھن ہیں۔بلکہ عہدِ طفلی سے ہی اس کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جاتی ہے کہ وہ اس گھر میں چند سالوں کی مہمان ہے۔لہذا انھیں ایسی صفات پیدا کرنی ہے جو انھیں دوسروں

کے گھر میں بسنے کے لیے لازم ہیں۔انھیں یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ ان کی شادی پر ایک بھاری رقم خرچ ہو گی لہٰذا ان کی تعلیم پر خرچ کرنا مناسب نہیں ہے۔ سماجی سطح پر یہ خیال عام ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم پر رقم خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ریت پر پانی ڈالنا۔بجائے اس کے لڑکے کی پرورش اور تعلیم پر پیسہ خرچ کیا جانا ایسا ہے جیسے ایک تناور درخت لگایا جارہا ہے جو آگے چل کر پھل اور ٹھنڈی چھاؤں دے گا۔اور جو پیسہ لڑکوں پر خرچ کیا جائے گا وہ کئی گنا زیادہ واپس ملے گا۔ کیونکہ مرد اولاد بڑھاپے کا سہارا بنے گی۔ یہ نظریہ کم و بیش تمام مذاہب کے افراد میں عام ہے۔ بعض مذاہب میں ماں باپ کے مرنے پر آخری رسومات لڑکے کو ہی ادا کرنی ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے بھی لڑکے کو کافی اہمیت دی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی بیجانہ ہو گا کہ بچہ کی پیدائش سے قبل بیٹے کی پیدائش یعنی اولادِ نرینہ کی دعائیں دی جاتی ہیں اور کئی لوگ منتیں یا مرادیں مانگتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں کہ انھیں بیٹا ہی ہو خاص پوجائیں ہوتی ہیں اس کے علاوہ بیویاں اپنے شوہروں کے لیے اور مائیں اپنے لڑکوں کی لمبی حیات کے لیے روزے رکھتی ہیں۔اور پوجا کرتی ہیں۔اس لیے کہ لڑکے کو گھر کا چراغ مانا جاتا ہے جو جائیداد کا وارث نسلوں کو آگے بڑھانے والا اور چتا کو آگ دینے والا ہوتا ہے۔ لڑکیوں پر بچپن سے ہی مختلف طرح کی پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ان کے آنے جانے،ان کے لباس، کھانے پینے، کھیل کود پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ یہ کنٹرول آگے چل کر اور بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ بچپن سے تربیت پائے طریقوں میں پل کر خود لڑکی بھی اپنے آپ کو اسی طرز میں ڈھال لیتی ہے وہ نازک اندام، شرمیلی کم گو، محبت وایثار والی، صابر لڑکی کے روپ میں اپنی شخصیت کو سنوار لیتی ہے۔اور ذہنی طور پر یہ بھی قبول کر لیتی ہے کہ ماں باپ کا گھر پرایا گھر ہے۔اس کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہے اور اسے وہاں ایک اچھی بیوی اور بہو کی حیثیت سے مختلف فرائض نبھانے ہیں اور اپنا ایک بہترین کردار ثابت کرنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کرداروں کو نبھانے کے لیے اسے مخصوص کی گئی نسوانی خصوصیات کی تربیت دی جاتی ہے۔

لڑکیوں کے بر خلاف، لڑکوں کو آزادانہ ماحول فراہم کیا جاتا ہے ان کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ان کے کھیل کود، کھانے پینے اور ان کی صحت کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے۔ تعلیم کے بھی انھیں خاص مواقع دیے جاتے ہیں۔کچھ اتنے آزادانہ ماحول میں ان کی پرورش ہوتی ہے کہ ابتداء سے ہی وہ تیز طرار، خود سر اور مالکانہ حقوق والے بن جاتے ہیں۔ بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں کو فیصلہ سازی کا بھی کم ہی موقع دیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے جوان ہوتے ہیں ان پر خاندان کا کنٹرول بڑھ جاتا ہے، ان کی آمد ورفت کم ہو جاتی ہے اور کئی طرح کی پابندیاں لگا دی جاتی ہیں۔ دوسری طرف نوجوان لڑکوں کو زیادہ آزادی، زیادہ گھومنا پھرنا من مانی کرنے کی چھوٹ مل جاتی ہے۔آج کل کچھ تبدیلی ضرور آئی ہے کچھ حد تک لڑکی کی تعلیم و تربیت پر بھی توجہ دی جارہی ہے لیکن تصویر کا دوسرا رخ بالکل ویسا ہی ہے جیسا برسوں قبل رہا تھا۔آج بھی خاندان ہی وہ پہلا اور اہم سماجی ادارہ ہے۔ جہاں صنف کی تشکیل کی ابتداء ہوتی ہے۔ ''شادی'' دوسرا سماجی ادارہ ہے جو خواتین پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہاں بھی مختلف روایات، رسوم ورواج صنف کے سماج کاری میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بعض مذہبی رسومات بھی اس عمل میں حصّہ لیتے

ہیں۔ وہیں میڈیا اور تہذیبی امور دوسرے اہم ادارے ہیں جن کے ذریعہ صنف کی تشکیل ہوتی ہے۔ انہی اداروں میں ایک لڑکی کو خاتونِ خانہ بننے کے لیے سماجی ضابطوں کے مطابق اپنے رول انجام دینے کے لیے سماجی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اور لڑکے کو اہم سماجی اور خاندانی فرد کی حیثیت سے تربیت دی جاتی ہے۔ یہ حقیقت صرف ہندستان کی ہی نہیں ہے بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں لڑکی اور لڑکے کے سماجیانہ میں فرق پایا جاتا ہے۔

چونکہ ہندوستان میں مرد اساس سماج ہے اور اس سماج میں صنف کاری ایک اہم عنصر ہے۔ صنفی سماج کاری کا تصور خواتین کی ترقی پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ چونکہ یہ تصورات خواتین کو ثانوی درجہ پر دیتے ہیں اور انہیں ترقی سے دور صرف گھریلو امور تک محدود رکھتے ہیں۔ اس لیے خواتین ترقی کے عمل میں برابر کی ساجھے دار نہیں بن سکتیں۔ ان کی تعلیم اور ہنر مندی اور جسمانی وذہنی صحت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی۔ انہیں پیداواری وسائل بالخصوص، زمین، تجارت یا کیریر کے انتخاب پر حق اور کنڑول نہیں دیا جاتا۔ علاوہ ازیں خواتین کے خلاف گھریلو تشدد کے نتیجے میں ان سے آگے بڑھنے، خود اعتمادی کو فروغ دینے کے اور اپنی ممکنہ صلاحیت کو پورا کر پانے کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔ گھر کے اندر تشدد یا تشدد کا خطرہ ان پر بہت گہرا اور بنیادی اثر ڈالتا ہے۔ جو ان کی انفرادی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کے خاندان اور معاشرے پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

4.8 صنف کی سماج کاری کے سماج پر اثرات

(Impact of Gender Socialization on the Society)

صنف کی سماجی کاری (Gender Socialization) اس عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے لڑکوں اور لڑکیوں کو بچپن سے ہی معاشرتی، ثقافتی، اور مذہبی طور پر مخصوص صنفی کردار سکھائے جاتے ہیں۔ یہ کردار اکثر سماجی رویوں، خاندان، تعلیمی اداروں، میڈیا، اور مذہب کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں۔ بہت سے دیہی علاقوں میں لڑکیوں کی تعلیم کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان کا ماننا ہوتا ہے کہ لڑکی کو آخر کار شادی کے بعد گھر سنبھالنا ہے، اس لیے تعلیم پر وقت اور پیسہ ضائع کرنا بیکار ہے۔ اس رویے سے لڑکیوں کی شرح خواندگی کم رہ جاتی ہے، اور وہ پیشہ ورانہ شعبوں میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ لڑکوں کو انجینئر، ڈاکٹر یا پولیس آفیسر بننے کی ترغیب دی جاتی ہے، جب کہ لڑکیوں کو نرس، ٹیچر یا صرف گھریلو خاتون بننے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس سے پیشوں میں صنفی عدم توازن پیدا ہوتا ہے، اور خواتین کو معاشی آزادی حاصل کرنے میں رکاوٹ پیش آتی ہے۔ گھریلو تشدد اور صنفی امتیاز اس کی ایک اہم مثال ہے۔ بہت سے گھرانوں میں مرد کو "گھر کا مالک" سمجھا جاتا ہے اور خواتین کو تابعدار خیال کیا جاتا ہے۔ گھریلو تشدد کو اکثر "معمول کی بات" سمجھا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں عورتیں اپنے حقوق سے ناواقف رہتی ہیں اور

ظلم سہنے کو قسمت سمجھ لیتی ہیں۔ ہندوستانی سماج میں کم عمری کی شادی ایک اہم سماجی مسئلہ ہے جو صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ بہت سے والدین لڑکی کو وقتیہ "ذمہ داری" سمجھ کر جلدی شادی کروادیتے ہیں تاکہ وہ معاشرتی دباؤ سے بچ سکیں۔ کم عمری کی شادی کی وجہ سے لڑکیوں کی تعلیم رک جاتی ہے،اور وہ کم عمری میں ماں بننے کے خطرات سے دوچار ہوتی ہیں۔

صنف کی سماج کاری کے نتیجے میں صدیوں کے دوران معاشروں پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں اور عدم مساوات میں اضافہ ہوا ہے۔اس طرزِ عمل کے نتیجے میں تمام افراد یعنی عورت ومرد کی صلاحیتیں' تہذیب وتمدن کی ترقی وبقاء میں استعمال ہونے کے بجائے ضائع ہوئی ہیں۔ بالخصوص صنفی سماج کاری کے نتیجے میں عورت کا مقام ومرتبہ کم ہوتا چلا گیااور وہ سماج میں ثانوی حیثیت پر پہنچ گئی۔ کم علمی، غربت اور پسماندگی ان کے حصّہ میں آگئی' جس کے اثرات خاندان اور معاشرے پر پڑتے رہے۔ بہت سے معاشروں میں خواتین کے گھریلوں ذمہ داریوں کی قدر نہیں کی جاتی ہے۔ خواتین اکثر زیادہ بلا معاوضہ کام کرتی ہیں جیسے گھر کے کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال اور بزرگوں کی دیکھ بھال کو لازمی نسوانی کردار کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اس کی قدر نہیں کی جاتی۔ کام کی جگہ میں عدم مساوات ایک عام سا رجحان ہے۔ بہت سے آفیسرس یا آجروں کے پاس صنفی تعصب ہوتا ہے۔ وہ یہ تصور رکھتے ہیں کہ خواتین کمزور کارکن ہوتی ہیں۔ خاص طور پر اگر عورت شادی شدہ اور اولاد والی ہو تو یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ وہ محنت سے کام نہیں کر پائے گی۔ جب کہ رپورٹس بتاتی ہیں کہ کام کی جگہ پر مردوں کے مقابلے خواتین زیادہ کام کرتی ہیں۔ خواتین اب بھی مردوں کے برابر کام مکمل کرنے کے لیے اجرت کے فرق کا تجربہ کرتی ہیں۔ خواتین کے زیر تسلط ملازمتیں جیسے کہ صحت کی دیکھ بھال میں اکثر مردوں کے غلبہ والے کرداروں کے مقابلے میں کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔ معاشرہ صنف کے بارے میں بہت سخت خیالات رکھتا ہے۔ یہ ان افراد کو زیادہ منفی طور پر متاثر کرتا ہے جو غیر بائنری، ٹرانس جینڈر، یا کوئی بھی شخص جو پیدائش کے وقت اپنی تفویض کردہ جنس کی شناخت نہیں رکھتے ہیں۔ انھیں سخت چیلینجس درپیش ہوتے ہیں۔ صنفیانہ کی وجہ سے مردوں کو بھی مشکلیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ ان کے لیے طاقتور اور جارحانہ پن کا جو کردار تفویض کیا گیا ہے اس پر وہ کھرے نہ اتریں تو انھیں سماج کی ناپسندیدگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مردوں کو زیادہ جارحانہ ہونے کے لیے سماجی بنایا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں جرائم کا ارتکاب خاص طور پر خواتین کے خلاف تشدد ان کے لیے آسان بن جاتا ہے۔ صنف کی سماج کاری میں میڈیا کا کردار بھی کلیدی قرار دے سکتے ہیں۔ ٹی وی سیریلز اور فلمیں اکثر عورت کو کمزور، جذباتی یا صرف "محبت کا شکار" دکھاتی ہیں جبکہ مرد کو طاقتور، محافظ یا فیصلہ ساز۔ جس کے نتیجہ میں: بچوں کے ذہن میں صنفی امتیاز مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ گرچہ کہ مثبت تبدیلیاں بھی آرہی ہیں۔ کئی اقدامات سے والدین میں شعور آرہا ہے۔ خواتین کھلاڑی، سائنسدان اور سیاست دان سامنے آرہی ہیں، جو دقیانوسی خیالات کو چیلنج کررہی ہیں۔ لیکن سماج کی آبادی کا بڑا حصّہ ان تصورات سے متاثر ہے۔

اہم نکات:

- صنف کی سماج کاری خاندانی سطح پر بچپن سے ہی شروع ہو جاتی ہے' لیکن یہ زندگی بھر کا عمل ہے۔ صنف کے بارے میں جو عقائد اور اصول بچپن میں حاصل کیے جاتے ہیں وہ لوگوں کو زندگی بھر متاثر کرتے رہتے ہیں۔
- تعصبات، امتیازی سلوک، اور خواتین کے خلاف تشدد کی جڑیں وسیع پیمانے پر صنفی دقیانوسی تصورات میں تلاش کی جاسکتی ہیں جو صنف کی سماج کاری کا ہی نتیجہ ہیں۔
- صنف کی سماج کاری کے نتیجے میں بہت سارے مسائل پیدا ہوئے ہیں اور انفرادی ترقی سے لے کر قومی ترقی تک اثر انداز ہوئے ہیں۔' لہذا سماجی اداروں میں دقیانوسی اور روایتی صنفی سماج کاری کے عمل میں تبدیلی اور مثبت، جامع اور متنوع سماجی اصولوں کی حمایت کے ذریعے ایک مساویانہ و ترقی یافتہ معاشرے کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔
- تعلیم یافتہ معاشرہ صنف کاری کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے اور صنفی طور پر حساس فرد بنانے کی طرف مزید اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

4.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو گئے کہ

1۔ سماج کاری کے مفہوم کو سمجھ پائے اور ایک انسان کی زندگی میں سماج کاری کی اہمیت سے واقف ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے سماج کاری میں معاون سماجی اداروں سے بھی واقفیت حاصل کی اور آپ نے یہ جانا کہ راست یا بالواسطہ طریقے سے ہم سب کس طرح اور کن کن عوامل کے ذریعے سے بہت کچھ سیکھتے رہتے ہیں اور انھیں اپنی صفات کے طور پر قبول کرتے ہیں۔

2۔ اس اکائی کے مطالعے سے آپ نے ''مردانیت اور نسوانیت'' کی اصطلاحات کو وضاحت سے سمجھنے کی کوشش کی اور یہ بھی معلوم کیا کہ ان سے وابستہ صفات کتنی حد تک تشکیل کردہ ہیں۔ یعنی کوئی بھی فرد (خواہ مرد یا عورت) سماج کے تشکیل کردہ مردانگی اور زنانہ پن کی صفات سے ہٹ کر عمل کرتے ہیں تو سماج انھیں فوراً کسی بھی ذریعے سے تاکید کرنے لگ جاتا ہے کہ وہ غلط کردار میں پیش ہو رہے ہیں۔ جیسے کہ ایسے مرد افراد جو شفیق ہیں، جو جارحیت پسند اور رعب و دبدبہ والے نہیں ہیں ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور انھیں 'زنانہ' کہا جاتا ہے۔ دوسری جانب جو عورتیں بہادر اور سخت مزاج اور مضبوط ہوتی ہیں انہیں مردانی کہا جاتی ہے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ 'ان صفات کا عورت اور مرد کے جسم یا حیاتیات سے کوئی واسطہ نہیں ہے، لیکن سماج میں ان تصورات کو سختی کے ساتھ نافذ کیا جاتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لیے مناسب صفات نظر آنے لگتی ہیں۔

3۔ اس اکائی کے مطالعے سے صنف کے تصور کے متعلق آپ کی سمجھ مزید بہتر ہوئی ہوگی۔ آپ نے یہ جان لیا ہوگا کہ صنف ایک سماجی ڈھانچہ ہے جس کا تعلق ان طور طریقوں، اقدار اور رسوم رواج سے ہے جو سماج کاری کا حصّہ ہوتے ہیں۔ یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ ان تصورات کا

تعلق فطرت سے نہیں ہے۔ جنس اور ہماری حیاتیاتی شناخت کبھی نہیں بدلتی۔ صنف تہذیب اور وقت کے ساتھ بدل سکتی ہے۔ جنس کا تعلق فطرت سے اور صنف کا تعلق سماجیانہ اور سماج کے ذہنی رویوں سے ہوتا ہے۔ جسے ہم تبدیل کر سکتے ہیں۔

4۔ صنف کی سماج کاری نے ہندوستانی معاشرے میں صنفی عدم مساوات کو فروغ دیا ہے، لیکن تعلیم، آگاہی، شعور بیداری اور پالیسی اقدامات سے اس عمل کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ معاشرے کو چاہیے کہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو یکساں مواقع فراہم کرے تاکہ ایک متوازن اور ترقی یافتہ سماج تشکیل دیا جا سکے۔

4.10 فرہنگ (Glossary)

- **صنفی کردار:** وہ ذمہ داریاں اور رویے جو معاشرہ عورت اور مرد کے لیے طے کرتا ہے، جیسے مردوں کو کمانے والا اور عورتوں کو گھر سنبھالنے والی تصور کرنا۔
- **صنفی شناخت:** ایک فرد کا اپنی صنف کے بارے میں شعور اور ادراک کہ وہ مرد، عورت یا کوئی اور صنفی شناخت رکھتا ہے۔
- **سماجی اصول:** معاشرے کے وہ غیر تحریری قوانین جو طے کرتے ہیں کہ عورت یا مرد سے کس قسم کے رویے کی توقع کی جاتی ہے۔
- **ثقافتی اقدار:** معاشرتی اقدار اور روایات جو صنفی رویوں کو تشکیل دیتی ہیں، جیسے جہیز دینا یا لڑکوں کو زیادہ تعلیم دینا۔
- **سماج کاری کے ایجنٹس:** وہ ادارے اور افراد جو صنفی رویے سکھاتے ہیں، جیسے خاندان، تعلیمی ادارے، ہم عمر گروہ، میڈیا، اور مذہب۔
- **صنفی دقیانوسیت:** عورت یا مرد کے بارے میں روایتی خیالات، جیسے عورتیں کمزور ہیں اور مرد طاقتور۔
- **طاقت کے تعلقات (Power Relations):** مرد اور عورت کے درمیان اختیار اور فیصلہ سازی کی تقسیم، جو اکثر غیر مساوی ہوتی ہے۔

4.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ صنف کی سماج کاری کا سب سے پہلا اور اہم ادارہ کون سا ہے؟

A) میڈیا B) خاندان C) اسکول D) دوستوں کا گروہ

2۔ میڈیا میں عورتوں کو زیادہ تر کس طرح پیش کیا جاتا ہے؟

A) طاقتور اور خود مختار B) فرمانبردار اور گھریلو C) فیصلہ کن اور رہنما D) سیاسی اور معاشی لیڈر

3۔ دوستوں اور ہم عمر گروہوں کے ذریعے صنفی سماج کاری میں کون سا عنصر نمایاں ہوتا ہے؟

A)کھیلوں کی عادات B)نصابی سر گرمیاں C)دباؤ برائے مردانگی یا نسوانیت D)قانونی پالیسیز

4۔ کون سے عوامل صنفی کرداروں کو مذہبی اور اخلاقی اقدار کی بنیاد پر تشکیل دیتے ہیں؟

A)ریاست B)خاندان C)مذہب اور ثقافت D)میڈیا

5۔ ریاست اور قانون کس طرح صنف کی سماج کاری کو متاثر کرتے ہیں؟

A)نصابی سر گرمیوں کے ذریعے B)قانونی ڈھانچوں اور پالیسیز کے ذریعے

C)ہم عمر گروہوں کے ذریعے D)والدین کی تربیت کے ذریعے

مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1۔ صنف کی سماج کاری سے کیا مراد ہے؟

2۔ "One is not born, but rather becomes, a woman." کی وضاحت کیجیے

3۔ صنفی سماج کاری، صنفی عدم مساوات کو کس طرح تقویت دیتی ہے؟ وضاحت کریں۔

4۔ مردانیت اور نسوانیت کے تصورات کیا ہیں؟ کیا یہ فطری ہیں یا سماجی طور پر تشکیل دیے جاتے ہیں؟

5۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اشتہارات اور فلمیں صنفی دقیانوسی تصورات کو تقویت دیتی ہیں؟

طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ سماجی ادارے سے کیا مراد ہے۔ سماج کاری میں کون کونسے سماجی ادارے کلیدی رول ادا کرتے ہیں؟

2۔ خاندان صنفی سماج کاری میں کس طرح اہم کردار ادا کرتا ہے؟ مثالوں کے ساتھ وضاحت کریں۔

3۔ تعلیم اور تعلیمی ادارے صنف کی سماج کاری کے تصور اور روایات کی تبدیلی میں کس طرح کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مفصل لکھیے

4.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

1۔ Chattopadhyay, S.K. (2018). gender Socialization and the Making of Gender in the Indian Context. Sage Publications: New Delhi

2۔ Rege, S. (Ed.). (2003). Sociology of Gender: The Challenge of Feminist Sociological Knowledge. Sage Publications.

3۔ Bhasin, K. (2013). Exploring Masculinity. Kali for Women.

4۔ Ahuja, R. (2002). Indian Social System. Rawat Publications

5۔ Desai, N., & Krishnaraj, M. (1987). Women and Society in India. Ajantha Publications

اکائی 5۔ تعلیم اور صنفی مساوات

(Education and Gender Equality)

اکائی کی ساخت(Unit Structure)

5.0 تمہید(Introduction)

5.1 مقاصد(Objectives)

5.2 صنفی مساوات کے فروغ میں تعلیم کا رول
(Role of Education in promotion of Gender Equality)

5.2.1 تعلیم کی اہمیت(Importance of Education)

5.2.2 صنف اور تعلیم(Gender and Education)

5.2.2.1 تعلیمِ نسواں کے چیلینجس(Challenges of Women Education)

5.2.3 تعلیم کے ذریعے صنفی مساوات کا فروغ
(Promotion of Gender Equality through Education)

5.2.4 تعلیم کے ذریعے صنفی مساوات کو فروغ دینے کے اقدامات
(Measures to Promote the Gender Equality through Education)

5.3 صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری کا تعلق
(Relation between Gender Eqaulity and Women Empowerment)

5.4 خواتین کی بااختیاری: ضرورت واہمیت(Women Empowerment: Need and Importance)

5.4.1 بااختیاری کی تعریف(Definition of Empowerment)

5.4.2 انسانی زندگی میں بااختیاری کی اہمیت(Importance of Empowerment in Human Life)

5.4.3 خواتین کی بااختیاری سے کیا مراد ہے(What is meant by Women Empowerment)

5.4.4 خواتین کی بااختیاری کے اہم پہلو(Important aspects of Women Empowerment)

5.4.5 خواتین کی بااختیاری میں سماجی وثقافتی رکاوٹیں

(Socio-Cultural constraints in Women Empowerment)
5.5 ہندوستان میں خواتین کی بااختیاری کے اقدامات(Measures of Women Empowerment in India)
5.6 مطالعاتِ نسواں اور صنفی مساوات کا فروغ
(Women's Studies and the promotion of Gender Eqaulity)
5.6.1 مطالعاتِ نسواں: ایک تعارف(Women's Studies: An Introduction)
5.6.2 مطالعاتِ نسواں کے مقاصد(Objectives of Women's Studies)
5.6.3 ہندوستان میں مطالعاتِ نسواں کا آغاز (Genesis of Women's Studies)
5.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcome)
5.8 فرہنگ(Glossary)
5.9 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)
5.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

5.0 تمہید(Introduction)

تعلیم ایک اہم سماجی ادارے کے طور پر، سماجی اقدار اور اصول بنانے اور ذہنی تبدیلی کا کام کرتی ہے۔ تعلیم کو انفرادی اور وسیع تر معاشرے کے لیے کامیابی کی کلید سمجھا جاتا ہے۔ تعلیم ایک مسلسل عمل ہے، جو افراد کو اپنے مقاصد اور خوابوں کو حاصل کرنے کے لیے بااختیار بناتی ہے۔ تعلیم کا سب سے اہم مقصد فرد میں تنقیدی سوچ پیدا کرنا، مسئلے حل کرنے کے قابل بنانا اور باخبر فیصلے کرنے کی صلاحیت کو فروغ دینا ہے۔ مزید یہ کہ تعلیم عدم مساوات کو کم کرنے اور سماجی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جب تمام افراد بشمول پسماندہ گروہ اور خواتین کو معیاری تعلیم تک رسائی حاصل ہو گی، تو وہ اپنی صلاحیتوں کو پہچان پائیں گے اور اپنی سماجی و اقتصادی حالت کو بہتر بنا پائیں گے۔ غربت اور اس کے اثرات سے آگے آنے والی نسلوں کو بچا پائیں گے۔ تعلیم معاشرتی ترقی کا اہم ستون کہلاتی ہے اور تعلیم تک یکساں رسائی، ترقی پذیر معاشروں میں لازمی ہوتی ہے۔ صنفی عدم مساوات ملک کی سماجی اور اقتصادی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اسی لیے لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر مواقع، محفوظ ماحول اور ضروری وسائل فراہم کیے جائیں تو نہ صرف وہ خود ترقی کریں گی بلکہ پورا معاشرہ بھی مستحکم ہو گا۔

سماج کی تمام سطحوں پر صنفی مساوات کا حصول نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمی سطح پر ایک اہم ہدف بنایا گیا ہے۔ صنفی مساوات "کو حاصل کرنے کے لیے خواتین کی بااختیاری کو لازمی عنصر قرار دیا گیا ہے اور اس ضمن میں مختلف اقدامات بھی کیے جا رہے ہیں۔ لہذا صنفی بنیادوں پر تعصبات کو ختم کرنے اور خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے جہاں اعلیٰ و پیشہ وارانہ تعلیم کی شدید ضرورت و اہمیت اجاگر ہوئی ہے،

وہیں صنفی حساس نصاب کی شمولیت پر بھی توجہ مرکوز کی جارہی ہے۔اس اکائی میں ہم صنفی مساوات کے فروغ میں تعلیم کے رول کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور خواتین کی بااختیاری اور صنفی مساوات کے درمیان تعلق کو جانیں گے۔ علاوہ ازیں صنفی حسّاسیت اور خواتین پر مرکوز تعلیم کی ضرورت واہمیت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- سماج میں صنفی مساوات کو فروغ دینے میں تعلیم کی اہمیت کو سمجھ پائیں گے۔
- صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری کے درمیان تعلق کو سمجھ پائیں گے۔
- خواتین کی بااختیاری میں حائل سماجی وتہذیبی روکاوٹوں سے واقفیت حاصل کر پائیں گے۔
- تعلیم کے ذریعے خواتین کی بااختیاری اور سماج کی صنفی حسیت پذیری میں ''مطالعاتِ نسواں'' کی ضرورت واہمیت کو جان پائیں گے۔

5.2 صنفی مساوات کے فروغ میں تعلیم کا رول

(The Role of Education in promotion of Gender Equality)

5.2.1 تعلیم کی اہمیت (Importance of Education)

تعلیم ہمارے پاس مستقبل کی تشکیل کے لیے سب سے طاقتور آلہ ہے۔ تعلیم افراد کو بااختیار بناتی ہے۔اقتصادی ترقی کوآگے بڑھاتی ہے اور سماجی ترقی اور مساوات کو فروغ دیتی ہے۔ تعلیم سائنس اور ٹیکنالوجی کا فروغ سماج کو ترقی کی اونچائی تک پہنچاتا ہے۔ تعلیم صرف ایک استحقاق نہیں ہے بلکہ ایک انسانی حق ہے جو سب کے لیے قابل رسائی ہونا لازمی ہے۔ سماج کے تمام طبقات بشمول خواتین میں تعلیم کو فروغ دینادراصل پورے معاشرے کے لیے ایک روشن، زیادہ خوشحال مستقبل میں سرمایہ کاری کرنے کے برابر ہے۔

تعلیم مساوات کو فروغ دینے اور افراد کی سماجی حیثیت کو بہتر بنانے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ مثال کے طور پر سماج کے تمام طبقات کی تعلیم تک رسائی سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ تعلیم انہیں سماجی وتہذیبی رکاوٹوں سے آزادی حاصل کرنے، افرادی قوت میں حصہ ڈالنے اور روایتی صنفی کرداروں کو چیلنج کرنے کے قابل بناتی ہے۔ بالخصوص جب لڑکیاں اور خواتین تعلیم یافتہ ہوتی ہیں تو پوری معاشرے کو فائدہ ہوتا

ہے، کیونکہ وہ نہ صرف اپنی صلاحیتوں کے فائدہ بخش استعمال کے قابل بن جاتی ہیں بلکہ اپنے خاندان کی صحت، تعلیم اور نسلوں کی تربیت و ترقی کی معاون بھی بن جاتی ہیں۔ خواتین کے لیے، تعلیم، غربت، انحصار اور پسماندگی سے نکلنے کا راستہ ہے۔

تعلیم انسان کی شخصیت کو سنوارتی ہے، اس کے اندر شعور، عقل اور فہم پیدا کرتی ہے۔ تعلیم کا حصول ہر فرد کے لیے بنیادی حق کے طور پر قبول کیا گیا ہے وہ فرد کسی بھی جنسی شناخت سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن کئی ممالک میں، خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں جنس کی بنیاد پر تعلیم کے حصول میں فرق پایا جاتا ہے۔ یہی صنفی عدم مساوات معاشرتی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے۔ صنفی تفریق کی سب سے بڑی وجہ روایتی اور قدامت پسند سوچ ہے۔ ہندوستان میں یہ مسئلہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جب لڑکے اور لڑکیوں یا دیگر جنسی شناخت کے افراد کو یکساں تعلیمی مواقع میسر نہ ہوں، یا جب لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھا جائے تو اس سے صنفی عدم مساوات پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ لڑکیوں کی جگہ صرف گھر ہے اور تعلیم ان کے لیے ضروری نہیں ہے۔ غریب خاندان اکثر لڑکیوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کے بجائے انہیں گھریلو کام یا کم عمر شادی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ معاشرتی ترقی کے لیے لڑکیوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین بہتر ماں، بہتر بیوی اور ایک باخبر شہری بن سکتی ہیں۔ ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ خاندانی فلاح و بہبود کا انحصار تعلیم یافتہ افراد پر ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ افراد بہترین ذہن اور سوچ و فکر کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے افراد قومی ترقی میں اپنا اہم حصّہ ادا کر سکتے ہیں۔ جب تعلیم یافتہ مرد و خواتین تجارت کرتے ہیں یا روزگار حاصل کرتے ہیں تو خاندان کی آمدنی بڑھتی ہے اور غربت کم ہوتی ہے۔ خاندان معاشی طور پر خوش حال بن جاتے ہیں۔ تعلیم انھیں بہتر فیصلے کرنے کے قابل بناتی ہے۔ تعلیم کے ذریعے صنفی مساوات کے تصور کو عام کیا جا سکتا ہے، کیونکہ صنفی مساوات کے بغیر ایک ترقی یافتہ اور منصفانہ معاشرہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم کسی ایک صنف کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ضروری ہے۔

5.2.2 صنف اور تعلیم (Gender and Education)

تعلیم انسان کو شعور، تربیت اور سوچنے کی صلاحیت فراہم کرتی ہے۔ تعلیم نہ صرف سماجی تبدیلی کے لیے ایک کیاٹا لسٹ (Catalyst) کے بطور کام کرتی ہے بلکہ انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو تلاش کرنے اور انھیں ترقی کی طرف گامزن ہونے کے لیے طاقتِ پرواز بھی عطا کرتی ہے۔ تعلیم کو ذہنوں کو کھولنے کی کلید کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے، لیکن بہت سے ترقی پذیر ممالک بشمول ہندوستان کی ایسی کئی ریاستیں ہیں جہاں آج بھی لڑکیوں کو تعلیم کے مساوی مواقع حاصل نہیں ہیں۔ تاریخی طور پر خواتین تعلیم سے دور رکھی گئیں۔ خواتین کو اپنی شخصیت کی نشوونما اور ترقی تک رسائی سے دور رکھا گیا۔ عالمی تناظر میں تعلیمِ نسواں کا جائزہ لیں تو عرصہ دراز تک وہ صنفی دائروں میں ہی قید نظر آتی ہیں۔ خواتین کی تعلیم کا سفر جدوجہد، لچک اور بتدریج تبدیلی سے ہم کنار ہے۔ ابتدائی دور کے معاشرتی رکاوٹوں سے لے کر

جدید دور کی ترقی تک، اگرچہ کہ خواتین کے لیے تعلیمی منظر نامے میں نمایاں طور پر ترقی ہوئی ہے۔ لیکن یہ تبدیلی تمام طبقات میں یکساں اور مساوی نہیں ہے۔

تعلیم صرف علم فراہم کرنے کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ سماج کاری کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ تعلیمی ادارے معاشرے کے ایسے اہم مراکز ہوتے ہیں، جہاں طلباء سماجی اصولوں اور تہذیبی اقدار کو سیکھتے ہیں۔ تاہم صدیوں سے چلے آرہے پدرسری نظام اور صنفی تصورات کی وجہ سے تعلیم کا شعبہ بھی متاثر ہوا اور ایسا نظام، روایات اور نصابِ تعلیم بنتا چلا گیا جو صنفی عدم مساوات اور روایتی صنفی کرداروں کو مزید تقویت دینے والا ہے۔ اسکولوں کا نظام اور اصول بھی صنفی کردار کو تقویت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر بیشتر اسکولوں میں لڑکیوں سے کھانا پکانے یا سلائی، کڑھائی جیسی سرگرمیوں میں حصّہ لینے پر زور دیا جاتا ہے، جبکہ لڑکوں کو کھیلوں میں حصہ لینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس طرح کے طرزِ عمل طلباء کو ان کی صنف کی بنیاد پر پہلے سے طے شدہ کرداروں تک محدود کرتے ہیں اور ان کی صلاحیتوں کی پرواز کو روک دیتے ہیں۔

نصابی کتابیں اکثر معاشرتی اور صنفی تعصبات کی عکاسی کرتی ہیں۔ بالعموم مضامین میں مردوں اور عورتوں کو روایتی کرداروں میں پیش کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، تاریخ کی ایک کتاب خالص خواتین کی شراکت اور مختلف شعبہ جات میں ان کی حصّہ داری پر شامل ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسی کوئی کتاب نصاب میں شامل نہیں ہے جبکہ اس موضوع پر اسباق بھی کم ہی شامل ہیں۔ ادب کی نصابی کتابوں میں ایسی کہانیاں پیش کی جاتی ہیں جہاں خواتین کو مرکزی کرداروں یا قائدانہ رول ادا کرتے ہوئے کم ہی پیش کیا جاتا ہے جبکہ انھیں نگہداشت کرنے والی یا گھریلو خواتین کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ جس سے طلباء کے ذہنوں میں موجود صنفی تصورات کو تقویت ملتی ہے۔

اعلیٰ تعلیمی ادارے بھی بسا اوقات صنفی اصولوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ بعض مضامین دقیانوسی طور پر ایک صنف کے ترجمان ہوتے ہیں۔ جیسے لڑکوں کے ساتھ انجینئرنگ اور خواتین کے ساتھ نرسنگ۔ تاہم، تعلیم کے شعبے میں دقیانوسی تصورات کو صنفی غیر جانبدار نصاب کے ذریعے فروغ دیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی اداروں کو جامع پالیسیوں اور طریقوں کے ذریعے ان دقیانوسی تصورات کو ختم کرنے کے لیے فعال طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

رسوم و رواج اور فرسودہ نظریات اور عقائد، خواتین کی تعلیم تک رسائی کو نمایاں طور پر متاثر کرتے ہیں۔ بہت سے معاشروں میں آج بھی روایتی نظریات عورت کے کردار کو بیوی اور ماں کے طور پر ہی قبول کرتے ہیں اور ان کی تعلیم پر ترجیح نہیں دیتے ہیں۔ کم عمری کی شادیاں اور لڑکیوں کی تعلیم کو منقطع کرنے کا رواج کئی معاشروں بالخصوص ہندوستان میں بھی رائج ہے۔ ہندوستان میں بہت سی لڑکیوں کے لیے تعلیم تک رسائی ممکن نہیں۔ سماجی و تہذیبی روایات، معاشی حالات ان کے لیے ایک بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ غربت، اسکولوں اور کالجوں کی

دوری اور حفاظتی خدشات جیسے عوامل اکثر لڑکیوں میں تعلیم چھوڑنے کی شرح میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔مزید برآں' محدود وسائل والے خاندان بیٹوں کی تعلیم کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ لڑکوں کو روٹی کمانے والے اور لڑکیوں کو مستقبل کی گھریلو خواتین کے طور پر دیکھتے ہیں۔

معاشرے میں خواتین کے لیے متوقع کردار اکثران کی تعلیمی راہوں کا تعین کرتے ہیں۔روایتی طور پر پدر سری گھرانوں میں خواتین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایسے مضامین پر توجہ مرکوز کریں جو نگہداشت کے کردار کے مطابق ہوں جیسے کہ تدریس یا نرسنگ۔ بر سرِ روزگار خواتین کی بڑی تعداد اسی شعبہ میں نظر آتی ہے۔انجینئرنگ، ٹیکنالوجی، میڈیسن، انتظامیہ یا ذرائع ابلاغ وغیرہ' جیسے شعبوں میں ان کے داخلہ کی شرح کم ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان شعبوں میں خواتین کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع کم ہوتے ہیں۔ان چیلنجوں کے باوجود' تعلیمِ نسواں کے متعلق نقطہ نظر میں کچھ تبدیلی آئی ہے۔اس ضمن میں حکومتی اقدامات اور غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینے کی کوششوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔فی زمانہ زیادہ تر خاندان لڑکیوں کو تعلیم دینے کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔ یہ اہم نکتہ بھی سمجھ آنے لگا ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین' خاندان کی آمدنی میں حصہ دار ہو سکتی ہیں۔اپنے بچوں کی صحت اور تعلیم و تربیت بہتر طور پر کر سکتی ہیں۔ سماجی زندگی میں بھی زیادہ فعال طور پر حصہ لے سکتی ہیں۔تاہم یہ تبدیلی صرف کچھ شہروں اور خاندانوں تک محدود ہے۔مذکورہ صنفی تصورات کو ختم کرنے اور مساوی اور معیاری تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

5.2.2.1 تعلیمِ نسواں کے چیلنجز(Challenges of Women Education)

ہندوستان میں تعلیمِ نسواں کو عام کرنے کی کوششیں یوں تو انیسویں صدی سے ہی شروع ہو گئی تھیں' لیکن ملک کی آزادی کے بعد اسے پالیسی سازی کا حصہ بنایا گیا اور کئی پروگرامس روبہ عمل لائے گئے' جبکہ عوامی سطح پر بھی تعلیمِ نسواں کو فروغ دینے کی بے شمار کوششیں کی گئیں۔لڑکیوں اور خواتین کے لیے تعلیم تک رسائی کو بہتر بنانے میں ہونے والی پیش رفت کے باوجود آج بھی کئی چیلنجز برقرار ہیں۔ جن کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے۔

ثقافتی رکاوٹیں: بہت سے خطوں میں، ثقافتی اصول لڑکوں کی تعلیم کو لڑکیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ صنفی کرداروں کے بارے میں روایتی عقائد کی وجہ سے بیشتر خاندان لڑکوں کی تعلیم میں سرمایہ کاری کرتے ہیں' جبکہ لڑکیوں کے لیے شادی اور اس سے جڑے جہیز کے نظام کا تصور رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے تعلیم کے حصول میں وسیع صنفی فرق کو دیکھا جا سکتا ہے۔

غربت اور معاشی مجبوریاں: معاشی عوامل اکثر لڑکیوں کی تعلیم تک رسائی کو محدود کرتے ہیں۔ غربت میں رہنے والے خاندان اسکول یا کالج کی فیس، یونیفارم یا دیگر اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہوتے ہیں' جس کے نتیجے میں لڑکیاں گھر کے کام یا دیکھ بھال کے کام میں مدد کے لیے ترکِ تعلیم کر دیتی ہیں۔

صنفی بنیاد پر تشدد: صنفی بنیاد پر تشدد، بشمول ایذا رسانی، جنسی استحصال، چھیڑ چھاڑ، اور زنا بالجبر جیسے جرائم، لڑکیوں کے لیے عدم تحفظ کا ماحول پیدا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے والدین لڑکیوں کی تعلیم کو روک دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ آج بھی بعض معاشروں میں لڑکیوں کو اسکول آنے اور جانے کے دوران تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لڑکیوں کے اسکول اور خواتین اساتذہ کی کمی: آج بھی ہندوستان کے بیشتر اضلاع اور دیہاتوں میں لڑکیوں کے اسکولس اور خاتون اساتذہ سے پڑھائی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن تمام مقامات پر صرف لڑکیوں کے اسکول دستیاب نہیں ہیں جبکہ خواتین اساتذہ کی بھی کمی ہے۔ جس کی وجہ سے لڑکیوں کو اسکولوں میں داخلہ کا موقع نہیں ملتا۔ خواتین اساتذہ لڑکیوں کی حوصلہ افزائی اور مدد کرتی ہیں اور ان کے والدین کی کونسلنگ کے ذریعے لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم تک رسائی کو ممکن بنا سکتی ہیں۔

تعلیمی عدم مساوات: شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان تعلیمی معیار میں تفاوت اکثر لڑکیوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ دور دراز علاقوں کے اسکولوں میں وسائل، تربیت یافتہ اساتذہ اور مناسب سہولیات کی کمی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے لڑکیوں کے لیے معیاری اور اعلیٰ تعلیم یا پیشہ وارانہ تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بیشتر گھرانوں میں لڑکیوں کے لیے سائنس اور ٹکنالوجی یا قانون و میڈیسن کی تعلیم غیر ضروری سمجھی جاتی ہے۔ صلاحیتوں کے فروغ کے لیے انھیں تربیتی اداروں میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ تمام عوامل تعلیمِ نسواں اور ان کی مہارت کے درمیان رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔

5.2.3 تعلیم کے ذریعے صنفی مساوات کا فروغ

(Promotion of Gender Equality through Education)

تعلیم، صنفی مساوات کو فروغ دینے اور افراد کو بااختیار بنانے کے لیے سب سے طاقتور آلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ سماج کے تمام طبقات کے لیے معیاری تعلیم تک رسائی اگر ممکن ہو جائے تو ایک باشعور معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ تعلیم زندگی کو بدلنے، رکاوٹوں کو دور کرنے اور دقیانوسی تصورات کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سماجی تبدیلی اور صنفی مساوات کو فروغ دینے میں تعلیم کے اہم کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

1۔ **تعلیم اور بااختیاری:** تعلیم افراد کو علم، ہنر اور اعتماد فراہم کر کے بااختیار بناتی ہے۔ تعلیم یوں تو تمام افراد کو بااختیار بناتی ہے لیکن چونکہ خواتین اور لڑکیوں میں تعلیم کی کمی ہے لہذا ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ان کے لیے تعلیم سماجی و معاشی ترقی کے مواقع پیدا کرتی ہے اور انہیں اپنی زندگی، کیریئر اور صحت کے بارے میں باخبر رہنے نیز فیصلے کرنے کے قابل بناتی ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین افرادی قوت میں حصہ لینے، کمیونٹی کی قیادت میں شامل ہونے اور اپنے حقوق کی وکالت کرنے کا زیادہ امکان رکھتی ہیں۔

2۔ **معاشی فوائد:** تعلیم تک سب کی رسائی سے معاشی فوائد ہوتے ہیں جو قومی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ایسے افراد بشمول لڑکیاں اور خواتین جو تعلیم کے حصول سے دور ہیں، انھیں تعلیم دینادراصل معاشی ترقی اور معیشت کے استحکام میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ جب خواتین تعلیم حاصل کرتی ہیں تو وہ افرادی قوت میں شامل ہونے، زیادہ اجرت حاصل کرنے،اور اپنے خاندانوں اور برادریوں میں سرمایہ کاری کرنے کے قابل بنتی ہیں۔ تعلیم یافتہ خواتین اپنے بچوں کے لیے بھی تعلیم کو ترجیح دیتی ہیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے بااختیار بنانے اور معاشی ترقی کا مثبت و سود مند سلسلہ پیدا کرتی ہیں۔

3۔ **صحت کے بہتر نتائج:** تعلیم، صحت مند ذہن اور صحت مند جسم کے حامل افراد بناتی ہے۔یعنی تعلیم کے حصول سے فرد کو خود آگہی حاصل ہوتی ہے اور وہ سماج اور خاندان میں اپنی اہمیت سمجھتا ہے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو تمام تعلیمی مواقع حاصل ہوں تو تعلیم یافتہ خواتین ان کے خاندان کے لیے بہتر صحت کے نتائج کی ضامن بنتی ہیں۔ تعلیم یافتہ خواتین صحت سے متعلق باخبر ہوتی ہیں۔ طبّی دیکھ بھال حاصل کرنے اور تولیدی صحت کو سمجھنے کا زیادہ شعور رکھتی ہیں اور صحت مند بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ باشعور خواتین صحت مند خاندان اور کمیونٹیز کو مستحکم بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔خواتین میں تعلیم کے فروغ کی وجہ سے کم عمری کی شادی، حمل وزچگی کی پیچیدگیاں یانومولود بچوں کی شرح اموات میں کمی واقع ہوتی ہے۔

4۔ **دقیانوسی تصورات اور اصولوں کو چیلنج کرنا:** جنسی شناخت کی بنیاد پر صنفی تصورات سے متعلق معاشرتی اصولوں اور دقیانوسی تصورات کو چیلنج کرنے میں تعلیم اہم کردار ادا کرتی ہے۔ صنف کے لحاظ سے حسّاس نصاب اور جامع تدریسی طریقوں کو فروغ دے کر،اسکول وکالج کے طلبہ کو روایتی کرداروں پر سوال کرنے اور ایک ایسے ماحول کو فروغ دینے کی ترغیب دی جاسکتی ہے، جہاں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ترقی کا حصّہ بن سکیں۔

5۔ **سیاسی شرکت:** تعلیم خواتین کی سیاست اور شہری زندگی میں حصہ لینے کے امکانات کو بڑھاتی ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین اپنے حقوق سے زیادہ آگاہ ہوتی ہیں اور وہ سیاسی عمل میں شامل ہونے، صنفی مساوات کو فروغ دینے والی پالیسیوں کی وکالت کرنے اور امتیازی طرز عمل کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔خواتین کی سیاسی حصّہ داری اور قیادت سماج پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

5.2.4 تعلیم کے ذریعے صنفی مساوات کو فروغ دینے کے اقدامات

(Measures to promote Gender equality through Education)

تعلیم کے ذریعے صنفی مساوات کو فروغ دینے کے لیے مختلف حکمت عملیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

1۔ **تعلیمِ نسواں میں سرمایہ کاری:** بالعموم لڑکیوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کے بجائے ان کی شادی کے لیے رقم جمع کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے، جبکہ تعلیم لڑکی کو ایک بااختیار و باشعور فرد بناتی ہے۔ اسی لیے والدین لڑکیوں کی تعلیم پر اسی طرح پیسہ خرچ کریں جیسے لڑکوں کی تعلیم پر کرتے ہیں۔ حکومت کی جانب سے لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے مختلف اقدامات کیے جاتے ہیں، باوجود اس کے مزید اس جانب توجہ دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ سماج کے تمام طبقات سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں اعلیٰ تعلیم تک رسائی حاصل کر سکیں۔ لہذا حکومت، پالیسی ساز ادارے اور سماجی و مذہبی تنظیموں کو تعلیمِ نسواں کے لیے مزید فنڈز کی فراہمی اور مستحق لڑکیوں تک اس کی رسائی کو ترجیح دینی چاہیے۔ اسکالرشپ، رہنمائی کے پروگرامس، تعلیمی بیداری پروگرامس، اور میڈیا پلیٹ فارمس سے ایسے اقدامات کیے جائیں جس سے سماج تعلیمِ نسواں اور صنفی مساوات کی اہمیت کو سمجھ سکے اور لڑکیوں کو تعلیمی وسائل تک رسائی کے بھرپور مواقع مل سکیں۔ ٹیکنالوجی کا استعمال لڑکیوں کی تعلیم تک رسائی کو بہتر بنا سکتا ہے، خاص طور پر دور دراز علاقوں میں، آن لائن لرننگ پلیٹ فارمز، موبائل ایجوکیشن کے اقدامات، اور ڈیجیٹل وسائل جیسے اقدامات تعلیم میں موجود صنفی فرق کو ختم کر سکتے ہیں اور لڑکیوں کو سیکھنے اور بڑھنے کے مواقع فراہم کر سکتے ہیں۔

2۔ **محفوظ تعلیمی ماحول کی ضرورت:** تعلیمی اداروں، بشمول اسکول، کالج اور یونی ورسٹیوں میں تمام طلبہ کے لیے تحفظ فراہم کرنا لازم ہے، جبکہ تعلیم کے حصول کے لیے تمام طبقات کی شمولیت کو بھی ترجیح دینی ضروری ہے۔ بالعموم لڑکیوں کے خلاف جرائم کی وجہ سے انھیں ترکِ تعلیم پر مجبور ہونا پڑتا ہے اسی لیے ان جرائم کی روک تھام کے لیے، تحفظ قوانین کا نفاذ، صنفی حسّاسیت پر مبنی شعور بیداری پروگرامس اور صنفی بنیاد پر تشدد کے متاثرین کے لیے وسائل کی فراہمی سے ایک بہتر اور معاون ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔ جو لڑکیوں کی تعلیم کے لیے سازگار ہوتا ہے۔ محفوظ تعلیمی ماحول صرف اسکول یا کالج کی عمارت تک محدود نہیں ہے بلکہ لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینے اور محفوظ ماحول فراہم کرنے میں والدین، کمیونٹی رہنماؤں اور مقامی تنظیموں کو شامل کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ شعور بیداری اور تعلیمی تحریکات لڑکیوں کی اعلیٰ و پیشہ وارانہ تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور فرسودہ صنفی تاثرات کو بدلنے میں کارگر ہوتے ہیں۔

3۔ **صنفی حسّاس نصاب کی شمولیت:** تعلیمی نصاب میں صنفی حسّاسیت نہایت ضروری ہے۔ صنفی حسّاسیت سے مراد یہ ہے کہ نصابِ تعلیم میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے مساوی نمائندگی، مواقع اور احترام کو یقینی بنایا جائے۔ نصاب وہ ذریعہ ہے جو طلبہ کے رویّوں، سوچ اور اقدار کو تشکیل دیتا ہے۔ اگر نصاب میں صنفی حسّاسیت کو شامل نہ کیا جائے تو معاشرے میں صنفی امتیاز اور دقیانوسی تصورات کو فروغ مل سکتا ہے۔ جب نصاب میں صنفی حسّاسیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے تو یہ طلبہ کو یہ سکھاتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں مساوی حیثیت رکھتے

ہیں۔اس سے معاشرے میں انصاف اور مساوات کے اصول مضبوط ہوتے ہیں۔ صنفی حسّاس نصاب دقیانوسی تصورات کے خاتمہ کا باعث بنتا ہے۔ نصاب میں اگر صرف مردوں کی کامیابیوں کو اجاگر کیا جائے اور خواتین کو نظرانداز کیا جائے تو لڑکیوں کے اندر احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں نصابِ تعلیم میں خواتین کی حصّہ داریاں، کارنامے یا ان کا مثبت طور پر ذکر کم ہی کیا جاتا ہے۔ باا ثر وکامیاب خواتین کو رول ماڈل کے طور پر کتابوں میں پیش نہیں کیا جاتا۔ کسی بھی مضمون کا نصاب ہو اسے متنوع نقطہ نظر کی عکاسی کرنی چاہیے اور صنفی دقیانوسی تصورات کو چیلنج کرنا چاہیے۔ صنفی مساوات اور خواتین کے حقوق پر مضامین کی شمولیت اور اور باا ثر خواتین کے بارے میں تحریریں نصابی کتابوں میں شامل کیے جائیں۔ ایسی تعلیم طلبہ کو صنفی مساوات کی وکالت کرنے اور ایک صنفی انصاف پر مبنی معاشرے کی تعمیر کی طرف راغب کرے گی۔ صنفی حسّاس نصاب دونوں کی کامیابیوں کو اجاگر کرنے والا ہو تاکہ یہ تصور ٹوٹے کہ کچھ شعبے صرف مردوں یا عورتوں کے لیے ہی بنے ہیں۔ صنفی حسّاس نصاب طلبہ کو باہمی احترام، شراکت داری اور تعاون کی تعلیم دیتا ہے۔ اس طرح وہ بڑے ہو کر صنفی مساوات پر مبنی معاشرے کی تعمیر میں کردار ادا کرتے ہیں۔

تعلیم میں مساوی مواقع کی فراہمی صنفی مساوات کو فروغ دیتی ہے۔ صنفی حسّاس نصاب اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ لڑکیاں بھی لڑکوں کی طرح سائنس، ٹیکنالوجی، کھیل اور قیادت جیسے شعبوں میں آگے بڑھ سکتی ہیں۔اس سے ان کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ صنفی حساس نصاب میں ایسے اسباق شامل کیے جاتے ہیں جو صنفی تشدد، ہراسانی اور امتیاز کی نشاندہی اور ان کے خاتمے کی ترغیب دیتے ہیں۔اس سے طلبہ کم عمری سے ہی ان مسائل کے بارے میں باشعور ہو جاتے ہیں۔ تعلیم ہی مستقبل کے رہنماؤں، پالیسی سازوں اور اساتذہ کو تیار کرتی ہے۔ اگر وہ صنفی حسّاسیت کے ساتھ پروان چڑھیں تو وہ مساوات پر مبنی فیصلے کر سکیں گے۔ صنفی حسّاسیت کے بغیر نصاب نامکمل ہے۔ایک ایسا نصاب جو صنفی مساوات کو فروغ دے، طلبہ کو مثبت اور انصاف پسند رویّے اپنانے کی ترغیب دیتا ہے اور ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے جہاں مرد و عورت دونوں بااختیار اور مساوی حقوق کے حامل ہوں۔

اہم نکات:

- تعلیم کے ذریعے صنفی مساوات کی طرف سفر 'صرف مساوی مواقع فراہم کرنے کے بارے میں نہیں ہے' بلکہ سماجی و صنفی انصاف پر مبنی ایک ایسے ماحول کی تشکیل کے بارے میں بھی ہے' جہاں ہر طالب علم آزادانہ طور پر روایتی صنفی کرداروں کی زنجیروں سے بے نیاز ہو کر ترقی اور کامیابی کے خواب دیکھ سکتا ہے۔

5.3 صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری کے درمیان تعلق

(Relation between Gender Equality and Women empowerment)

"Women Empowerment is one of the main tool to achieve Gender Equality." (www.unwomen.org)

صنفی مساوات حاصل کرنے کے لیے خواتین کو بااختیار بنانا ضروری ہے۔ بااختیاری صنفی مساوات حاصل کرنے کے اہم ذرائع میں سے ایک ہے۔ خواتین کی بااختیاری (Women Empowerment) اور صنفی مساوات (Gender Equality) آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ سماج کی تمام سطحوں پر صنفی مساوات کو عام کرنا ہو تو خواتین کی بااختیاری کیوں ضروری ہے؟ صنفی مساوات کے مباحث کے پس منظر میں یہ ایک اہم سوال ہے، جس پر ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹس کے علاوہ ہندوستان بھر میں مسلسل تحقیقات اور سروے رپورٹس شائع ہوتی ہیں، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ گرچہ خواتین نصف آبادی پر مشتمل ہیں، لیکن ان کی بڑی تعداد آج بھی تعلیم و ترقی نیز مرکزی دھارے میں شراکت داری سے کافی دور ہیں۔ صنفی مسائل، سماجی و تہذیبی رکاوٹیں انھیں حاشیائی حیثیت دیتی ہیں۔ مختلف شعبوں میں ترقی کی پیشرفت کے باوجود صنفی مساوات کو حاصل نہیں کیا جاسکا۔ سماج میں خواتین کے رول اور ان کی صلاحیتوں کو مکمل طور پر قبول نہیں کیا جاسکا ہے۔

تمام معاشروں میں صنفی عدم مساوات کی جڑیں اب بھی گہری ہیں۔ خواتین معقول کام تک رسائی کی کمی کا شکار ہیں اور انہیں پیشہ ورانہ علیحدگی اور صنفی اجرت کے فرق کا سامنا ہے۔ بہت سے حالات میں وہ بنیادی تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔ وہ تشدد وامتیازی سلوک کا شکار ہیں۔ سیاسی اور اقتصادی فیصلہ سازی کے عمل میں ان کی نمائندگی کم ہے۔ بلا معاوضہ دیکھ بھال اور گھریلو کام کی غیر مساوی تقسیم، اور عوامی دفتر میں امتیازی سلوک، جنسی استحصال ان کی بااختیاری میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ معاشرے سے کم عمری کی شادی کو ختم کرنے میں جہاں مزید کئی برس لگیں گے، وہیں قانونی تحفظ میں خلاء کو ختم کرنے اور امتیازی سماجی قوانین کو دور کرنے، کام کی جگہ پر طاقت اور قیادت کے عہدوں پر خواتین کو یکساں نمائندگی دینے اور پارلیمنٹ میں خاطر خواہ نمائندگی حاصل کرنے کے لیے بھی لگتا ہے کئی برس لگیں گے۔ یہ تمام امور خواتین کی ترقی اور بااختیاری سے جڑے ہیں۔ ان پر توجہ مرکوز کرنے اور ان مسائل کو حل کرنا از حد ضروری ہے، کیونکہ سماج کا نصف حصّہ اگر مفلوج ہو تو صنفی مساوات کا حصول ممکن نہیں ہو سکتا۔ صنفی مساوات نہ صرف ایک بنیادی انسانی حق ہے بلکہ ایک پرامن، خوشحال اور پائیدار دنیا کے لیے ضروری بنیاد ہے۔ پائیدار دنیا کی تعمیر اور ترقی میں خواتین کی شرکت کا حق اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ مردوں کا۔ لیکن صنفی عدم مساوات خواتین کے لیے بنیادی حقوق کے حصول اور سماجی ترقی کو روکتی ہے۔

خواتین کو سماجی، معاشی اور سیاسی طور پر بااختیار بنا کر ہی صنفی مساوات کا حصول ممکن ہے۔ جب عورتوں کو تعلیم، روزگار، صحت، سیاست، اور سماجی شرکت کے مساوی مواقع دیے جاتے ہیں، تو یہ صنفی مساوات کے حصول کی بنیاد بنتے ہیں۔ اس کی مثالیں ہم لے سکتے ہیں ' جیسے اگر خواتین کو تعلیم کے مساوی مواقع دیے جائیں ' تو وہ بہتر روزگار حاصل کر سکتی ہیں ' جس سے وہ مالی طور پر خود مختار ہو جائیں گی۔ یہ بااختیاری اور مساوات دونوں کی علامت ہے۔ جب خواتین کو سیاسی سطح پر حصہ لینے کا حق دیا جاتا ہے (مثلاً قومی اسمبلی میں مخصوص نشستیں) تو یہ نہ صرف انہیں بااختیار بناتا ہے بلکہ معاشرے میں مرد و خواتین کے درمیان فیصلہ سازی کی مساوی نمائندگی کو بھی یقینی بناتا ہے۔ خواتین کو بااختیار بنائے بغیر صنفی مساوات کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ دونوں تصورات مل کر ایک منصفانہ، ترقی یافتہ، اور پرامن معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔

5.4 خواتین کی بااختیاری: ضرورت واہمیت

(Women Empowerment: Need and Importance)

5.4.1 بااختیاری کی تعریف (Definition of Empowerment)

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق '' بااختیاری ' جو آپ چاہتے ہیں یا آپ کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے اس پر کنٹرول کرنے کی آزادی اور طاقت حاصل کرنے کا عمل ہے۔ جبکہ آکسفورڈ ڈکشنری میں بااختیاری کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ ''کسی کو ان کی اپنی زندگی یا اس صورتحال ' جس میں وہ ہیں ' زیادہ کنٹرول دینے کا عمل ہے۔ بااختیار ہونا کے معنی اختیار حاصل کرنا ہے۔'' اردو میں بااختیاری کے لیے '' خود مجازیت '' کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ بااختیار بنانے کا مطلب ہے کہ افراد کو اپنی زندگیوں پر قابو پانے، فیصلے کرنے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ' وسائل، ہنر اور اعتماد دینا ہے۔ بااختیار بنانے میں انفرادی (ایک فرد کو بااختیار بنانا) اور سماجی (اجتماعی طور پر معاشرے کو یا گروپ کو بااختیار بنانا) دونوں پہلو شامل ہیں۔ بااختیاری سے افراد کی ذاتی خوبیاں نکھرتی ہیں۔ اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔ جذباتی کنٹرول، ذاتی قابلیت اور معاشرے کے متعلق علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ خوبیاں فیصلہ سازی اور مسائل سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں۔ بااختیار بنانا صرف ایک احساس نہیں ہے، یہ ایک انٹرایکٹو (Interactive) عمل ہے جس میں ایسے اقدامات کرنا شامل ہے جو ہمارے سماجی تعلقات کو بہتر بناتے ہیں۔ یعنی ہم صرف بااختیاری کے متعلق پڑھ لیں یا سوچ لیں، تصور کر لیں۔ یہ سود مند نہیں ہو سکتے بلکہ ہمارے اندر اتنی صلاحیت اور اعتماد پیدا ہو کہ ہم ہماری زندگی کے معاملات میں فیصلے لینے کے قابل بن پائیں۔ ایسی صلاحیتوں کو بااختیاری کہتے ہیں۔

5.4.2 انسانی زندگی میں بااختیاری کی اہمیت(Importance of Empowerment in Humen Life)

بااختیاری ایک ایسی صلاحیت ہے جو انسان کی زندگی میں نہایت اہم ہوتی ہے۔ یہ صلاحیت جب کسی فرد میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی انفرادی ترقی کے ساتھ ساتھ خاندان و معاشرے کی ترقی ممکن ہوتی ہے۔ بااختیاری افراد کی اختراعی اور تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دیتی ہے۔ دراصل لوگوں کو بااختیار بنانے کا عمل ان کی اختراعی اور تخلیقی صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ یہ افراد کو اپنے محدود دائروں سے باہر نکل کر سوچنے اور نئے خیالات کے ساتھ آنے کی اجازت دیتا ہے۔ جب اختراعی قوت انسان میں بیدار ہوتی ہے تو وہ نئے تجربات کرنے اور مسائل کے لیے اختراعی حل پیدا کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ بااختیاری سماجی اور اقتصادی ترقی کو فروغ دیتی ہے۔ افراد کو تعلیم اور ہنر مندی کے ساتھ بااختیار بنانے کا مطلب یہ ہے کہ سماجی اور اقتصادی ترقی میں ان کی حصّہ داری کو فروغ دینا ہے۔ جب افراد کے پاس وہ معلومات، ہنر اور وسائل ہوتے ہیں جن کی انہیں کامیابی کے لیے ضرورت ہوتی ہے، تو وہ معیشت میں اپنا موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ بااختیاری کا عمل ''سماجی انصاف اور مساوات'' کو فروغ دینے میں مددگار و معاون ثابت ہوتا ہے۔ سماج میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کو علم و ہنر سے آراستہ کیا جائے اور انھیں بااختیار بنایا جائے تو وہ پسماندگی و غربت کا خاتمہ ہوگا۔ جب ہر فرد کو کامیاب ہونے کا مساوی موقع ملتا ہے تو معاشرے کو مجموعی طور پر فائدہ ہوتا ہے اور سماجی انصاف برقرار رہتا ہے۔ جب افراد اپنی زندگیوں کے متعلق فیصلے کرنے کی صلاحیت پر قابو رکھتے ہیں، تو وہ نئی چیزیں آزماتے ہیں، جو ذاتی ترقی اور اجتماعی ترقی کا باعث بن سکتے ہیں۔ ان کی پیداواری صلاحیت اور کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بااختیار افراد زیادہ پیداواری اور سماج کے موثر فرد ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے کام میں زیادہ توجہ دے پاتے ہیں۔ جب لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا اپنے کام پر کنٹرول ہے اور وہ ان وسائل تک رسائی رکھتے ہیں جن کی انہیں کامیابی کے لیے ضرورت ہے، تو وہ اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں۔

اہم نکات:

- بااختیاری افراد کی اپنی صلاحیتوں کو ابھارنے، نکھارنے کا ایک اہم سماجی عمل ہے۔ یہ عمل افراد کو نہ صرف انفرادی طور پر باشعور ہونے نیز سماجی و معاشی ترقی کو فروغ دیتا ہے بلکہ ان کی پیداواری صلاحیت اور کارکردگی کو بڑھاتا ہے۔ ان کی جدت طرازی اور تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دیتا ہے۔
- بااختیاری کا عمل مجموعی طور پر سماجی اور اقتصادی ترقی کو فروغ دیتا ہے اور سماجی انصاف و مساوات کو بڑھاتا ہے۔

5.4.3 خواتین کی بااختیاری سے کیامراد ہے(What is meant by Women Impowerment)

اقوام متحدہ کی جانب سے قائم کردہ تنظیم UN Women کے مطابق ”عورتوں کو بااختیار بنانا ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے خواتین کو سماجی، اقتصادی، تعلیمی، سیاسی اور قانونی شعبوں میں مساوی حقوق، مواقع اور خوداختیاری فراہم کرنا ہے“تاکہ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود لے سکیں اور معاشرے میں فعال کردار ادا کر سکیں۔خواتین کے حقوق اور صنفی مساوات کے حصول کے لیے خواتین کو معاشی طور پر بااختیار بنانا ضروری ہے۔خواتین کو معاشی طور پر بااختیار بنانے کا مطلب یہ یقینی بنانا ہے کہ خواتین باوقار کام اور سماجی تحفظ میں یکساں طور پر حصہ لے سکیں اور فائدہ اٹھا سکیں۔ کام اور مارکٹ تک رسائی حاصل کر سکیں اور مختلف وسائل، اپنے وقت، زندگیوں اور جسموں پر کنٹرول حاصل کر سکیں۔ عورتوں کو بااختیار بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی خوداعتمادی، فیصلے کرنے کی صلاحیت،اور معاشرتی تبدیلی پراثرانداز ہونے کے حق کو فروغ دیا جائے۔ عورت کی خودمختاری اور فیصلہ سازی میں شمولیت ہی اصل میں عورت کو بااختیار بناتی ہے۔ عورتوں کو بااختیار بنانا محض نعروں یا قوانین تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ ایک مکمل معاشرتی وفکری تبدیلی کا نام ہے جس کے ذریعے خواتین کو اپنے حقوق، وسائل اور فیصلوں میں مساوی حیثیت دی جاتی ہے۔(unwomen.org)

خواتین کو بااختیار بنانا وہ عمل ہے جس کے ذریعے خواتین جنس پر مبنی غیر مساوی طاقت کے رشتوں سے آگاہ ہوتی ہیں اور ان میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ ”گھر، کام کی جگہ اور کمیونٹی میں پائی جانے والی عدم مساوات کے خلاف وہ آواز اٹھا سکتی ہیں۔ وہ اپنی زندگیوں پر کنٹرول حاصل کر سکتی ہیں۔ بااختیاری کا مقصد یہی ہے کہ خواتین کو اپنے مسائل حل کرنے کے قابل بنانا اور ان میں خودانحصاری پیدا کرنا۔ خواتین کو بااختیار بنانے کا مقصد ”تعلیم اور حصولِ روزگار میں خواتین کے مساوی مقام کو فروغ دینا ہے،اور اس مقصد کو ایک یا زیادہ سطحوں پر آگے بڑھانا ہے تاکہ وہ تمام سماجی سرگرمیوں اور تمام سطحوں پر فیصلہ سازی میں یکساں طور پر حصہ لے سکیں۔ خواتین کو بااختیار بنانے سے مراد خواتین کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ اپنی زندگیوں پر کنٹرول حاصل کر سکیں، انتخاب اور فیصلے کر سکیں، اور وسائل اور مواقع تک مساوی رسائی حاصل کر سکیں۔ بااختیاری کے ذریعے ایک ایسا ماحول بنانا شامل ہے جہاں خواتین مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر معاشرے اور معیشت میں حصہ لے سکیں اور جہاں ان کی آواز سنی جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ ہو۔ خواتین کو بااختیار بنانے کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں، بشمول تعلیم، معاشی، سیاسی اور سماجی۔ خواتین کو بااختیار بنانے کا مقصد انصاف پر مبنی ایک ایسی دنیا بنانا ہے جہاں خواتین کو بغیر کسی امتیاز کے اپنی زندگی تحفظ اور وقار کے ساتھ گزارنے کی طاقت اور آزادی حاصل ہو۔

5.4.4 خواتین کی بااختیاری کے اہم پہلو(Important aspects of Women Empowerment)

صنفی مساوات کے حصول کے لیے خواتین کو بااختیار بنانا ضروری ہے، جو کہ ایک بنیادی انسانی حق ہے۔ خواتین کو اپنی زندگی کے بارے میں فیصلے کرنے کے لیے بااختیار بنانا، بشمول ان کی صحت، تعلیم اور کیریئر سے متعلق فیصلے کرنے اور معاشرے میں مساویانہ شرکت کے لیے ضروری ہے۔ خواتین کی بااختیاری کے چند اہم پہلو ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں۔

اقتصادی بااختیاری(Economic Empowerment): اس سے مراد خواتین کی معاشی سرگرمیوں میں مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر حصہ لینے کی صلاحیت ہے۔ اس میں تعلیم، تربیت، روزگار اور کاروباری مواقع کے ساتھ ساتھ منصفانہ اجرت، مساوی تنخواہ، اور کریڈٹ اور مالیاتی خدمات تک رسائی شامل ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانا معاشی ترقی کے لیے بھی اہم ہے۔ جب خواتین کو تعلیم، روزگار اور دیگر مواقع تک مساوی رسائی حاصل ہوتی ہے تو وہ مجموعی طور پر معیشت اور معاشرے میں اپنا حصہ ڈالنے کے قابل ہوتی ہیں۔

سماجی بااختیاری(Social Empowerment): اس قسم کی بااختیاری سے مراد تمام طرح کے امتیازی سلوک اور تشدد سے پاک ماحول میں خواتین کی سماجی اور ثقافتی زندگی میں مکمل طور پر حصہ لینے کی صلاحیت ہے۔۔ اس میں تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، اور قانونی خدمات تک رسائی کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق اور آزادیوں کو استعمال کرنے کی صلاحیت بھی شامل ہے۔ سماجی انصاف کے حصول کے لیے خواتین کو بااختیار بنانا بھی ضروری ہے۔ خواتین اور لڑکیوں کو اکثر صرف ان کی جنس کی وجہ سے امتیازی سلوک، تشدد اور دیگر قسم کے جبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانے سے ہر ایک کے لیے زیادہ منصفانہ اور مساوی معاشرہ تشکیل دینے میں مدد ملتی ہے۔

سیاست، دفاع، کھیل اور مختلف شعبوں میں خواتین کی شرکت صنفی دقیانوسی تصورات کو توڑ سکتی ہے اور خواتین کو قائدانہ کردار ادا کرنے کے لیے بااختیار بنا سکتی ہے، اور صنفی بنیاد پر امتیاز کو چیلنج کر سکتی ہے۔

سیاسی بااختیاری(Political Empowerment): اس قسم کی بااختیاری سے مراد خواتین کی سیاسی زندگی اور فیصلہ سازی میں مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر حصہ لینے کی صلاحیت ہے۔ اس میں ووٹ ڈالنے اور سیاسی عہدے کے لیے انتخاب لڑنے کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ قیادت کے عہدوں تک رسائی اور پالیسی سازی کے عمل میں شرکت شامل ہے۔

تعلیمی بااختیاری(Educational Empowerment): اس سے مراد خواتین کی تعلیم تک رسائی اور مہارت اور علم کو فروغ دینے کی صلاحیت ہے جو انہیں باخبر فیصلے کرنے، اپنے اہداف کو حاصل کرنے اور معاشرے میں حصہ داری نبھانے کے قابل بنا سکے۔ اس میں ہر سطح پر معیاری تعلیم تک رسائی اور زندگی بھر پڑھنے اور سیکھنے کے مواقع شامل ہیں۔ پائیدار ترقی کے حصول کے لیے خواتین کو تعلیم یافتہ اور بااختیار بنانا اہم ہے۔ تعلیم خواتین کو بااختیار بنانے کا ایک اہم ذریعہ ہے جس کے نتیجے میں وہ فیصلے کرنے، معاشرے میں حصہ لینے اور اپنے مقاصد کو

حاصل کرنے کے قابل بن سکتی ہیں۔ خواتین کو بااختیار بنایا جاتا ہے، تو وہ ماحولیاتی چیلنجوں سے نمٹنے، غربت کو کم کرنے اور سماجی انصاف کو فروغ دینے کی کوششوں میں بہتر طور پر حصہ ادا کرنے کے قابل ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ ایک منصفانہ، مساوی اور پائیدار دنیا کے حصول کے لیے خواتین کو بااختیار بنانا بہت ضروری ہے۔

صحتی بااختیاری(Health Empowerment): اس سے مراد خواتین کی صحت کی دیکھ بھال تک رسائی اور ان کی صحت اور بہبود کے علاوہ افزائشِ نسل اور اپنی تولیدی صحت کے بارے میں فیصلے کرنے کی صلاحیت ہے۔ اس میں تمام تر وہ معلومات، خدمات اور وسائل تک رسائی شامل ہے، جو خواتین کی جسمانی اور تولیدی صحت، زچگی کی سہولتوں اور مجموعی بہبود کو فروغ دیتے ہیں۔ صحت اور تندرستی کو فروغ دینے کے لیے خواتین کو بااختیار بنانا بے حد اہم ہے۔ جب خواتین کو تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی حاصل ہو گی تو وہ اپنی اور اپنے خاندان کی بہتر دیکھ بھال کر سکتی ہیں۔ مناسب تغذیہ اور صفائی تک رسائی خواتین کی صحت اور بہبود کے لیے بہت ضروری ہے، جس سے وہ معاشرے میں مکمل طور پر حصہ لے سکیں اور اپنے اہداف کو حاصل کر سکیں۔

5.4.5 خواتین کی بااختیاری میں سماجی و ثقافتی رکاوٹیں

(Socio-Cultural constraints in Women Empowerment)

ہندوستان میں خواتین کو بااختیار بنانے میں مختلف طرح کی سماجی و ثقافتی رکاوٹیں ہیں۔ جیسے

1۔ **پدرانہ نظام یا رویے(Patriarchy)**: پدرانہ نظام اور رویے جو مردوں کو عورتوں پر ترجیح دیتے ہیں، ہندوستانی معاشرے کے بہت سے حصوں میں اب بھی گہرے طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ تعلیم، روزگار اور سیاسی شرکت جیسے شعبوں میں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کا باعث بنتے ہیں۔ روایتی صنفی کردار اور توقعات خواتین کے مواقع اور انتخاب کو محدود کرتے ہیں۔

2۔ **تعلیم کی کمی(Lack of Education)**: ہندوستان میں کئی علاقوں خاص طور پر دیہی علاقوں میں لڑکیوں کی تعلیم اب بھی ایک بڑا مسئلہ ہے(Repost 2024)۔ UNESCO کے مطابق، بھارت میں 15 سال سے زیادہ عمر کی تقریباً 30 فیصد خواتین ناخواندہ ہیں۔

تعلیم کے بغیر خواتین روزگار، صحت، قانونی حقوق یا سیاسی شرکت میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔

3۔ **غربت(Poverty)**: غربت خواتین کو ترقی کے مواقع سے دور رکھتی ہے۔ غریب گھرانوں میں اکثر لڑکیوں کو اسکول کے بجائے گھریلو کاموں یا کم عمر میں شادی کے لیے ترجیح دی جاتی ہے۔

4۔ **سماجی رکاوٹیں اور دقیانوسی سوچ(Social Norms and Patriarchy)**: مردوں کی برتری پر مبنی سماجی ڈھانچہ خواتین کے لیے فیصلہ سازی، آزادی اور ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے۔"عورت کا کام صرف گھر چلانا ہے" جیسی سوچ آج بھی کئی علاقوں میں عام ہے۔سماج میں مرد کو اولیت اور مرکزیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق سماجی اصول بنائے جاتے ہیں۔ان اصولوں کی وجہ سے خواتین کی ترقی اور بااختیاری محدود ہو جاتی ہے۔

5۔ **گھریلو تشدد اور صنفی امتیاز(Domestic Violence and Gender Discrimination)**: خواتین اکثر گھریلو تشدد، جنسی ہراسانی، اور امتیازی سلوک کا شکار ہوتی ہیں، خاص طور پر کام کی جگہوں اور گھروں میں انہیں مختلف قسم کے جسمانی و ذہنی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔NCRB رپورٹس کے مطابق ہر برس گھریلو تشدد کے کیسز میں اضافہ ریکارڈ ہوا ہے۔

6۔ **سیاسی شمولیت کی کمی(Lack of Political Participation)**: اگرچہ خواتین کے لیے پنچایتوں میں 33 فیصد نشستیں مختص ہیں، پھر بھی کئی بار ان کی نمائندگی صرف رسمی ہوتی ہے، فیصلے مرد حضرات لیتے ہیں۔

7۔ **قانونی حقوق سے لاعلمی(Lack of Awareness of Legal Rights)**: خواتین کو اپنے قانونی، وراثتی، ازدواجی اور معاشی حقوق کے بارے میں آگاہی کم ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا دفاع نہیں کر پاتیں۔

8۔ **روزگار کے محدود مواقع(Limited Employment Opportunities)**: خواتین کی بڑی تعداد غیر رسمی یا کم اجرت والی ملازمتوں سے وابستہ ہیں جہاں انہیں نہ تحفظ ہے، نہ ترقی کے مواقع حاصل ہیں۔ کم تعلیم کی وجہ سے روزگار کے مواقع بھی کم ہو جاتے ہیں۔

9۔ **ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل فرق(Digital Divide)**: دیہی علاقوں میں خواتین کو انٹرنیٹ، موبائل فون، اور ٹیکنالوجی تک کم رسائی حاصل ہے، جو کہ آج کے دور میں ترقی کے لیے ضروری ہے۔ کم قابلیت اور ٹکنالوجی سے عدم واقفیت ان کی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے۔

اگرچہ ہندوستان میں خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے کئی پالیسیاں اور اسکیمز موجود ہیں، لیکن جب تک مذکورہ سماجی، معاشی اور تعلیمی رکاوٹوں کا حل نہیں نکالا جاتا، تب تک حقیقی بااختیاری ممکن نہیں۔

اہم نکات:

- خواتین کو بااختیار بنانا ایک پائیدار اور ترقی پسند معاشرے کی تشکیل کا طاقتور ذریعہ ہے۔ ہمارے ملک میں خواتین کو ہراساں کیے جانے، زبانی بدسلوکی، ذہنی استحصال، عصمت دری، کام کی جگہ پر امتیازی سلوک وغیرہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔تاہم، سماجی، معاشی، تعلیمی، سیاسی، اور نفسیاتی طور پر خواتین کو بااختیار بنا کر ان ناانصافیوں اور امتیازات کے خلاف انھیں اپنا دفاع کرنے کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔

5.5 ہندوستان میں خواتین کو بااختیار بنانے کے اقدامات

(Measures for Women Empowerment in India)

ہندوستان میں صنفی مساوات کو فروغ دینے اور خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے پنچ سالہ منصوبوں کے علاوہ کئی پروگرامز اور پالیسیز بنائے گئے۔ پالیسیز وپروگرامز کی سماج میں عمل آوری کے ذریعے سماجی تبدیلی اور صنفی انصاف پر مبنی معاشرے کی تشکیل کی کاوشیں پچھلے کئی برسوں سے جاری ہیں۔ بنیادی اقدامات میں سب سے اہم صنفی مساوات اور خواتین کی ترقی وبااختیاری کو آئین میں شامل کرنا قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کے آئین میں ایسے کئی دفعات شامل کیے گئے ہیں جو خواتین کو مردوں کے برابر مواقع اور حقوق عطا کرتے ہیں۔ ان دفعات کے تحت بنائے گئے قوانین خواتین کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی جانب سے خواتین کے خلاف تمام قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے لیے بنائے گئے بین الاقوامی معاہدے (Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination against Women(CEDAW) کا ہندوستان بھی ایک دستخط کنندہ ہے۔ اس معاہدے کے مطابق خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے لیے اقدامات کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ہندوستان میں پالیسی سازی کے تحت خواتین کی سماجی، تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کے لیے مختلف منصوبہ بندی کے ذریعے کئی اقدامات اپنائے گئے ہیں۔ جیسے "بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ" اسکیم((Beti Bachao Beti Padhao (BBP)، پردھان منتری آواس یوجنا(Pradhan Mantri Awas Yojana)، قومی سماجی امداد پروگرام ((National Social Assistance Program(NSAP)، پردھان منتری ویائے وندنا یوجنا (Pradhan Mantri Vyay Vandana Yojana(PMVVY) اور نوعمر لڑکیوں کی اسکیم(Scheme for Adolescent Girls(SAG)وغیرہ حکومت کی جانب سے نافذ کی گئی اسکیمیں ہیں۔ یہ اسکیمیں خواتین اور لڑکیوں کو سماجی ومعاشی طور پر بااختیار ہونے میں مدد فراہم کرتی ہیں۔ نیشنل اوورسیز اسکالرشپ کی اسکیم، بابو جگ جیون رام چھتروا س یوجنا، سوچھ ودیالیہ مشن، وغیرہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ اسکول لڑکیوں کے لیے خاص طور پر معاشرے کے کمزور طبقوں کے لیے ہیں اور ان کی خصوصی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وہاں مناسب سہولیات موجود ہیں۔ صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری کی طرف ایک اہم قدم "قومی تعلیمی پالیسی(National Education Policy-2020 (NEP)کی تیاری ہے۔ اس پالیسی میں اسکول تا کالج سطح تک نصابِ تعلیم اور زائد از نصابی سرگرمیوں میں صنفی مساوات کو ترجیح دینے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ پالیسی سماجی اور اقتصادی طور پر پسماندہ گروہوں بشمول لڑکیوں پر خصوصی توجہ دینے، سماج کو صنفی حسّیت پذیر بنانے اور تمام کے لیے معیاری تعلیم تک مساوی رسائی کو یقینی بنانے کا تصور پیش کیا گیا ہے۔

خواتین کارکنان کی ملازمت کو بڑھانے کے لیے حکومت خواتین کے صنعتی تربیتی اداروں، قومی پیشہ ورانہ تربیتی اداروں اور علاقائی پیشہ ورانہ تربیتی اداروں کے نیٹ ورک کے ذریعے انہیں تربیت فراہم کر رہی ہے۔ ہنر کی ترقی اور پیشہ ورانہ تربیت کے ذریعے خواتین کی معاشی آزادی کو یقینی بنانے کے لیے حکومت نے اسکل انڈیا مشن(Skill India Mission) بھی متعارف کرایا ہے۔ قومی ہنر کی ترقی کی پالیسی کی توجہ جامع مہارت کی ترقی پر ہے، جس کا مقصد بہتر اقتصادی پیداوار کے لیے خواتین کی شرکت میں اضافہ کرنا ہے۔ پردھان منتری کوشل وکاس کیندراس(Pradhan Mantri Kaushal Vikas Kendras) خواتین کے لیے تربیت اور اپرنٹس شپ دونوں کے لیے اضافی انفراسٹرکچر بنانے پر زور دیتے ہیں۔ پردھان منتری مدرا یوجنا(Pradhan Mantri Mudra Yojna) اور اسٹینڈ اپ انڈیا (Stand Up India)، پرائم منسٹرز ایمپلائمنٹ جنریشن پروگرام (Prime Minister's Employment Generation Program(PMEGP) جیسی اسکیمیں نہایت اہم ہیں، جو خواتین کو اپنا کاروبار قائم کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں۔ سوچھ ودیالیہ مشن(Swacch Vidyalaya Mission) کے تحت اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ تمام اسکولوں میں لڑکیوں کے لیے کم از کم ایک بیت الخلا موجود ہو۔ پردھان منتری اجولا یوجنا(Pradhan Mantri Ujjwala Yojana(PMUY) کا مقصد خواتین کو کھانا بنانے کے لیے صاف ایندھن فراہم کر کے ان کی صحت کی حفاظت کرنا ہے اور لکڑیاں جمع کرنے کی مشقت سے بھی بچانا ہے۔ خواتین کارکنوں کے لیے کام کا سازگار ماحول پیدا کرنے کے لیے، اسٹینڈ اپ انڈیا اسکیم خواتین میں انٹرپرینیور شپ کو فروغ دیتی ہے۔ مہاتما گاندھی نیشنل رورل ایمپلائمنٹ گارنٹی ایکٹ، (Mahatma Gandhi National Rural Employment Guarantee Act-2005 (MGNREGA)) کے تحت اس بات کی کوشش کی جاتی ہے دیہی علاقوں میں ملازمتوں کا کم از کم ایک تہائی حصہ خواتین کو دیا جائے۔ حکومت نے غیر روایتی شعبوں جیسے کہ ہندوستانی فضائیہ، کمانڈوز، سنٹرل پولیس فورسز میں لڑاکا پائلٹ، سینک اسکولوں میں داخلے وغیرہ میں خواتین کی شرکت کی اجازت دینے کے لیے بھی قابل انتظامات کیے ہیں۔ حکومت کام کرنے والی خواتین کو محفوظ رہائش فراہم کرنے کے لیے ورکنگ ویمن ہاسٹلز کی اسکیم کو بھی نافذ کرتی ہے۔ مرکزی وریاستی حکومتیں خواتین کے تحفظ اور ہر قسم کے تشدد سے بچاؤ کو یقینی بنانے کے لیے، دستوری حقوق، قوانین اور پولیس مشنیری کے ذریعے حفاظتی انتظامات کرتے ہیں۔ خواتین کی ترقی اور بااختیاری کے لیے بے حد اہم قوانین، مہیلا پولیس اسٹیشنس، ون اسٹاپ سنٹرس، ہیلپ لائن نمبرس، تعلیمی ادارے اور ہاسٹلس کی سہولتیں موجود ہیں، جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

(Source: Press Information Bureau, Ministry of Women and Child Development)

5.6 مطالعاتِ نسواں اور صنفی مساوات کا فروغ

(Women's Studies and the promotion of Gender Equality)

5.6.1 مطالعاتِ نسواں: ایک تعارف(Women's Studies: An Introduction)

"مطالعاتِ نسواں"(Women's Studies) سے مراد ایک ایسا تعلیمی اور تحقیقی شعبہ ہے جو صنف کی سماجی اور ثقافتی تشکیل اور تعمیرات میں معاون کردار ادا کرنے والے سماجی اداروں کا جائزہ لیتے ہوئے خواتین کی زندگیوں اور تجربات کو مطالعہ کے مرکز میں لاتا ہے۔ یہ تعلیمی و تحقیقی پروگرام حقوق نسواں پر توجہ مرکوز کرتا ہے اور استحقاق اور جبر کا نظام، طاقت اور صنف کے درمیان تعلقات کی پیچیدگیوں کے علاوہ نسل، ذات پات، سماجی واقتصادی مسائل اور تنہائی و معذوری جیسے دیگر عوامل کے خواتین پر اثرات کو سمجھنے اور جاننے کے لیے بین الضابطہ طریقوں(Intersectional Methods) کی حمایت کرتا ہے۔ یہ وہ عوامل ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ گہرائی سے جڑے ہوئے ہیں اور سماج میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین کو نہ صرف متاثر کرتے ہیں بلکہ ان کی صلاحیتوں اور کارناموں کو حاشیہ پر کردیتے ہیں۔ عصر حاضر میں صنفی مساوات، انصاف اور شمولیت کے لیے تمام ممالک کوشاں ہیں۔ اس تناظر میں "مطالعاتِ نسواں" ایک اہم تعلیمی شعبہ یا نقطۂ نظر کے طور پر ابھرا ہے۔ یہ تعلیمی و تحقیقی پروگرام روایتی اصولوں کو چیلنج کرتا ہے اور زیادہ مساوی معاشرے کی وکالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے وجود میں آنے کے بعد سے کئی اور تعلیمی شعبہ جات تشکیل پائے جن میں صنفی مطالعات (Gender Studies)، ثقافتی مطالعات (Cultural Studies)، تانیثی مطالعات(Feminist Studies)وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان شعبہ جات کے تحت سماج کے پچھڑے طبقات اور صدیوں سے چلے آرہے امتیازات پر غور وفکر کا سلسلہ جاری ہے۔

مطالعاتِ نسواں ایک بین الضابطہ علمی میدان (Interdisciplinary discipline)ہے جو تاریخ، سماجیات، معاشیات، نفسیات، ادبیات اور مختلف شعبوں میں خواتین کی حصّہ داری، ان کے تجربات کے ساتھ ساتھ عصری معاشرے میں خواتین کے مسائل اور مسائل کی تحقیق کے لیے تانیثی نقطۂ نظر(Feminist perspective)پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دراصل یہ شعبۂ علم تحقیق و تنقید کے ذریعے صنفی عدم مساوات کو ختم کرنے، حقوق نسواں کے حصول اور سماجی و صنفی انصاف سے جڑے مسائل کو حل کرتے ہوئے مختلف شعبوں میں خواتین کے کردار اور نمائندگی کا جائزہ لیتا ہے۔ ایک باضابطہ تعلیمی نظم وضبط کے طور پر اس شعبہ کی وجہ سے صنفی تصورات اور مرد اساس معاشرے کی پیچیدگیوں نیز عورت کی حیثیت کے بارے میں وسیع تر مباحث کی شروعات ہو پائی اور پائیدار ترقی کے ایک اہم رکن کے طور پر عورت کے وجود کو قبول کیا جانے لگا۔

''مطالعاتِ نسواں'' محض ایک علمی کوشش نہیں ہے بلکہ یہ سماجی تبدیلی کے لیے ایک اہم آلہ ہے۔ یہ صنفی کرداروں اور تعلقات کا تجزیہ، تنقید اور از سر نو وضاحت کرنے کے لیے ایک فکری بنیاد کے طور پر کام کرتا ہے۔اعلیٰ تعلیمی نظام میں مطالعاتِ نسواں مضمون کی شمولیت نے مجموعی نصاب میں خواتین کے کارناموں اور صنف کی بنیاد پر مسائل کی شمولیت اور سماج کو صرف مردانہ نقطۂ نظر (Andro centric approach) سے دیکھنے، جانچنے اور پرکھنے کے بجائے نسائی نقطۂ نظر سے بھی دیکھنے اور سمجھنے پر زور دیا۔ مطالعاتِ نسواں کی شروعات کی جڑیں اگرچہ کہ 19 ویں اور 20 ویں صدی کی حقوق نسواں کی تحریکوں سے ملتی ہیں۔ ''مطالعاتِ نسواں'' بہ طور تعلیمی و تحقیقی پروگرام 'دراصل خواتین کی تحریکوں اور جدید نظریات کی دین ہے۔ لیکن یہ شعبۂ علم 1960 کی دہائی میں تاریخ، ادب اور سیاست میں خواتین کی پوشیدگی یا کم نمائندگی اور سماجی سطح پر ثانوی حیثیت کے لیے ایک ''علمی ردعمل'' کے طور پر سامنے آیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی طرزِ فکر کو مزید وسعت دی گئی اور صرف ''عورت بہ حیثیت استخراجی طبقہ'' مطالعہ کا حصّہ بنانے کے بجائے سماج کے دیگر استخراجی طبقات کے صنفی مطالعے' جیسے دیگر جنسی شناخت کے افراد پر مطالعات اور انٹر سیکشنلٹی کو شامل کیا جانے لگا۔ جس کے نتیجے میں اس شعبہ علم کو وسعت ملتی گئی اور اس کا میدان وسیع ہوتا گیا۔ چنانچہ اکثر تعلیمی اداروں میں فی زمانہ اس پروگرام کو'' صنف اور مطالعاتِ نسواں'' (Gender and Women Studies) یا''صنفی مطالعات''(Gender Studies) کے نام سے بھی متعارف کروایا گیا ہے۔

5.6.2 مطالعاتِ نسواں کے مقاصد (Objectives of Women's Studies)

مضمون ''مطالعاتِ نسواں'' میں تدریس اور تحقیق کے علاوہ تربیت اور فیلڈ اسٹڈی کو بھی لازم قرار دیا گیا ہے۔ توسیعی پروگرام کے مقاصد کو لے کر خاص حکمت عملی بنائی گئی۔ چنانچہ ''مطالعاتِ نسواں'' کو یونیورسٹی اور کالج کی سطح پر فروغ دینے کے مقاصد حسبِ ذیل طے کیے گئے۔

1۔ تعلیم کو سماجی مسائل کے قریب لانا' بالخصوص طلباء کو صنفی مسائل کے بارے میں حسّاس بنانا اور ان میں خواتین کی بااختیاری وصنفی مساوات کے تصورات کو عام کرنا۔

2۔ سماج کے باشعور و تعلیم یافتہ افراد اور تحقیقی اداروں کو خواتین کی پسماندہ حیثیت کے متعلق مطالعہ و تحقیق کی طرف توجہ دلانا۔

3۔ خواتین کے زیرِ بحث مسائل پر بنیادی تحقیق سے عمدہ مقالہ جات، دستاویزات اور رپورٹس تیار کرنا اور ذرائع ابلاغ کی مدد سے سماج کو بنیادی مواد فراہم کرنا۔

4۔ تعلیم کے ذریعہ خواتین کے کردار سے متعلق سماج میں موجود رجحانات وتصورات تبدیل کرنااور حکمت عملی کے ذریعہ ایک صنفی انصاف پر مبنی سماج کی تشکیل کرنا۔

5۔ مطالعاتِ نسواں کے نقطہ نظر یانسائی طرزِ فکر کو مختلف تعلیمی مضامین میں شامل کرنااور وسیع پیمانے پر شعور بیداری اور تنقیدی فکر کو فروغ دینا۔

6۔ سماجی سطح پر خواتین کی مکمل ترقی کے لیے بہتر نیٹ ورک قائم کرنا۔ تمام شعبوں میں خواتین کو ترقیاتی سرگرمیوں میں حصّہ لینے نیز فعال کرادر ادا کرنے کے قابل بنانا۔

7۔ اعلیٰ تعلیمی نظام کو مطالعاتِ نسواں کی تحقیق اور اکتساب کے ذریعہ مزید جدید معلومات سے مربوط کرنا۔

8۔ خواتین کے لیے بنائے گئے ترقیاتی اقدامات اور سرگرمیوں سے طلباء کو واقف کروانا نیز بہتر سماج کی تشکیل میں بامعنی اور پر جوش کردار ادا کرنے والے سنجیدہ افراد کی تربیت کرنا۔

5.6.3 ہندوستان میں مطالعاتِ نسواں کا آغاز(Genesis of Women's Studies in India)

ہندوستان میں مطالعاتِ نسواں کی شروعات انیس سو ستر کی دہائی سے ہوئی۔ اس دہائی میں خواتین کی سماجی حیثیت، تحفظ اور ان کے معاشی مسائل کو لے کر پرزور تحریکوں کی شروعات ہوئی اور کئی غیر سرکاری ادارے وانجمنیں وجود میں آئیں۔ اسی دور میں حکومتِ ہند کی جانب سے قائم کی گئی کمیٹی(CSWI) "Committee on the Status of Women in India" کی تیار کردہ رپورٹ1974 "Toward's Equality" میں شائع ہوئی۔ ہندوستان میں ''مطالعاتِ نسواں'' کو بنیاد فراہم کرنے میں یہ رپورٹ ایک اہم ذریعہ بنی۔ "Toward's Equality" رپورٹ کی اہم خصوصیت اس کا تجزیاتی نظریہ تھا۔ اس کے مصدقہ اعداد وشمار نے پورے ہندوستان کا احاطہ کیا تھا۔ اس رپورٹ نے بے شمار حقیقتوں سے پردہ اٹھایا اور ہندوستانی عورت کی مکمل تصویر سامنے لے آئی تھی۔ یہ تصویر تمام سطحوں جیسے سماجی، معاشی، قانونی، تعلیمی اور ثقافتی زندگی پر محیط تھی۔ اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد ٹھوس تجاویز، سفارشات اور حکومت کے لیے رہنمایانہ خطوط کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مختلف شعبۂ ہائے حیات میں خواتین کے متعلق تحقیق کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی۔ اسی دور میں خواتین سے متعلق تحقیق میں مصروف ماہرینِ تعلیم، خواتین کی تنظیموں سے وابستہ خواتین، مختلف سیاسی پارٹیوں کی خواتین نے ''مطالعاتِ نسواں'' کو بہ حیثیت ایک تعلیمی کورس کے متعارف کروانے پر زور دیا۔ وہیں اقوام متحدہ کی جانب سے 1975 کو بین الاقوامی خواتین کا سال اور 1975-1985 کو بین الاقوامی خواتین کا دہا قرار دیا اور تمام ممالک کے علمی و پالیسی ساز اداروں سے گذارش کی کہ وہ خواتین کے مسائل پر غور وفکر نیز ان کی تعلیم وترقی پر خاص توجہ دیں۔

ہندوستان میں ''مطالعاتِ نسواں'' کی شروعات کے ضمن میں مختلف النوع کوششوں کے نتیجے میں خواتین کے مسائل پر تحقیق، مباحث، کانفرنس اور کالج و یونیورسٹیوں میں ''مطالعاتِ نسواں'' کے مرکز قائم کرنے کے لیے سازگار ماحول فراہم ہونے لگا۔ جیسے Sri Nathobai Damodar Thakarray Women University(SNDTWU-Pune) نے 1974ء میں پہلا خواتین پر ریسرچ سنٹر قائم کیا۔ ٹاٹا کی جانب سے ''ادارہ برائے سماجی علوم'' نے بھی 1974ء میں اپنا شعبہ خواتین قائم کیا۔ اور اسی دور میں National Council For Education, Research & Training -(NCERT) نے خواتین کی تعلیم پر توجہ مرکوز کرنے اور موجودہ نصابِ تعلیم میں صنفی تعصب کے خاتمہ پر توجہ دینے کی کاروائی شروع کی۔ 1975ء میں Indian Council For Social Science Research (ICSSR) نے غریب اور محنت کش طبقہ کی عورتوں کو درپیش مسائل کا جائزہ لیا اور مختلف نوعیت کے مسائل کی نشاندہی کی اور 1977ء میں پہلی مرتبہ ''مطالعاتِ نسواں پروگرام'' کے متعلق تجاویز پیش کیں۔ 1981ء میں ''مطالعاتِ نسواں پروگرام'' کی شروعات کے لیے ایک اور جہت یہ ہوئی کہ ممبئی میں ایک قومی کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ خواتین کے ہر نوعیت کے مسائل اور ایشوز کو تعلیمی اداروں کی تدریس، تحقیق اور توسیعی پروگراموں میں شامل کیا جائے۔ "Indian Association For Women's Studies (IAWS)" اسی کانفرنس کے نتیجہ میں وجود میں آئی تاکہ انفرادی اور ادارہ جاتی سطح پر ماہرینِ تعلیم اور کارکنوں کے درمیان ربط وضبط کے لیے ایک فورم فراہم کیا جائے۔ اس کانفرنس کے شرکا نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن(UGC) سے سفارش کی کہ وہ ''مطالعاتِ نسواں'' کو تعلیمی سطح پر متعارف کروائے۔ 1982ء میں ICSSR, UNESCO اور Centre For Women's Development Studies (CWDS) کے ماہرین نے ایک مشترکہ میٹنگ منعقد کی اور ہندوستانی خواتین کی حیثیت و مسائل کا بھرپور جائزہ لیا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ "Shrama Shakti" کے نام سے 1983ء میں شائع ہوئی۔ اس رپورٹ میں بھی مطالعاتِ نسواں کی شروعات کے لیے درخواست کی گئی۔

یوجی سی کی جانب سے اس ضمن میں کئی ایک سمینار اور ورکشاپس منعقد کیے گئے۔ 1985ء میں UGC نے ایک قومی سمینار کا اہتمام کیا۔ سمینار میں ایسے کئی شرکا شامل تھے جو ''مطالعاتِ نسواں'' کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان ماہرین کے غور وفکر کے نتیجہ میں مطالعاتِ نسواں کی شروعات کے مقاصد کا ایک منفرد مجموعہ تیار ہوا۔ جس میں خواتین کے حقوق اور کردار کے بارے میں سماج کے موجودہ رویوں میں تبدیلی لانے پر زور دیا گیا اور خواتین کی مکمل صلاحیتوں کو استعمال میں لاکر قومی ترقی کے دھارے میں شامل کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

"مطالعاتِ نسواں"، کی تعلیم کا احاطہ قومی تعلیمی پالیسی(National Policy on Education 1986) میں کیا گیا۔ جہاں اس پالیسی میں تحقیق کے ذریعہ خواتین کے مقام میں ایک بنیادی اور بڑی تبدیلی کی حکمت عملی پر زور دیا گیا۔ وہیں اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ خواتین کی حیثیت میں نمایاں تبدیلی صرف خاص تعلیم کو حکمت عملی کے طور پر استعمال کرکے ہی لائی جاسکتی ہے۔ مذکورہ پالیسی میں اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ خواتین کو مختلف اقدامات کے ذریعہ مستحکم، خود مکتفی اور بااختیار بنایا جائے۔ ہر تعلیمی ادارہ خواہ وہ یونیورسٹی ہو کہ کالج، خواتین کی ترقی کے فعال پروگراموں کو اپنائے۔ ان تجاویز کے پیش نظر 1986 میں یو جی سی نے "مطالعاتِ نسواں" کے متعلق رہنمایانہ خطوط جاری کیے۔ اور 1987ء سے مختلف یونیورسٹیوں میں معاشی امداد کے ذریعہ مطالعاتِ نسواں کے شعبے اور مراکز قائم کرنے شروع کیے۔ پچھلے برسوں میں رفتہ رفتہ اس تعلیمی و تحقیقی پروگرام کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے کئی شعبے، سنٹرز اور سیلس کا قیام عمل میں آیا۔ یہ شعبے ہندوستان میں تدریس، تحقیق، تربیت اور توسیعی پروگرام کے مقاصد کو لے کر روبہ عمل ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، ملک کی واحد یونیورسٹی ہے جہاں شعبۂ تعلیمِ نسواں کے تحت مضمون "مطالعاتِ نسواں" میں گریجویشن، پوسٹ گریجویشن اور پی۔ایچ۔ڈی پروگرام، اردو ذریعے تعلیم سے فراہم کیے جاتے ہیں۔ یہ تعلیمی پروگرام سماجی سطح پر عورت و مرد افراد میں صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری کی اہمیت کے متعلق شعور بیدار کرنے نیز انھیں اپنے پسندیدہ شعبے میں کیریر کو اپنانے میں معاون ثابت ہو رہا ہے۔

اہم نکات:

- مطالعاتِ نسواں صرف ایک تعلیمی شعبہ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی طرزِ فکر ہے جو سماجی تبدیلی کا اہم ذریعہ کہلائی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طرزِ فکر خواتین کی بااختیاری اور صنفی مساوات کے آلہ کے طور پر فی زمانہ نہایت اہمیت حاصل کر گئی ہے اور ملک و سماج کی ترقی نیز تعلیمی تحریک اور پالیسی سازی کا اہم حصّہ بن گئی ہے۔
- مطالعاتِ نسواں کے علم کا حصول سماجی انصاف، صنفی مساوات اور سماج و ملک کی ترقی میں اس کی ضرورت و اہمیت سے واقفیت فراہم کرتا ہے اور ایک تخلیقی مزاج و تنقیدی شعور عطا کرتا ہے۔ جس کے ذریعے سے ہم مختلف سماجی کارکردگی کے شعبوں سے جڑ سکتے ہیں اور صنفی مساوات کی وکالت کرنے، دقیانوسی تصورات کو چیلنج کرنے، سماجی انصاف اور پائیدار ترقی کے لیے عورت و مرد کی مساویانہ شراکت داری کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

5.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو گئے کہ

1۔ تعلیم صنفی مساوات کو فروغ دینے اور افراد کو زیادہ منصفانہ معاشرہ بنانے کے لیے بااختیار بنانے کے لیے ایک طاقتور عمل ہے۔ تمام افراد کو معیاری تعلیم تک رسائی حاصل ہو جائے تو فکری سطح پر بڑی تبدیلی ممکن ہو گی۔ تعلیم کے ذریعے صنفی دقیانوسی تصورات کو چیلنج کیا جا سکتا ہے اور ایک ایسے ماحول کو فروغ دیا جا سکتا ہے، جہاں ہر فرد کوئی ترقی کے دھارے کا حصّہ بن سکتا ہے۔

2۔ تعلیم کسی ایک صنف کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ضروری ہے۔ لڑکیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے تو وہ بااختیار بنیں گی۔ نہ صرف وہ اپنی زندگی سنواریں گی بلکہ معاشرے کو بہتر بنانے میں بھی اہم کردار ادا کریں گی۔ جیسا کہ آپ نے بارہا سنا ہو گا کہ "ایک مرد پڑھتا ہے تو ایک فرد پڑھتا ہے، ایک عورت پڑھتی ہے تو پوری نسل پڑھتی ہی-"۔

3۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے یہ جانا کہ ہندوستان میں خواتین نصف آبادی پر مشتمل ہیں، لیکن ان کی بڑی تعداد آج بھی تعلیم و ترقی نیز مرکزی دھارے میں شراکت داری سے کافی دور ہیں۔ ان کی بااختیاری میں سینکڑوں رکاوٹیں ہیں۔ صنفی مسائل، سماجی و تہذیبی رکاوٹیں انھیں آج بھی حاشیائی حیثیت دیتی ہیں۔ مختلف شعبوں میں ہندوستان کی ترقی کی پیشرفت کے باوجود صنفی مساوات کو مکمل طور پر حاصل نہیں کیا جا سکا۔ سماج میں خواتین کے رول اور ان کی صلاحیتوں کو بھی قبول نہیں کیا جا سکا ہے۔

4۔ اس اکائی سے آپ نے تعلیمی پروگرام مطالعاتِ نسواں کے متعلق بھی تعارف حاصل کیا۔ ''مطالعاتِ نسواں'' محض ایک علمی کوشش نہیں ہے بلکہ یہ سماجی تبدیلی کے لیے ایک اہم آلہ ہے۔ یہ صنفی کرداروں اور تعلقات کا تجزیہ، تنقید اور از سرِ نو وضاحت کرنے کے لیے ایک فکری بنیاد کے طور پر کام کرتا ہے۔ اعلیٰ تعلیمی نظام میں مطالعاتِ نسواں مضمون کی شمولیت، خواتین کی بااختیاری اور صنفی مسائل پر احساسِ بیداری پیدا کرنے، ملک کی ترقی میں تمام افراد کی حصّہ داری کو بڑھانے نیز سماج میں صنفی مساوات کی فکر کو مستحکم کرنے کے مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ آپ نے یہ بھی سمجھا کہ تانیثی فکر کے نتیجے میں سماج کے تمام معاملات کو صرف مردانہ نقطۂ نظر (Andro centric approach) سے دیکھنے کے بجائے نسائی نقطۂ نظر (Gynocentric approach) سے بھی دیکھنے اور سمجھنے کا تصور سامنے آیا۔ علاوہ ازیں آپ کو یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ، حکومتِ ہند، NGOs، اور قانونی ادارے مل کر خواتین کی تعلیم، صحت، روزگار، تحفظ، اور فیصلہ سازی میں شرکت کو فروغ دے رہے ہیں۔ لیکن ان اقدامات کو موثر بنانے کے لیے معاشرتی ذہنیت میں تبدیلی، خواتین کی بیداری، اور زمینی سطح پر عملدرآمد ضروری ہے۔

5.8 فرہنگ (Glossary)

- قانونی تحفظ: قانون کی مدد سے خواتین کو ان کے حقوق کی حفاظت فراہم کرنا
- صلاحیتوں کی ترقی: خواتین کی مہارتوں اور علم میں اضافہ کرنا تاکہ وہ خود مختار بن سکیں
- وکالت: خواتین کے حقوق و مسائل کے لیے آواز اٹھانا اور حمایت کرنا
- خوش حالی: بہتر زندگی گذارنے کے حالات

- اقتصادی بااختیاری: خواتین کا اپنی آمدنی خود کمانا اور مالی طور پر خود مختار ہونا
- شمولیتی تعلیم: ایسا تعلیمی نظام جس میں تمام لڑکے اور لڑکیاں، چاہے وہ جسمانی و ذہنی طور پر کمزور ہوں یا سماجی، معاشی طور پر مختلف پس منظر سے تعلق رکھتے ہوں سب کو برابر تعلیمی مواقع فراہم کرنا
- مہارتوں کی ترقی: خواتین کو نئی صلاحیتیں سکھانا تاکہ وہ معاشی اور سماجی طور پر خود مختار بن سکیں
- پسماندہ طبقات: ایسے افراد یا گروہ جو سماجی یا معاشی لحاظ سے ترقی یافتہ طبقات سے پیچھے رہ گئے ہوں
- پائیدار ترقی: ایسی ترقی جو ماحولیاتی توازن کو برقرار رکھے۔ معاشرتی انصاف کو فروغ دے اور اقتصادی ترقی کو طویل مدت تک برقرار رکھ سکے۔
- غیر روایتی شعبے: وہ کام یا شعبے جو عام طور پر کسی خاص گروہ کے لیے مخصوص نہیں سمجھے جاتے۔ جیسے خواتین کا سائنس، ٹیکنالوجی یا تعمیراتی شعبے میں کم شامل ہونا۔
- حاشیائی طبقات: سماجی، تعلیمی، اقتصادی، سیاسی حقوق و مواقعوں سے محروم طبقات

5.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ تعلیم صنفی مساوات کے فروغ میں کس چیز کو سب سے زیادہ اہم بناتی ہے؟

a) معاشی ترقی b) شعور اور آگاہی c) مقابلہ بازی d) ثقافتی روایات

2۔ تعلیم خواتین کو کس میدان میں زیادہ بااختیار بناتی ہے؟

a) کھیلوں میں b) گھریلو کاموں میں c) معاشی اور سماجی میدانوں میں d) صرف مذہبی تعلیم میں

3۔ تعلیم کے ذریعے خواتین کو مساوی مواقع دینے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟

a) مردوں کی برتری قائم رہتی ہے b) خواتین احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتی ہیں

c) خواتین اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاتی ہیں d) صرف روایتی کردار نبھاتی ہیں

4۔ تعلیم صنفی تعصبات کو کس طرح ختم کر سکتی ہے؟

a) مردوں کو زیادہ اختیار دے کر b) خواتین کو محدود کر کے

c) مساوات کی سوچ پیدا کر کے d) صرف نظری تعلیم دے کر

5۔ صنفی حساس نصاب طلبہ میں کس رویے کو فروغ دیتا ہے؟

a) حسد اور تعصب b) باہمی احترام اور تعاون c) مقابلہ بازی میں شدت d) صنفی امتیاز

مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1۔ خواتین کی معیشت میں شمولیت کیوں ضروری ہے

2۔ بااختیاری سے کیا مراد ہے

3۔ تعلیم خواتین کو فیصلہ سازی میں کس طرح بااختیار بناتی ہے؟

4۔ صنفی حساسیت کی وضاحت کیجئے اور بتائیے کہ تعلیمی نصاب میں اس کی کیا اہمیت ہے؟

5۔ تعلیم صنفی مساوات کے فروغ کا سب سے مؤثر ذریعہ کیوں ہے؟ وضاحت کریں۔

طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ ہندوستانی معاشرے کے تناظر میں صنفی مساوات کے فروغ میں تعلیم کی اہمیت پر تبصرہ کریں۔

2۔ مطالعاتِ نسواں کا تعارف لکھیے اور مطالعات نسواں اور صنفی مساوات کے درمیان کیا تعلق ہے بیان کیجیے

3۔ ہندوستان میں خواتین کو بااختیار بنانے کے اقدامات کا جائزہ لیجیے۔

5.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

1۔ Banerjee, S., & Datta, K. (2023). Women Empowerment in India: Issues and Challenges. Mittal Publications.

2۔ Agarwal, S. P. (2003). Women's Education in India (Vol. 3). Concept Publishing Company.

3۔ Saha, S. (Ed.). (2021). Women and Development: Approaches and Perspectives. Kalpa 2 Publications.

4۔ Kabeer, Naila. (2005) "Gender equality and women'empoverment: A critical analysis of the third millennium development goal 1." Gender & Development 13–24.

5۔ N.Jayapalan-(2000) "Women Studies". Atlantic Publications- New Delhi

6۔ Veena Poonacha (1999) "Understanding Women's Studies". Research Centre for Women Studies-SNDT Women's University- Pune

7. Maithreyi KrishnaRaj (1986) "Women's Studies in India". Popular Prakashan

8. Department of Higher Education, 2021 All India Survey on Higher Education, 2020-21, https:// www.aishe.gov.in/aishe/viewDocument.action?documentId=352

اکائی 6۔ ہندوستان میں صنفی مسائل

(Gender Issues in India)

اکائی کی ساخت(Unit Structure)

6.0 تمہید(Introduction)

6.1 مقاصد(Objectives)

6.2 صنفی مسائل کی تعریف(Introduction of Gender Issues)

6.3 صنفی حسّاسیت کی ضرورت واہمیت(Need and Importance of Gender Sensitization)

6.3.1 صنفی حسّاسیت کی تعریف(Introduction of Gender Sensitization)

6.3.2 صنفی حسّاسیت کی ضرورت واہمیت(Need and Importance of Gender Sensitization)

6.4 ہندوستان کا سماجی وثقافتی تناظر اور صنفی مسائل

(Soci-Cultural context of India and Gender Issues)

6.5 تعلیم اور معاشی سرگرمیوں میں صنفی تفاوت

(Gender Disparities in Educational and Economic Activities)

6.5.1 تعلیم میں صنفی تفاوت(Gender Disparities in Education)

6.5.2 معاشی سرگرمیوں میں صنفی تفاوت(Gender Disparities in Economic Activities)

6.6 ہندوستانی سماج میں لڑکوں کی ترجیحات کا نظام(Son preference system in India)

6.7 مادہ جنین کشی اور غیر متوازن جنسی تناسب(Female Foeticide and Inbalance Sex Ration)

6.7.1 مادہ جنین کشی اور نومولود لڑکیوں کے قتل سے کیا مراد ہے

(What is meant by Female Foeticide and Infenticide)

6.7.2 مادہ جنین کشی اور نومولود لڑکیوں کے قتل کی وجوہات

(Causes of Female Foeticide and Infenticide)

6.7.3 ہندوستان میں غیر متوازن جنسی تناسب(Inbalance Sex Ratio in India)

6.7.4 مادہ جنین کشی اور غیر متوازن جنسی تناسب کے ہندوستانی سماج پر اثرات
(Impact of Female Foeticide and Inbalanced Sex Ratio on Indian Society)
6.8 ہندوستان میں جہیز کا نظام(Dowry System in India)
6.8.1 جہیز کا نظام: ایک تعارف(Dowry System:An Introduction)
6.8.2 جہیز کے نظام کے نتائج(Consequences of Dowry System)
6.9 ہندوستان میں خواتین کی صحت کے مسائل(Health Issues of Women in India)
6.9.1 خواتین کی صحت کا تعارف(Introduction of Women's Health)
6.9.2 خواتین کی صحت کے مسائل(Women's Health Issues)
6.9.3 خواتین کی صحت کی بہتری کے اقدامات
(Measures for the improvement of Women's Health)
6.10 اکتسابی نتائج(Learning Outcomes)
6.11 فرہنگ(Glossary)
6.12 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)
6.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

6.0 تمہید(Introduction)

پچھلی اکائیوں میں آپ نے صنف کی تفہیم اور مختلف صنفی تصورات سے واقفیت حاصل کی۔ اس اکائی میں صنفی تصورات اور نظامِ فکر کے نتیجے میں ہندوستان میں پیدا ہونے والے صنفی مسائل، بالخصوص خواتین پر ان کے اثرات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔ ہندوستانی سماج میں خواتین یوں تو متعدد صنفی مسائل اور امتیازات کا سامنا کر رہی ہیں، لیکن یہ مسائل تمام خواتین کے لیے یکساں قسم کے نہیں ہیں۔ چونکہ ہندوستان کثیر آبادی اور مختلف مذاہب اور تہذیب کا گہوارہ ہے، لہذاء مختلف معاشروں میں مسائل کی نوعیت بھی جدا جدا ہے۔ ان مسائل کا بین الطبقاتی مطالعہ (Intersectional Study) کیا جائے تو مذہب، ذات، طبقہ، علاقائی بنیاد پر صنفی مسائل کے مزید کئی اور مختلف روپ نظر آتے ہیں، جبکہ شہری خواتین کے مقابلے میں دیہی معاشروں کی خواتین اور بھی زیادہ مسائل اور امتیازات سے جوج رہی ہیں۔ ہندوستانی سماج میں صدیوں سے چلے آ رہے پدرانہ نظام کے نتیجے میں صنفی فکر اور رویّوں کا ایک پیچیدہ ڈھانچہ تیار ہو گیا جس میں عورت و مرد کے مقام و مرتبہ میں فرق بڑھتا چلا گیا۔ خواتین کی تعلیم میں پچھڑا پن، ہنر مندانہ تربیت کا فقدان، غیر منظم سیکٹر میں ملازمت اور کم اجرت کے

کام، کمزور صحت، تولیدی صحت سے جڑے مسائل، مادہ جنین کشی، گھریلو تشدد، کام کی جگہ یا عوامی جگہ پر جنسی ہراسانی، جہیز ہراسانی سے ہونے والی اموات میں اضافہ، بنیادی حقوق بشمول وراثت کے حقوق کی عدم ادائیگی وغیرہ' امتیازی سلوک اور صنفی مسائل کی چند مثالیں ہیں۔ ہندوستان میں لڑکی کی پیدائش سے پہلے ہی امتیازات شروع ہو کر بڑھاپے میں عورت کی موت تک مختلف طرح سے جاری رہتے ہیں اور اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا سماجیانہ کچھ اس طرح سے کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سماجی کردار اور حاکم و محکوم کی حیثیت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ خود خواتین اپنی ثانوی حیثیت کو قبول کر لیتی ہیں۔ بیشتر خواتین اپنی بے اختیاری اور اپنے ساتھ ہونے والے امتیازی رویوں کو مسئلہ نہیں سمجھتیں کیونکہ انھوں نے خاندان اور سماج میں موجود صنفی فرق کو مان لیا اور یہ بھی قبول کر لیا کہ مرد برتر ہیں ۔لہٰذا ان سے ترجیحی سلوک کیا جانا فطری ہے۔ شادی اور خاندان جیسے سماجی اداروں میں مردوں کے غلبے اور عورت پر کنٹرول کو مرد کا حق اور استحقاق سمجھتی ہیں۔ جبکہ انسانی، دستوری اور شرعی اعتبار سے یہ فرق غیر فطری ہے۔ عورت و مرد' دونوں کے دائرہ عمل جدا جدا ہیں لیکن مساوی ہیں۔ یہ صرف سماج کے پیدا کردہ امتیازات اور مسائل ہیں جو دونوں میں تفریق کرتے ہیں۔ اسی لیے عورت اور مرد' دونوں کو یہ جاننا یا صنفی طور پر حسّاس ہونا ضروری ہے کہ سماج میں وہ کونسے صنفی مسائل ہیں جو مجموعی ترقی اور انصاف پر مبنی معاشرے کی تشکیل میں رکاوٹ بنتے آئے ہیں۔ لہٰذا اس اکائی میں ہم ہندوستان میں خواتین کو درپیش اہم سماجی و تہذیبی مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جو صنف کی بنیاد پر رائج کیے گئے اور جس کے نتیجے میں نہ صرف خواتین کی بلکہ ملک و سماج کی ترقی مکمل طور پر ممکن نہیں ہو پا رہی ہے۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

- صنفی مسائل کی تعریف و تشریح کو سمجھ پائیں گے۔
- صنفی حسّاسیت کی ضرورت واہمیت سے واقف ہوں گے ۔
- ہندوستانی سماج میں موجود صنفی مسائل کو جان پائیں گے۔
- خواتین کی ترقی میں حائل سماجی و تہذیبی رکاوٹوں کی نشاندہی کر پائیں گے اور ان کے خاتمہ کے لیے ایک مثبت کردار ادا کر پائیں گے۔

6.2 صنفی مسائل کی تعریف(Definition of Gender issues)

ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ (2012) کے مطابق 'صنف' سماجی طور پر بنائے گئے ایسے اصولوں اور نظریات کے مجموعے کا نام ہے' جو مردوں اور عورتوں کے رویے اور اعمال کا تعین کرتے ہیں۔ صنفی تصورات پر مبنی یہ تفویض کردہ اعمال یا کردار سماج میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے لیے مواقعوں کی کمی اور اختیارات کو محدود کرتے ہیں اور کئی مسائل پیدا کرتے ہیں"

صنفی مسائل' سے مراد خواتین اور مردوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے جڑے وہ مسائل ہیں' جو انھیں انسان کی حیثیت سے حاصل بنیادی حقوق، مواقع اور ان کی سماجی، سیاسی، ثقافتی شراکت داری میں جنسی شناخت کی بنیاد پر پیدا ہوتے ہیں۔ صنفی مسائل کے اثرات دیر پا ہوتے ہیں۔ صنفی مسائل عام طور پر معاشرے میں مرد اور عورت کی حیثیت اور ان کے پیچیدہ تعلقات کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں سے تانیثی مفکرین، محققین و ناقدین نے سماجی مسائل کو صنفی نقطۂ نظر سے دیکھنے اور سمجھنے کی طرف توجہ دلائی اور اپنی تحقیقات سے یہ ثابت کیا کہ ملک و سماج کی ترقی کو بہتر بنانے کے لیے ان مسائل سے سماج کو متعارف کروانے، انہیں مرکز میں لانے (Mainstreaming of Gender issues) نیز ان کی روک تھام کے لیے خاص پالیسی سازی اور قوانین کا سخت نفاذ ضروری ہے۔ صنف اور ترقی (Gender and Development) کے نظریہ ساز افراد کے مطابق "صنفی مسائل" کو جاننا دراصل سماج کی ترقی کو صنفی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا ایک ایسا طریقہ ہے جو یہ بتاتا ہے کہ سماجی اصول اور طاقت و غلبے کے ڈھانچے' مردوں اور عورتوں کے مختلف گروہوں کی زندگیوں اور مواقعوں پر کیسے اثرانداز ہوتے ہیں اور وہ آگے ملک کی مجموعی ترقی کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ یعنی صنفی تعلقات کو سمجھنا اور ان کے پیچھے موجود طاقت کی حرکیات (Power Dynamics) کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ افراد کی رسائی اور وسائل کی تقسیم، فیصلے کرنے کی صلاحیت اور سیاسی عمل اور سماجی ترقی سے خواتین اور مرد، لڑکے اور لڑکیاں کس طرح متاثر ہوتے ہیں' ان کا بھرپور اندازہ لگایا جا سکے۔ اس کی ایک مثال ہم خواتین کی غربت سے لے سکتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی تنظیم UN Women کی رپورٹس سے پتہ چلتا ہے کہ عالمی سطح پر مردوں سے زیادہ خواتین غربت کا شکار ہیں اور وہ نہایت پسماندہ زندگی گزار رہی ہیں۔ کسی بھی ملک میں غربت کی وجوہات اور سماج پر ان کے اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے عورتوں و مردوں' دونوں کے مسائل اور موقف کا تجزیہ صنفی نقطۂ سے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تب ہی ہم اس ایک مسئلہ سے جڑے سینکڑوں دیگر مسائل جیسے لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو تعلیم کے حصول کے کم مواقع، ہنرمندانہ صلاحیتوں کے فروغ میں رکاوٹیں، مختلف شعبوں میں روزگار تک رسائی کی محدودیت، ازدواجی زندگی کا انتشار، بچوں کی تنہا ذمہ داری اور تہذیبی روایات اور حد بندیاں وغیرہ' کو جان سکتے ہیں' جو خواتین کی ترقی میں حائل ہوتے ہیں اور انہیں غربت کے دائرے میں محدود کرتے ہیں۔ مرد اور

عورتیں مختلف طریقے سے غربت کا تجربہ کرتے ہیں اور اقتصادی وسائل اور سیاسی مواقعوں تک رسائی میں مختلف رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہیں۔ان تمام رکاوٹوں کو صنفی نقطۂ نظر سے جانچنااور سمجھنادراصل صنفی مسائل کو جاننے کا عمل ہے۔

6.3 صنفی حسّاسیت کی ضرورت واہمیت(Need and Importance of Gender Sensitization)

6.3.1 صنفی حسّاسیت کی تعریف(Introduction of Gender Sensitization)

صنفی حسّاسیت سے مرادافراد کو صنف سے متعلق مسائل، تعصبات اور معاشرے میں عدم مساوات سے آگاہ کرنے کا عمل ہے۔ صنفی حسّاسیت کا مقصد تمام جنسی شناخت والے افراد(عورت، مرداور دیگر جنسی شناخت کے افراد) کے لیے مساوات، تحفظ اوراحترام و باوقار زندگی کو فروغ دینا ہے۔ صنفی حسّاسیت میں ایسے سماجی رویوں اور طرز عمل کو سمجھنا شامل ہے'جو صنف کی بنیاد پر دقیانوسی تصورات، امتیازی سلوک اور جبر کو تقویت دیتے ہیں اور بے شمار مسائل پیدا کرتے ہیں۔اس میں غیر مساوی طاقت کی حرکیات، مراعات اور نقصانات کو پہچانااور سمجھنا شامل ہے جو زندگی کے مختلف شعبوں بشمول تعلیم، ملازمت، سیاست اور خاندان میں جنسوں کے درمیان صنفی تصورات اور غلبے کے نظام کے طور پر موجود ہیں۔

6.3.2 صنفی حسّاسیت کی ضرورت واہمیت(Need and Importance of Gender Sensitization)

صنفی تصورات اور مسائل سے آگاہی یعنی صنفی حسّاسیت(Gender Sensitization) کسی بھی فرد کو خواہ وہ عورت ہو یا مرد'اتنا بااختیار بناتی ہے کہ وہ فرد صنفی دقیانوسی تصورات اور تعصبات کو چیلنج کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ صنفی انصاف کے متعلق حسّاس فرد' اپنے خاندان اور سماج سے عدم مساوات کو دور کرنے، مساوات کو فروغ دینے، معیار زندگی کو بہتر بنانے اور معاشی ترقی میں سب کی شراکت داری کو تقویت دینے میں نہایت مددگار ذریعہ بن جاتا ہے۔ صنفی حسّاسیت'اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ خواتین، مرد، اور وہ لوگ جو ثنائی صنفی نظام کے مطابق نہیں ہیں ان کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ان کی اہمیت اور صلاحیتوں کو قبول کیا جائے اور انھیں وقار کے ساتھ زندگی گذارنے کے مواقع دیے جائیں۔ صنفی مسائل پر حسّیت پذیری سے مراد صرف خواتین کے ہی مسائل کو جاننا نہیں ہے بلکہ یہ دراصل مجموعی طور پر انسانی زندگی کی بقا، ترقی اور باوقار زندگی سے جڑے مسائل ہیں۔اسی لیے بہ حیثیت ایک تعلیم یافتہ و باشعور فرد کے ہم سب کو صنفی مسائل سے متعلق حسّاس ہونا ضروری ہے۔تاکہ ہم ان مسائل سے متعلق دقیانوسی تصورات اور غلط روایات کا مقابلہ کرنے نیز صنفی بنیاد پر مروج تشدد، امتیازی سلوک اور عدم مساوات جیسے مسائل کا خاتمہ کرنے اور سماجی انصاف قائم کرنے کے لیے مددگار بن سکیں۔

6.4 ہندوستان کا سماجی و ثقافتی تناظر اور صنفی مسائل

(Socio-cultural Context of India and Gender issues)

ہندوستان مختلف مذاہب، تہذیب اور کثیر آبادی والا ملک ہے۔ ہندوستان کی قدامت جتنی ہے اس کی ثقافت اپنی تنوع کے ساتھ ساتھ اتنی ہی قدیم بھی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندوستان صدیوں سے کثرت میں وحدت کا ثبوت پیش کرتا رہا ہے۔ مختلف معاشروں کے عقائد اور اصول وضوابط جداگانہ ہوتے ہوئے بھی کئی تہذیبی روایتوں میں مشترک ہیں۔ دنیا میں ہندوستان اپنی کثیر الجہتی اور منفرد ثقافت کی بناء پر انفرادیت رکھتا ہے تاہم یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی سماج مرد اساس اور پیچیدہ نظام پر مبنی رہا ہے۔ اس نظام میں خواتین کی حیثیت کی متضاد تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ تاریخی ادوار کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ماضی میں خواتین' اچھے مقام و مرتبہ کی حامل ایک آزاد فرد کی طرح تھیں لیکن بعد کے ادوار میں ایسے سماجی اصول وضوابط بنتے گئے جس کی بنیاد پر سماج میں ان کی حیثیت کم سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ وہ تمام تر بنیادی حقوق سے دور کر دی گئیں۔ اس کی مثال آپ اس طرح لے سکتے ہیں کہ سماج ایک طرف عورت کو دیوی کا روپ مانتا ہے یعنی سیتا، لکشمی، پاروتی کی پوجا کی جاتی ہے تو دوسری طرف مادہ جنین یا لڑکیوں کا قتل یا ان کے ساتھ جنسی زیادتی اور گھریلو تشدد ہمیں حیران کرتا ہے۔ یہ کسی ایک مذہب یا ذات میں نہیں ہیں بلکہ پورے سماج اور ثقافت سے جڑے ایسے مسائل ہیں جو سینکڑوں صنفی مسائل اور عدم مساوات کی بنیاد بنتے ہیں۔ مختلف اقدامات کے باوجود آج بھی ہندوستان میں امتیازات اور عدم مساوات برقرار ہیں' جو فوری توجہ کے متقاضی ہیں۔ ہندوستان کا پدرانہ نظام' خواتین کی فیصلہ سازی کے عمل، بنیادی حقوق اور ان کی آواز واظہار پر روک لگاتا ہے۔ سیاسی، معاشی اور سماجی شعبوں میں خواتین کی شرکت کو محدود کر دیتا ہے۔ ہندوستان میں صنفی تعصب مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے' جو مردوں کے مقابلے میں خواتین کے لیے ترقی کے وسائل، صحت کی دیکھ بھال، تعلیم اور کیریئر میں ترقی کے مواقع تک رسائی کو متاثر کرتا ہے۔ ایک منصفانہ مساوی معاشرے کی تشکیل کے لیے صنفی مسائل سے نمٹنے کے لیے مزید مختلف النوع کوششوں کی ضرورت ہے جن میں ان مسائل کو جاننا اور سمجھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے تاکہ ان کے خاتمہ کی کوشش کی جا سکے۔

اقوامِ متحدہ کی سالانہ رپورٹس یعنی ہیومین ڈیولپمنٹ انڈکس اور ہندوستان میں کی گئی تحقیقات اور مطبوعات کے جائزے سے مختلف صنفی مسائل کا پتہ لگتا ہے۔ جن میں سے چند کا یہاں احاطہ کیا جا رہا ہے۔ جیسے معیاری تعلیم تک عورت و مرد کی رسائی غیر مساوی ہے۔ دراصل تعلیم خوشحالی اور مساوات کے لیے ضروری ہے لیکن عدم مساوات کا شکار ہے۔ کم عمری کی شادی کا عمل بدستور جاری ہے۔ ہر پانچ میں سے ایک نوجوان لڑکی کی شادی اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے کر دی جاتی ہے۔ بچپن کی شادی کے رویوں میں تبدیلی اور خواتین اور لڑکیوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والے سخت قانونی فریم ورک کے فروغ کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔ زچگی کی شرح اموات میں کمی آئی ہے لیکن یہ کمی تمام

معاشروں میں یکساں نہیں ہے۔ حمل یا بچے کی پیدائش کے وقت موت کا شکار ہونے والی خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ خرابی صحت کی بناء پر، اسقاطِ حمل اور بچوں کی پیدائش پر کنٹرول تک رسائی محدود ہے اور خاندانی منصوبہ بندی کے اختیارات بھی محدود ہیں۔ اسقاطِ حمل کا قانون بنایا گیا ہے اور خواتین کے حقوق میں شامل کیا گیا ہے لیکن نفاذ میں بڑی مشکلات در آتی ہیں۔

ہندوستان میں خواتین عام طور پر ایک ہی طرح کے کام کے لیے مردوں سے کم کماتی ہیں۔ تنخواہ اور معاوضے یا اجرت کے نظام میں رائج فرق صنفی عدم مساوات کے نظریات کو ظاہر کرتا ہے۔ ہندوستانی خواتین اکثر کم تنخواہ والے شعبوں اور غیر رسمی ملازمتوں میں مرکوز ہوتی ہیں۔ انھیں زیادہ تنخواہ اور قائدانہ کردار تک رسائی میں بڑی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستانی خواتین کے پاس غیر رسمی کارکنوں کے طور پر ملازمت کے تحفظ اور سماجی تحفظات کا فقدان ہے۔ ایک اور اہم توجہ طلب مسئلہ تنخواہ یا اجرت میں صنفی فرق کا ہے۔ خواتین کو مساوی معاشی مواقع کم ہی حاصل ہیں۔ ان کی خود کفالت کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ گھریلو کام اور بزرگوں اور بچوں کی پرورش و مشقت، بنیادی طور پر خواتین کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور آج بھی ان کاموں کو "غیر پیداواری کام (Un productive Work)" ہی تصور کیا جاتا ہے اور انھیں معاشی حصّہ داری میں تصور نہیں کیا جاتا۔ خواتین کی سماجی اور معاشی شراکت کے باوجود انھیں گھریلو امور کی ذمہ داریاں بھی نبھانی پڑتی ہیں۔ وہ دہرا بوجھ اٹھاتی ہیں پھر بھی ان کی کم قدر کی جاتی ہے۔ یہ روایات صنفی عدم مساوات کو برقرار رکھتے ہیں۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے متعلق رپورٹس بتاتی ہیں کہ ہر تین خواتین میں ایک عورت کسی نہ کسی طرح کے یعنی جنسی، جذباتی، نفسیاتی یا جسمانی تشدد سے متاثر ہے۔ وہ ایذا رسانی اور امتیازی سلوک کا سامنا کرتی ہیں، خاص طور پر گھریلو تشدد ان کے لیے کئی طرح کے مسائل پیدا کرتا ہے۔ سیاسی قیادت میں خواتین کی نمائندگی کم ہے۔ سیاسی عہدوں پر فائز خواتین کی موجودہ شرح، صنفی مساوات کی توقعات پر بالکل نہیں اترتی۔ انسانی اسمگلنگ بھی ایک اہم مسئلہ ہے جو تمام جنسوں کو متاثر کرتا ہے لیکن اس مسئلہ میں نوجوان لڑکیاں اور خواتین زیادہ تر متاثرین میں شامل ہیں۔ کئی مقامات پر انہیں شدید خطرات کا سامنا ہے۔

پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کے علاوہ پالیسی ساز اداروں میں خواتین کی کم نمائندگی ہے، جس سے قانون سازی کی اصلاحات اور صنفی مساوات کے لیے پالیسیوں کو بنانے نیز بروئے کار لانے میں کئی رکاوٹیں آتی ہیں۔ سیاست میں خواتین کی زیادہ نمائندگی صنفی مساوات کے درمیاں حائل ساختیاتی رکاوٹوں کو دور کرسکتی ہے۔ ان تمام مسائل کی صنفی حرکیات (Gender Dynamics) کو سمجھنا سب کے لیے مساوات اور انصاف کی جانب بامعنی پیش رفت کے لیے اہم ہے۔

اہم نکات:

ہندوستان میں صنفی مسائل کی وجوہات

- روایتی پدرانہ نظام اور صنفی تفاوت کا نظام، مردانہ تسلط کا غالب نظریہ، لڑکوں کی پیدائش وپرورش کی ترجیحات، لڑکی کے لیے عدم دلچسپی
- مردوں کو خاندان کا فیصلہ ساز، فراہم کنندہ اور محافظ سمجھنا جبکہ خواتین کو خاندان میں صرف ایک معاون کردار کے طور پر دیکھنا
- سماج میں خواتین کے بارے میں کمزور، جذباتی اور ثانوی درجہ کا تاثر
- خواتین میں تعلیم کی کم سطح، اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کے لیے خاندان کی حوصلہ شکنی، خوداعتمادی کی کمی،
- حقوق، قانونی دفعات اور مداخلتوں کے بارے میں آگاہی کا فقدان، مناسب رہنمائی کی عدم دستیابی
- روایات، سماجی رسوم ورواج، مذہبی متون، عقائد اور تشریحات میں خواتین کو ماتحت کا درجہ دینا
- جہیز ولین دین کا نظام، شادی اور خاندان جیسے سماجی اداروں میں عورت کی ثانویت نیز ہر قسم کے امتیازی سلوک اور استحصال کی قبولیت

6.5 تعلیم اور معاشی سرگرمیوں میں صنفی تفاوت

(Gender Disparities in Education and Economic Activities)

6.5.1 تعلیم میں صنفی تفاوت(Gender Disparity in Education)

تعلیم میں صنفی تفاوت یا نابرابری' بنیادی طور پر ثقافتی، سماجی اور اقتصادی عوامل کی وجہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان تعلیمی مواقع میں تفاوت کو کہتے ہیں۔ سماج میں مروج صنفی تعصب، روایات اور فرسودہ نظریات سب سے بڑی وجوہات ہیں' جو لڑکیوں کی تعلیم تک رسائی کو مشکل بناتی ہیں۔ لڑکیوں کے لیے مختلف قسم کے ایسے مذہبی و تہذیبی صنفی حدود بنائے گئے ہیں جن کی وجہ سے لڑکیوں کو ضروری ہنر، علم اور مستقبل کے مواقع تک رسائی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ سنسس رپورٹ 2011 میں خواندگی کی شرح کا فرق بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان نے تعلیم میں صنفی امتیاز کو کم کرنے میں کچھ پیش رفت کی ہے' اس کے باوجود اہم فرق اب بھی برقرار ہے۔ جیسے جیسے لڑکیاں اعلیٰ تعلیم کی سطح پر جاتی ہیں، ان کے اسکول میں رہنے کا امکان کم ہوتا جاتا ہے۔ ثانوی اسکول میں اندراج کی شرح میں نمایاں کمی واقع ہوتی ہے۔ (unicef.org-2024)۔ ہندوستانی خواتین کی کم تعلیمی حیثیت برسوں سے چلا آرہا ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ گرچہ کہ خواتین کی شرح خواندگی میں گزشتہ برسوں کے دوران نمایاں بہتری آئی ہے، لیکن اب بھی کئی ریاستوں اور دیہی و شہری علاقوں میں نمایاں تفاوت موجود ہے۔ تعلیمی نظام میں صنفی تعصب بھی ایک اہم عنصر ہے جو مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعلیم کو متاثر کرتا ہے۔ بہت سے معاشروں میں

لڑکیوں کی تعلیمی ضروریات کو اکثر لڑکوں کے حق میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ تعصب صدیوں پرانے پدرانہ رویوں سے پیدا ہوتا ہے جو بنیادی طور پر خواتین کو معاشرے میں مساوی شراکت داروں کے بجائے ایسے گھریلو فرد کے طور پر دیکھتے ہیں جسے تعلیم وآگہی کی ضرورت نہیں۔ اگر لڑکیاں ثانوی سطح تک تعلیم میں رسائی حاصل کر لیتی ہیں، تب بھی انہیں امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مختلف وجوہات کی بنیاد پر ترکِ تعلیم پر مجبور کر دی جاتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا حصول یا کیریئر کے مخصوص راستوں پر چلنے کے لیے ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

ورلڈ اکنامک فورم (World Economic Forum) کے ذریعہ ہر برس "گلوبل انڈیکس رپورٹ" شائع کی جاتی ہے۔ جس میں عورتوں اور مردوں کی تعلیم، صحت اور معاشی وسیاسی حصّہ داریوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور صنفی مساوات کی بنیاد پر درجہ بندی کی جاتی ہے۔ 2024 میں شائع شدہ رپورٹ میں ہندوستان کی درجہ بندی 146 ممالک میں سے 129 ویں نمبر پر کی گئی ہے۔ گذشتہ برس کے مقابلے میں ہندوستان دو پوزیشن نیچے آگیا ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مختلف اقدامات کے باوجود عالمی سطح پر ہندوستان کا پوزیشن بہتر ہونے کے باوجود تمام شعبوں میں صنفی عدم مساوات کی صورتِ حال کو بہتر نہیں بنایا جاسکا ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی مردوں اور عورتوں کے درمیان شرح خواندگی کا فرق 17 فیصد ہے۔ دیہی علاقوں میں خواتین کو اب بھی وسیع امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔ سائنسی مضامین میں داخلہ یا پیشہ وارانہ شعبہ جات میں خواتین کی شرکت سب سے کم ہے۔ درجہ بندی میں یہ کمی صنفی مساوات میں خاص طور پر تعلیم کے شعبے میں نمایاں کمی کی عکاسی کرتی ہے۔ رپورٹ میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ خواتین کی تعلیمی حیثیت کے بگڑتے حالات کی وجہ سے اس سال ہندوستان کی پوزیشن مزید نیچے آگئی ہے۔ مذکورہ نتائج صنفی تفاوت کو ختم کرنے اور مختلف شعبوں میں صنفی مساوات کے حصول میں ہندوستان کو درپیش جاری چیلنجوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ایک اہم ہندوستانی رپورٹ Women and Men in India Report-2024 کے مطابق بھی پچھلے چند برسوں میں عورتوں اور مردوں کی خواندگی میں صنفی فرق کم ہوا ہے۔ تعلیم کی تمام سطحوں پر داخلہ کے فیصد میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ خواتین کی خواندگی 70.4 فیصد تک پہنچ گئی ہے جبکہ مردوں کی خواندگی 84.7 ہو گئی ہے۔ اضافہ کے باوجود 14.3 فیصد کے صنفی فرق کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جبکہ (Census Report) مردم شماری 2011 کے مطابق، کل آبادی میں صرف 63 فیصد خواتین خواندہ ہیں، جبکہ مردوں کی شرح خواندگی 80 فیصد سے نمایاں طور پر کم ہیں۔ اگرچہ مختلف تعلیمی سطحوں پر خواتین کی فیصد زیادہ ہے، لیکن ایک قابل ذکر تناسب اب بھی تعلیم تک رسائی سے محروم ہے۔ ہندوستان میں تعلیم میں صنفی فرق تعلیمی مواقع تک رسائی اور اس سے فائدہ اٹھانے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان صنفی فرق کو واضح کرتا ہے۔ ثانوی درجات سے لے کر گریجویشن میں ترکِ تعلیم کرنے والی لڑکیوں کی

شرح میں نمایاں فرق نہیں ہوا ہے۔ وہ رجحان ابھی باقی ہے۔ شہروں کے مقابلے میں دیہاتوں میں تعلیم کے فروغ سے جڑے مسائل اب بھی پدرانہ نظام کی زیادہ جکڑ میں ہیں۔

ہندوستانی وزارتِ تعلیم کی جانب سے جمع کردہ اعداد و شمار کے لیے دو بنیادی نظام استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایک ''یونیفائیڈ ڈسٹرکٹ انفارمیشن سسٹم فار ایجوکیشن''(UDISE)دوسرا ''آل انڈیا سروے آن ہائر ایجوکیشن''(AISHE)یہ دو اہم ادارے ہیں جو تعلیمی صورتِ حال پر ہر برس رپورٹس شائع کرتی ہیں۔ وزارتِ تعلیم کی رپورٹ کے مطابق 12.73 کروڑ لڑکیوں کے مقابلے 13.79 کروڑ لڑکے اسکولوں میں داخل ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکول کی آبادی کا 48 فیصد لڑکیاں ہیں۔ پری اسکول اور کنڈر گارٹن کی سطح پر، لڑکیاں صرف 46.8 فیصد ہیں۔ پرائمری اسکول میں یہ تعداد بڑھ کر 47.8 فیصد اور اپر پرائمری یا ایلیمنٹری اسکول (کلاس 6 سے 8) میں 48.3 فیصد تک پہنچ جاتی ہیں۔ تاہم ثانوی اسکول کی سطح (کلاس 9 اور 10) پر صنفی فرق وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اعلیٰ ثانوی سطح پر اندراج میں کچھ بہتری آئی ہے لیکن وہ صرف چند شہروں تک محیط ہے۔ AISHE Report, 2022 کی شماریات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لڑکیوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کی طرف رجحان میں کسی حد تک مثبت فرق آیا ہے رپورٹ کے مطابق 18 سے 23 سال کی عمر کے گروپ میں گزشتہ دہائی کے دوران اعلیٰ تعلیم میں خواتین کے داخلے میں 28.3 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ فی الحال، خواتین کا اندراج کل آبادی کا 49 فیصد ہے۔ تازہ ترین رپورٹس کے مطابق دیگر مضامین کے انتخاب کے مقابلے میں اسٹم(Science, Technology, engineering, Mathematics (STEM)) مضامین کا انتخاب کرنے والی خواتین کی تعداد دیگر اسٹریمز کے مقابلے میں خاصی کم ہے۔ گرچہ کہ اس رجحان میں بھی ہلکا سا فرق ہوا ہے۔ 'اسٹم' میں خاتون گریجویٹس کا فیصد 43 ہوا ہے جو کہ عالمی سطح کے چند بہتر کارکردگی والے ممالک کے برابر ہے۔ جبکہ قومی اوسط کے اعتبار سے اس جانب بھی مزید پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ مذکورہ رپورٹ کے مطابق 'صرف 29.5 لاکھ طالبات سائنس کا انتخاب کرتی ہیں، جب کہ مرد طلبہ کی تعداد کل 55.5 لاکھ ہے۔ ہندوستان میں ملک کی آزادی کے بعد سے پنج سالہ منصوبوں اور پالیسیز کے نفاذ کے ذریعے تعلیمِ نسواں کو عام کرنے اور انھیں مردوں کے برابر مواقع عطا کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے جاتے رہے' لیکن اتنے برس گزرنے کے باوجود سماج کے صنفی رویوں میں مکمل طور پر کمی نہیں ہوئی ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو تعلیم کے حصول میں کئی ایک سماجی و ثقافتی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ ان کے لیے خاندانی سطح پر تعاون اور بنیادی وسائل کی کمی ہے۔ روایتی طور پر انھیں گھریلو فرائض تک محدود کرنے کے تصور میں تبدیلی کی سخت ضرورت ہے۔ حالانکہ خواتین نے کام، مالیات، رشتوں اور توقعات کو متوازن کرتے ہوئے بیک وقت متعدد کاموں کو سنبھالنے کی صلاحیت کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ باوجود اس کے خواتین کو اعلیٰ و پیشہ وارانہ تعلیم کے حصول اور کیریر کے انتخاب کرنے میں بڑے چیالینجس ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے میں سینکڑوں رکاوٹیں ہیں۔

6.5.2 معاشی سر گرمیوں میں صنفی تفاوت(Gender Disparity in Economic Activities)

ہندوستان کے معاشی نظام یا سر گرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو مر دو خواتین کی حصّہ داری میں نمایاں صنفی فرق نظر آتا ہے۔"معاشی سر گرمیوں میں صنفی تفاوت" کا مطلب یہ ہے کہ مر دوں کے مقابلے میں 'ہندوستانی خواتین کی بڑی تعداد غیر منظم سیکٹر جیسے 'زراعت، کپڑا بنائی، بیڑی بنانا، اچار پاپڑ بنانے کی صنعتوں کے کام، غیر محفوظ و کم اجرت والے کام، گھریلو کامگار اور غیر رسمی معیشت یا شعبوں (In Formal Economy or sectors)میں ملازمت سے وابستہ ہوتی ہیں۔ یہ سیکٹر ہندوستان کی معاشرتی زندگی کے لیے نہایت اہمیت رکھتے ہیں جس کے ذریعے سے اجناس، لباس یا دیگر روز مرہ کی ضروریات کا سامان مہیا ہوتا ہے اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان اشیاء کو فراہم کرنے والی خواتین کی بڑی تعداد ہے۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیر رسمی معیشت کی کوئی قدر نہیں ہے۔ اس میں کم اجرت یا کم تنخواہ والے کام ہوتے ہیں اور مستقل ملازمت نہیں ہوتی بلکہ عارضی ہوتی ہے۔ کسی قسم کی سہولیتیں یا سماجی تحفظ حاصل نہیں رہتا۔ قومی وریاستی سطح پر شائع ہونے والی رپورٹس کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف چند فیصد خواتین ہی رسمی شعبوں(Formal sectors)، مستقل ملازمتوں اور اعلیٰ عہدوں کو حاصل کر پاتی ہیں۔ خواتین کی ملازمت کی نچلی پوزیشن معاشی اثاثوں تک رسائی کو کم کرتی ہے اور انھیں غربت کا شکار بنانے کے علاوہ قرض میں مبتلا بھی رکھتی ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹس کے مطابق "دنیا کی غریب آبادی کا بڑا حصّہ خواتین پر مشتمل ہے۔ غربت اور عورت کا بڑا گہرا رشتہ ہے"۔ سماجی وصنفی تقاضے، خاندانی رکاوٹیں 'خواتین کو صرف چند ایک معاشی سر گرمیوں تک محدود رکھے ہوئے ہیں۔ خواتین کو لیبر مارکیٹ میں داخل ہونے اور باوقار کام تک رسائی کے لیے بہت سی 'رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مستقل اور بہتر روزگار تک رسائی کے لیے انھیں نہ صرف تعلیم وہنر مندانہ صلاحیتوں کے فقدان کا مسئلہ ہے بلکہ متعدد سماجی و ثقافتی اصولوں سے مقابلہ کرنے کے چیلینجس بھی ہیں۔ کام کا انتخاب، کام کے حالات، روزگار کی حفاظت، اجرت کی برابری، امتیازی سلوک اور کام کے مسابقتی بوجھ اور خاندانی ذمہ داریوں میں توازن کو قائم رکھنا ان کے لیے مشکلات سے پر راستہ ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کو غیر رسمی معیشت میں بہت زیادہ نمائندگی دی جاتی ہے جہاں ان کے استحصال کے خطرے کا سامنا عام طور پر سب سے زیادہ ہوتا ہے اور انہیں ملازمت اور دیگر سہولتوں کا تحفظ کم ہی حاصل رہتا ہے۔

معاشی سر گرمیوں میں ہندوستانی مر دوں و عورتوں کی حصّہ داریوں کے درمیان واضح فرق پایا جاتا ہے۔ ہندوستان کی پائیدار ترقی کے لیے یہ ایک بڑی رکاوٹ محسوس کی جارہی ہے۔ گرچہ کہ اس جانب کچھ پیش رفت ہوئی ہے 'لیکن ابھی بہت طویل سفر طے کرنا باقی ہے۔ مر دوں کے مقابلے خواتین کے لیے کام اور ملازمت کی فراہمی، اجرت یا تنخواہ کے حصول میں تفریق کو جینڈر گیپ رپورٹ-2024 میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق "ہندوستان میں مجموعی طور پر اقتصادی شراکت اور مواقع میں بہتری دیکھی گئی ہے باوجود اس کے

اب بھی ہندوستان عالمی سطح پر شماریات کے حوالے سے درجہ بندی میں نیچے کی سطح پر یعنی 142 ویں مقام پر ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ' کل آمدنی، قائدانہ کردار، افرادی قوت کی شرکت، اور تکنیکی پیشوں میں صنفی فرق کو ختم کرنے میں ہندوستان کامیاب نہیں ہو پایا ہے۔بے شمار چیلنجز بدستور موجود ہیں''ہندوستان میں معاشی ترقی کے مثبت رجحانات کے باوجود' اعداد و شمار گہری جڑوں والی ساختیاتی صنفی رکاوٹوں اور خواتین کی پیشہ ورانہ علیحدگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

تازہ ترین سروے رپورٹس بشمول لیبر فورس سروے کے علاوہ مین ویمن ان انڈیا رپورٹ (Men Women in India Report-2024) کے اعداد و شمار ہندوستان میں خواتین کی معاشی شراکت کی ایک بہتر لیکن پیچیدہ تصویر پیش کرتے ہیں۔جیسا کہ پچھلی سطور میں لکھا گیا کہ خواتین کی لیبر فورس میں شرکت کی شرح((Labour Force Participation Rate(LFPR))اور ورکرز کی آبادی کے تناسب((Workforce Population Rate (WPR)) میں خاطر خواہ اضافہ حوصلہ افزا علامات ہیں۔لیکن یہ اعداد و شمار کہیں نہ کہیں ان صنفی عدم مساوات کی شدتوں اور پیشہ ورانہ علیحدگی کو پوشیدہ رکھتے ہیں' جو خواتین کی حقیقی معاشی بااختیاریت اور سماجی شمولیت میں رکاوٹ بنتے رہتے ہیں۔اس بات کے شواہد ہمیں علاقائی یا مائکرو لیول پر کی جانے والی تحقیقی رپورٹس میں ملتے ہیں۔ان رکاوٹوں میں 'گہری جڑوں والے سماجی و ثقافتی اصول، محفوظ عوامی مقامات اور ٹرانسپورٹ کی کمی، اور خواتین پر بلا معاوضہ دیکھ بھال کے کام کا غیر متناسب بوجھ قابل ذکر ہیں جو خواتین کی معاشی شرکت میں رکاوٹ بنتے رہتے ہیں۔

لیبر فورس سروے (2020) کے مطابق، 15 سال یا اس سے زیادہ عمر کے افراد کی شرکت میں 2018-2017 کے بعد سے مرد اور خواتین دونوں کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔تاہم، خواتین کی آبادی کا LFPR' پندرہ سال اور اس سے زیادہ عمر کے گروپ میں مردوں کی آبادی سے بہت پیچھے ہے۔جبکہ 2021-22 میں مردوں کے لیے 77.2 شرکت رہی اور خواتین کے لیے 32.8 فیصد رہا۔یہ صنفی تفاوت گزشتہ برسوں میں تقریباً یکساں رہا ہے۔دیہی علاقوں کے مقابلے شہری علاقوں میں مرد اور خواتین LFPR میں فرق زیادہ وسیع ہے۔ہندوستان کی لیبر فورس میں مردوں کے مقابلے خواتین کی اتنی کم شرکت سماجی عوامل، تعلیمی قابلیت، کام کی جگہ اور اجرت کے معاملے میں صنفی امتیاز کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔2021-2022 میں کام کی آبادی کی شرح (WPR) دیہی علاقوں میں 54.7 اور شہری علاقوں میں 55.0 مردوں کی آبادی کے لیے تھی لیکن خواتین کی آبادی کے لیے بالترتیب 26.6 اور 17.3 تھی۔'زراعت سے جڑے کام'' دیہی علاقوں میں روزگار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جہاں کل خواتین ورکرز کا تین چوتھائی اور مرد ورکرز کا نصف حصہ شامل ہے۔تعمیرات، تجارت، ہوٹل اور ریستوراں کے تناسب میں مرد کارکنوں کی تعداد خواتین کارکنوں سے زیادہ ہے۔اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں خواتین کی معاشی صورتحال میں بہت کم فرق آیا ہے (WPR) مردوں کے مقابلے میں خواتین کی آبادی کی شرح نصف ہے

جبکہ کام گار مردوں کی آبادی کے ایک تہائی سے زیادہ ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کام کرنے والی خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں بہت کم ہے جس کی وجہ مختلف سماجی اقتصادی عوامل ہو سکتے ہیں۔

تیز رفتار اقتصادی ترقی کے باوجود ہندوستان میں خواتین کی اقتصادی شراکت میں صنفی تفاوت گہرااور مستقل معلوم ہورہاہے۔ اقتصادی شراکت میں صنفی فرق کو ختم کرنا سماجی انصاف کے لیے ضروری ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی میں ترقی کے باوجود خواتین کو مردوں کے برابر تعلیم، ہنرمندی اور روزگار کے حصول و مواقع تک رسائی میں اب بھی بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے۔ تعلیمی و معاشی سطح پر صنفی مساوات فروغ پاجائے تو ہندوستان اپنی جی ڈی پی میں خاطر خواہ اضافہ کر سکتا ہے۔اس سے نہ صرف خواتین کی زندگی بہتر ہو گی بلکہ پوری قوم کو فائدہ ہوگا۔ہندوستانی خواتین کو حقیقی معنوں میں معاشی بااختیار بنانے اور سماجی شمولیت کے حصول کے لیے سماجی رویوں اور اصولوں میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ مثبت رجحانات کے باوجود، تحقیقی رپورٹس کے اعداد و شمار اور کیس اسٹڈیز گہری جڑوں والی ساختیاتی رکاوٹوں کی ترجمانی کرتے ہیں جو معاشی حصّہ داری میں صنفی تفاوت کا جاری سلسلہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مزید پالیسی اقدامات کے علاوہ سماجی سطح پر ایسی کوششیں کی جائیں جن کا مقصد سماج کی فرسودہ ذہنیت کو تبدیل کرنا، صنفی حساس تعلیم کو فروغ دینا، اور ایک ایسے قابل ماحول کو فروغ دینا جو خواتین کی خواہشات اور انتخاب کی حمایت کرتا ہو، ناگزیر ہے۔

اہم نکات:

- اقتصادی شراکت میں ہندوستان صرف 36.7 فیصد صنفی مساوات تک پہنچ سکا ہے۔
- روزگار میں صنفی فرق کو ختم کرنے سے ہندوستان کی جی ڈی پی میں 30 فیصد اضافہ ہو سکتا ہے۔
- ہندوستان میں صنفی مساوات اس کے جی ڈی پی میں 700 بلین ڈالر کا اضافہ کر سکتی ہے۔
- اقتصادی مواقع میں 40 فیصد سے بھی کم صنفی مساوات کے ساتھ ہندوستان عالمی سطح پر نیچے ہے۔
- ہندوستان میں خواتین مردوں کے مقابلے میں بلا معاوضہ دیکھ بھال کے کام پر زیادہ وقت صرف کرتی ہیں۔
- افرادی قوت میں مردوں اور عورتوں کو یکساں مواقع فراہم کرنے میں مزید اقدامات کی ضرورت ہے
- ہندوستان میں خواتین کو متعدد چیلنجز کا سامنا ہے جو ان کی معاشی شراکت میں رکاوٹ ہیں۔ان میں سماجی اصول، تعلیم اور ہنر کی ترقی تک رسائی کا فقدان اور ملازمت کے شعبوں میں محدود مواقع شامل ہیں۔
- ہندوستان میں صنفی مساوات کو بہتر بنانے کے لیے سماجی و ثقافتی مسائل کو حل کرنا اور افراد کو صنفی طور پر حسّاس بنانا بہت ضروری ہے۔

6.6 ہندوستانی سماج میں لڑکوں کی ترجیح کا نظام

(Son preference system in the Indian Society)

ہندوستان میں لڑکوں کی پیدائش اور پرورش کو ترجیحی بنیاد اور خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے بیشتر معاشروں میں خاندان کی بنیاد اور استحکام اور وقار کو لڑکوں کی پیدائش کے ساتھ دیکھا جاتا ہے' جبکہ لڑکیوں کی پیدائش کو خاندان کے لیے بدنصیبی و شرمندگی کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ صدیوں سے رائج ان سماجی تصورات اور روایات کے نتیجے میں جنسی شرح میں عدم توازن کا سلسلہ چل پڑا۔ لڑکوں کی پیدائش کے لیے ترجیح پدرانہ نظام کا بنیادی عنصر ہے۔ چونکہ اس نظام میں مرد کو مرکزیت اور حاکمیت حاصل ہے اور تمام وسائل اور فیصلہ سازی پر نہ صرف ان ہی کا غلبہ رہتا ہے بلکہ وہی رتبہ اور مقام ایک نسل سے دوسری نسل کے مرد تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ لہذا غلبے کے نظام کے اس تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے مرد اولاد لازم سمجھی جاتی ہے۔ سماج میں لڑکے کی ترجیحات کا نظام نہ صرف سماج میں عدم مساوات کو فروغ دیتا ہے بلکہ عورت کی حیثیت کو کم تر موقف عطا کرتا ہے۔ آپ نے اپنے گھر، خاندان یا سماج میں محسوس کیا ہوگا کہ عام طور پر تمام معاملات میں لڑکے کو لڑکی کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ جبکہ صدیوں کی ہماری تاریخ اور ثقافت بھی اس بات کی گواہ ہے۔ ان کے نقوش ہم' سماجی روایتوں، لوریوں، گیتوں، محاوروں، دعاؤں، منتّوں و مرادوں اور بے شمار ادبی تحریروں کے علاوہ فلموں اور ٹیلی سیریل ڈراموں میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سماجی و تہذیبی عوامل سماج کو مسلسل یہ سمجھاتے رہے کہ لڑکے ہی گھر کا چراغ ہوتے ہیں اور جب وہ جوان ہوں گے تو خاندان کو تحفظ اور روٹی مہیا کرنے والے بنیں گے۔ اسی لیے ان کی پیدائش سے لے کر تمام عمر ان کی خاص دیکھ بھال اور ضروریات، پسند ناپسند کو پہلی ترجیح دی جاتی ہے۔ انھیں آزاد اور فیصلہ ساز فرد کے طور پر پھلنے پھولنے اور اپنی شخصیت کو نکھارنے کے بھرپور مواقع دیے جاتے ہیں۔ لڑکوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ہی رہیں گے اور بڑھاپے میں ان کا پورا خیال رکھیں گے' بلکہ کئی مذاہب اور تہذیبوں میں والدین یا بزرگوں کے انتقال پر رسومات ادا کرنے کا حق بھی مرد اولاد کو دیا گیا ہے۔ انہیں خاندانی معیشت اور ورثہ میں مکمل شراکت دار سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں بالعموم لڑکی کی پیدائش کا جشن نہیں منایا جاتا جبکہ لڑکے کی پیدائش کو ایک نعمت سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ بڑی تقریبات منائی جاتی ہیں۔ عام طور پر یہ نظریہ عام ہے کہ لڑکیاں پرایا دھن ہوتی ہیں۔ والدین کے گھر وہ چند برسوں کے لیے مہمان ہوتی ہیں۔ وہاں شادی تک ان کو محفوظ رکھنے کے پورے جتن کیے جاتے ہیں۔ سماج میں یہ نظریہ بھی قبول کر لیا گیا' چونکہ لڑکیوں کی شادی کسی دوسرے خاندان میں کر دی جاتی ہے' اسی لیے انھیں جائیداد یا معیشت و کاروبار میں شراکت دار نہیں بنایا جاتا تاکہ وہ جائداد کو اپنے ساتھ نہ لے جائے۔ یہ نظریہ بھی عام ہے کہ لڑکوں کی تعلیم ضروری ہے چاہے کتنا پیسہ ان پر خرچ کرنا پڑے جبکہ لڑکیوں کی تعلیم پر کم خرچ کیا جاتا ہے اس

لیے کہ ان کی شادی پر جہیز اور لین دین پر اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔یعنی ہندوستان میں لڑکی کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی شادی، جہیز اور لین دین کے نظام کو لے کر ایک بوجھ کا تصور شروع ہو جاتا ہے۔دوسری طرف جہیز سے وابستہ ہراسانی، ظلم، جبر اور استحصال کے واقعات لڑکی کے والدین کو مزید خوف میں مبتلا کرتے ہیں۔مختلف رپورٹس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہیز کے نظام اور ایذارسانیوں کے واقعات سے خوف کھا کر اکثر والدین مادہ جنین کشی کو ترجیح دیتے ہیں۔اگر لڑکی کا وجود دنیا میں آبھی جائے تو بیشتر افراد اس کی پرورش صنفی تصورات کے ساتھ ہی انجام دیتے ہیں۔لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کا پورا نظام لڑکوں سے جداگانہ ہوتا ہے۔لڑکیوں کے لیے وراثت کے حقوق پر عمل نہیں کیا جاتا۔ جس کے نتیجے میں لڑکیوں کو خاندانی جائیداد میں حصّہ نہیں ملتا یا کم دیا جاتا ہے۔یہ تمام عوامل سماج میں عورت کی حیثیت کو دوسرے درجہ پر پہنچاتے ہیں اور انھیں بااختیار فرد بننے سے روکتے ہیں۔لڑکوں کو ترجیح دینے کے نظریات کا راست اثر مادہ جنین کشی کی صورت میں ایک بڑا مسئلہ بن کر ابھرا ہے۔جس کے نتیجے میں جنسی شرح میں نابرابری اور عدم مساوات سماج کی ہر سطح پر دیکھی جاسکتی ہے۔

6.7 مادہ جنین کشی اور غیر متوازن جنسی تناسب

(Female Foeticide and Inbalanced Sex Ratio)

6.7.1 مادہ جنین کشی اور نو مولود لڑکیوں کے قتل سے کیا مراد ہے

(What is meant by Female Foeticide and Infanticide)

مادہ جنین کشی(Female Foeticide)سے مراد یہ ہے کہ "پیدائش سے پہلے جنین (بچہ) کے جنس کا تعین کر کے اگر وہ لڑکی ہو تو اسے ماں کے رحم میں ہی ضائع کر دینا۔" یہ عمل صنفی امتیاز اور خواتین کے خلاف تعصب کا ایک انتہائی سنگین مظہر ہے۔مادہ جنین کشی خاص طور پر اُن معاشروں میں پائی جاتی ہے جہاں لڑکیوں کو کمتر سمجھا جاتا ہے اور بیٹوں کو خاندان کا وارث تصور کیا جاتا ہے۔

نو مولود لڑکیوں کا قتل(Female Infanticide)سے مراد ہے کہ "پیدائش کے فوراً بعد لڑکی ہونے کی وجہ سے اس کا جان بوجھ کر قتل کر دینا۔" یہ ایک غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی عمل ہے جو کہ بعض معاشروں میں صنفی تعصب، غربت، اور روایتی سوچ کی بنیاد پر انجام دیا جاتا ہے۔اس عمل کی کچھ عام صورتیں ہیں جیسے 'زہر دے کر مار دینا، سانس روک دینا، زمین میں دفنا دینا، ماں کو مناسب خوراک یا علاج نہ دے کر بچے کی موت کا باعث بننا۔مادہ جنین کشی یا نو مولود لڑکیوں کا قتل' دراصل قتلِ انسان کے زمرے میں آتا ہے اور یہ نا قابلِ معافی اور سزا یافتہ جرم ہے۔ بیشتر ممالک بشمول ہندوستان میں ایسے عمل کے خلاف سخت قوانین موجود ہیں۔ حکومتِ ہند نے PCPNDT Act, 1994 (Pre-Conception and Pre-Natal Diagnostic Techniques

(Act نافذ کیا ہے، جس کے تحت بچے کی جنس کا تعین کر کے اسقاط حمل کرنا غیر قانونی ہے۔ایسے ڈاکٹرز اور کلینکس پر جرمانہ اور سزا بھی ہو سکتی ہے۔

6.7.2 ہندوستان میں مادہ جنین کشی اور نومولود لڑکیوں کے قتل کی وجوہات

(Causes of Female Foeticide and Infanticide in India)

ہندوستان میں نومولود لڑکیوں کے قتل اور مادہ جنین کشی کا مسئلہ صرف قانونی نہیں بلکہ سماجی اور اخلاقی شعور کا بھی ہے۔ یہ مسئلہ ہندوستان کی پدرانہ سوچ سے جڑا ہوا ہے۔جب تک معاشرہ لڑکی کو لڑکے کے برابر ایک انسان اور قیمتی وجود نہیں سمجھے گا، یہ مسئلہ مکمل طور پر ختم نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آپ نے پچھلی سطور میں یہ واقفیت حاصل کی کہ ''مادہ جنین کشی اور نومولود لڑکیوں کے قتل (Female Foeticide and Infenticide) سے مراد لڑکوں کی ترجیح کی بنیاد پر مادہ جنین کا جان بوجھ کر اسقاط حمل کروانا یا نومولود لڑکیوں کو پیدائش کے فوراً بعد مختلف طریقوں سے مار ڈالنا ہے۔ یہ انسانیت سوز طرزِ عمل نہ صرف جنسی تناسب کو شدید متاثر کرتا ہے بلکہ سماج اور خاندان کی ایک اہم فرد یعنی عورت کے وجود سے انکار کرتا ہے اور صنفی عدم مساوات کو مستحکم کرتا ہے۔مادہ جنین کشی کی ایک وجہ پدرانہ نظام ہے۔پدرانہ ذہنیت، خاندان اور معاشرے میں مرد کے غلبہ کے نظام کو برقرار رکھنے کے لیے لڑکے کی پیدائش کو ہر حال میں ترجیح دیتے ہیں ۔مادہ جنین کشی کی دوسری اہم وجہ جہیز کے نظام کا رواج ہے، جو کہ شادی کا ایک لازم عنصر بن گیا ہے۔جہیز کی روایت کی تکمیل لڑکیوں کے ماں باپ کو زیر بار کرتی ہے ان پر شدید مالی بوجھ ڈالتی ہے۔ جبکہ جہیز کی مانگ پوری نہ کرنے کی صورت میں انھیں نہ صرف استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ بیشتر صورتوں میں بیٹی پر ظلم و ستم سہنے کے ساتھ ساتھ اس کی موت کے دکھ بھی سہنا پڑ جاتا ہے۔

مادہ جنین کی شناخت کے بعد پیدائش سے قبل ہی اسقاط حمل یا پیدائش کے بعد لڑکی کی شناخت ہونے پر ختم کروا دینے کا رواج آج بھی ہندوستان کی کئی ریاستوں میں عام ہے۔ہندوستان میں لڑکیوں کی نسل کشی کی وجہ سے خواتین کی آبادی میں نمایاں کمی دیکھی گئی ہے۔ Ultrasound and Aminocenthesis جیسے میڈیکل ٹسٹوں کی پیشرفت نے جنس کے تعین میں سہولت فراہم کی ہے، جس کی وجہ سے زیادہ جنس کے انتخابی اسقاط حمل ہوئے ہیں۔ جبکہ ہندوستان میں 1994 میں ''پری کنسیپشن اینڈ پری نیٹل ڈائیگنوسٹک ٹیکنیکس (پی سی پی این ڈی ٹی)'' کے نام سے قانون بنایا گیا۔اس کا مقصد جنین کی جنس بتانے اور جنس کے انتخابی اسقاط حمل کرنے سے روکنا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ عمل جاری ہے کیونکہ لڑکیوں کے وجود کے متعلق لوگوں کی سوچ نہیں بدلی ہے۔ وہ اب بھی بیٹیوں پر بیٹوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ قانونی طور پر یہ ٹسٹ ممنوع ہے، لیکن ان کا غلط استعمال کیا جاتا ہے اور لڑکیوں کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ ایسی ریاستیں ہیں جہاں مادہ جنین کشی کا عمل زیادہ ہے۔ ہریانہ، پنجاب، جموں و کشمیر، بہار، سکم اور راجستھان میں جنسی تناسب میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ تقریباً تمام

ریاستوں میں ہی لڑکے کے لیے ترجیحات پائی جاتی ہیں۔ سماج کا یہی تصور ہے کہ لڑکے اثاثہ ہیں اور لڑکیاں بوجھ ہیں۔ جہیز کا نظام لڑکی والوں پر بوجھ ڈالتا ہے اور لڑکے والوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

اہم نکات:

- مادہ جنین کشی اور نومولود لڑکیوں کا قتل ایک غیر انسانی اور ناقابل معافی جرم ہے۔ ہندوستان میں غیر متوازن جنسی تناسب اور معاشرے میں موجود صنفی عدم مساوات پائیدار ترقی میں اہم رکاوٹیں ہیں۔
- اس مسئلہ کے خاتمے کے لیے ایک کثیر جہتی نقطہ نظر کی ضرورت ہے جس میں قانون کا سخت نفاذ، شعور بیداری مہم، خواتین کو معاشی طور پر بااختیار بنانا، اور بیٹیوں کی یکساں قدر کرنے کی طرف ثقافتی تبدیلی شامل ہے۔
- ہمیں ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ "ایک خاندان صرف مردوں کی کوششوں سے نہیں بنتا بلکہ خواتین کے انمول تعاون سے ہی پروان چڑھتا ہے اور خاندان میں افراد کامیاب ہوتے ہیں۔"

6.7.3 ہندوستان میں غیر متوازن جنسی تناسب (Inbalance Sex Ratio in India)

جنسی تناسب یعنی آبادی میں عورت و مرد کا تناسب، جو فی 100 مردوں پر خواتین کی تعداد کی پیمائش کرتا ہے۔ یہ ایک ضروری آبادیاتی اشاریہ کہلاتا ہے۔ ہندوستان میں غیر متوازن جنسی تناسب طویل عرصے سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے، جو صنفی مساوات اور سماجی استحکام کو متاثر کرتا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق، ہندوستان میں جنس کا تناسب 1901 کے بعد سے مسلسل گرتا رہا ہے۔ 1901 کی مردم شماری کے مطابق جنسی تناسب کی شرح 1000 لڑکوں پر 972 لڑکیوں کی تعداد تھی جبکہ 2011 کی مردم شماری بتاتی ہے کہ لڑکیوں کی تعداد 943 پر پہنچ گئی، جبکہ 1971 کے دہے میں یہ شرح صرف 930 پر پہنچ گئی تھی۔ ریاستوں کی بنیاد پر جنسی تناسب کے اعداد و شمار سنسس رپورٹس میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

مادہ جنین کشی کو روکنے کی ہر محاذ پر کوششیں کی گئیں۔ جس کے کچھ بہتر نتائج برآمد ہونے لگے ہیں۔ جیسا کہ 2025 تک، ہندوستان کی آبادی تقریباً 1.44 بلین ہے، جس میں 743.39 ملین مرد اور 698.29 ملین خواتین شامل ہیں۔ اس سے مجموعی طور پر ہر 100 خواتین میں تقریباً 106 مردوں کا جنسی تناسب ملتا ہے۔ مرد آبادی کا 51.56 فیصد ہیں، جب کہ خواتین کا حصہ 48.44 فیصد ہے۔ بہتر جنسی تناسب والی ریاستوں میں کیرالہ (1084)، تمل ناڈو (995)، آندھرا پردیش (992)، قابل ذکر ہیں، جبکہ سب سے کم جنس کا تناسب، ہریانہ (877)، جموں و کشمیر (883) اور سکم (889) میں ریکارڈ ہوا ہے۔ غیر متوازن جنسی تناسب کی وجہ سے عالمی سطح پر ہندوستان کو 236 ممالک میں 214 واں نمبر حاصل ہے، جو سماج میں زیادہ صنفی توازن کی شدید ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

اقوام متحدہ کی جانب سے پاپولیشن فنڈ (یواین ایف پی اے) کی اسٹیٹ آف ورلڈ پاپولیشن رپورٹس شائع ہوتی ہیں۔2020میں شائع رپورٹ کے مطابق گزشتہ 50 برسوں میں دنیا کی 142.6 ملین خواتین مختلف وجوہات سے "گمشدہ خواتین" میں شامل ہو گئیں۔ جن میں سے 45.8 ملین ہندوستانی خواتین ہیں۔ گمشدہ خواتین میں وہ خواتین ہیں جو قبل از پیدائش ماردی گئیں یا نومولود کی صورت میں ختم کردی گئیں۔

مادہ جنین کشی اور نومولود لڑکیوں کے قتل کی جڑیں، صنفی تعصب پر مبنی سماجی تعمیرات میں گہرائی تک جڑی ہوئی ہیں۔ یہ صنفی تعصب ہندوستان میں خواتین کے خلاف امتیاز کی عکاسی کرتا ہے اور پدرانہ معاشروں میں خواتین کی کمتری کے تصور کو برقرار رکھتا ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں کو معاشی اور سماجی طور پر مردوں کے مقابلے میں کمتر سمجھا جاتا ہے۔ بیشتر خاندان، اپنی بیٹیوں کی شادی اعلیٰ سماجی طبقے میں کرنے پر مجبوری محسوس کرتے ہیں، اس لیے کہ انہیں زمین، جائیداد یا مالیاتی اثاثوں کی شکل میں جہیز کی اہم ادائیگیوں کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لیے ان کی مالی حالت اجازت نہیں دیتی۔ جنین کشی یا لڑکیوں کے قتل کے پیچھے، لڑکا پیدا کرنے کا معاشرتی دباؤ بھی ہے، جسے سماجی حیثیت کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ایسے کئی حقائق اور واقعات منظرِ عام پر آئے جہاں عورت کو صرف لڑکیاں پیدا کرنے پر طلاق دیدی گئی یا شوہر نے دوسری شادی کرلی۔ عورتوں پر یہ دباؤ اس لیے ڈالا جاتا ہے کہ بیٹا خاندانی نام کو آگے بڑھائے گا، مالی استحکام فراہم کرے گا، اور جسمانی اور جذباتی طاقت فراہم کرے گا۔ نتیجتاً لڑکے کو ترجیح دینا بالعموم ایک یا ایک سے زیادہ لڑکیوں کو جنم دینے والی حاملہ خواتین کے حمل کو ختم کرنے کے المناک عمل کا باعث بنتا ہے۔آپ نے شعور بیداری پروگرام کے تحت ذرائع ابلاغ کے ذریعے کچھ نعرے سنیں ہوں گے۔ جیسے

"لڑکی بچاؤ، قوم بچاؤ"

"بیٹی کو بچاؤ، بیٹی کو پڑھاؤ"

"ہماری بیٹی وہ رشتہ ہے جو خاندان کو جوڑتی ہے"

"مادہ جنین کا قتل جرم ہے"

"جب مادہ جنین کو ختم کردیا جائے تو یہ زندگی کی توہین ہے، مادہ جنین کے قتل کو روکو"

"خواتین کے قتل کو نہ کہو"

درجہ بالا نعروں کے علاوہ مادہ جنین کشی کی روک تھام کے لیے کئی اہم شعور بیداری پروگرامس بھی منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔ منسٹری آف ویمن اینڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ کی جانب سے خواتین کی ترقی اور تحفظ کے لیے یوں تو کئی ایک اقدامات کیے گئے لیکن اس ضمن میں ''بیٹی

بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ" پروگرام کا ذکر یہاں کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس پروگرام کی شروعات کے مقاصد سے آپ اس مسئلہ کی شدت اور اس کے خاتمے کی ضرورت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

1۔ صنفی تعصب پر مبنی مادہ جنین کے خاتمے کو روکنا

2۔ لڑکیوں کی بقا اور تحفظ کو یقینی بنانا

3۔ لڑکیوں کی تعلیم اور بااختیار بنانے کو یقینی بنانا

"بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ" پروگرام کو ایک خاص مہم کے طور پر شروع کیا گیا، جس کا مقصد سماج کی ذہنی تبدیلی کے ذریعے جنسی تناسب میں بہتری لانا ہے۔ اس پروگرام کا آغاز 22 جنوری 2015 کو کیا گیا۔ مختلف شعبہ جات اور تنظیموں کے تعاون سے یہ پروگرام تمام ریاستوں میں روبہ عمل ہے۔

6.7.4 مادہ جنین کشی اور غیر متوازن جنسی تناسب کے ہندوستانی سماج پر اثرات

(Impact of Female Foeticide and an Inbalanced Sex Ratio on Indian Society)

پچھلے پیراگراف میں پیش کیے گئے حقائق سے یہ پتہ چل گیا کہ سماج میں لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان عدم توازن کی ایک اہم وجہ 'مادہ جنین کشی اور شیر خوار لڑکیوں کا قتل ہے۔ یہ روایت ہندوستانی معاشرے کے لیے سنگین اور دیرپا اثرات مرتب کرتی آئی ہے۔ مادہ جنین کشی یا لڑکیوں کے قتل سے سماج میں لڑکیوں اور خواتین کی کمی ہو جاتی ہے۔ لڑکیوں کی کم تعداد شادی کے نظام میں عدم توازن پیدا کرتی ہے' جس کی وجہ سے جبری شادیاں اور کثیر العمری بڑھ جاتی ہیں۔ مرد مناسب پارٹنر تلاش کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں' جس کے نتیجے میں اکثر ریاستوں سے باہر شادیاں ہوتی ہیں۔ یہ صورتحال خاندانی ڈھانچے کو متزلزل کرتی ہے اور متاثرہ علاقوں میں طویل مدتی آبادی کے مسائل بھی پیدا کرتی ہے۔ ایسی ریاستیں جہاں لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعداد کم ہے وہاں شادی بیاہ میں مشکلات پیدا ہو رہے ہیں۔ ایسی صورت میں دوسری ریاستوں سے نہ صرف نوجوان لڑکیوں کی اسمگلنگ اور جبری شادیوں کے واقعات رونما ہو رہے ہیں بلکہ ان علاقوں میں عصمت ریزی کے واقعات بھی بڑھ رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں کئی طرح کے مسائل اور صنفی بنیاد پر تشدد کی شرح بھی بڑھ رہی ہے۔ ہندوستان میں سی بی آئی کی جانب سے شائع ہونے والی رپورٹس کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ریاستوں میں کم یا زیادہ شرح کے ساتھ خواتین کو گھریلو تشدد اور جنسی جبر و زیادتی کا سامنا ہے۔ لڑکیوں کی غیر موجودگی سماجی ہم آہنگی میں خلل ڈالتی ہے اور عورت کی جنس سے دشمنی میں اضافہ کرتی ہے۔

لڑکیوں اور خواتین کی کمی انسانی اسمگلنگ (Human Trafficing) جیسی غیر قانونی سرگرمیوں کو فروغ دیتی ہیں۔ لڑکیوں اور عورتوں کو اغوا کیا جاتا ہے، بیچا جاتا ہے اور جسم فروشی یا غیر ارادی غلامی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس سے معاشرے میں خواتین کی مجموعی حفاظت کا نظام خراب ہوتا ہے۔ لڑکیوں کی کمی سماجی سطح پر پیداواری صلاحیتوں کو کم کرتی ہے۔ اس طرح سے ملک کی ممکنہ اقتصادی ترقی میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ یہ نقصان لیبر فورس میں کمی اور جامع اقتصادی سرگرمیوں کے لیے دیرپا اثرات مرتب کرتا ہے۔

غیر متوازن جنسی تناسب والے معاشروں میں نفسیاتی پریشانی اور سماجی تفریق کی شدت ہوتی ہے۔ ایسے معاشروں میں خواتین کو شدید سماجی دباؤ، امتیازی سلوک اور ذہنی صحت کے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ طویل مدتی نفسیاتی اور جذباتی پریشانی کا سبب بنتا ہے، جس سے ان کی صحت متاثر ہوتی ہے۔ خواتین کی آبادی پر دباؤ کافی بڑھ جاتا ہے۔ خواتین گھر اور معاشرے میں کام کا دہرا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ ان پر کام کرنے کے مطالبات اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ کم عمری کی شادی گھر کے کام کاج کے بوجھ تلے دب جانے سے بہتر سمجھی جانے لگتی ہے۔ جنسی تناسب میں کمی سے معاشرے کی اقدار اور ثقافتی روایات متاثر ہوتی ہیں۔ خواتین کی قدر میں کمی اخلاقی معیارات کو کم کرتی ہے اور مساوات اور انصاف کے اصولوں کو کمزور کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ پسماندہ سوچ اور معاشرے میں عدم استحکام کی صورت میں نکلتا ہے۔ چونکہ افزائشِ نسل کے لیے کم خواتین دستیاب ہوتی ہیں، لہذا آبادی میں اضافہ پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں آبادیاتی تبدیلیاں ہوتی ہیں جو طویل مدتی معاشی اور سماجی چیلنجز پیدا کرتی ہیں۔ عدم توازن روایتی خاندانی ڈھانچے کو پریشان کرتا ہے اور نسلی تسلسل کو کمزور کرتا ہے۔ ہندوستان میں افراد کے ان رویوں کو بدلنے اور خواتین کو زیادہ بااختیار بنانے کے لیے مزید اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

اہم نکات:

- ہندوستان میں گرتا ہوا جنسی تناسب، سخت پالیسی سازی، سماج کی ذہن سازی بالخصوص تمام افراد کی توجہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اگرچہ کہ حکومت ہند کی اسکیمات پر عمل آوری کی کوششیں برسوں سے جاری ہیں لیکن لڑکیوں کی گھٹتی ہوئی تعداد کو روکنا ممکن نہیں ہو پایا ہے۔ اکثر ریاستوں میں کئی تہذیبی روایات لڑکیوں کے وجود سے جوڑدی گئی ہیں جنھیں عوامی بیداری اور مداخلت سے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔
- لڑکیوں کے قتل کی روک تھام سے سماج میں توازن رہے گا۔ لڑکیاں زیادہ سے زیادہ معاشی شراکت داری کا حصّہ بنیں گی، جس سے غربت پر قابو پانے، ظلم واستحصال کو کم کرنے اور ترقی کی رفتار کو تیز کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ علاوہ ازیں خواتین کی سیاسی شرکت میں اضافہ ہوگا۔ ان کی سیاسی شرکت سے اہمیت کے حامل سماجی مسائل بالخصوص خواتین کے مسائل کو قومی ایجنڈے کا حصّہ بنانے میں اہم رول ادا کر سکتی ہے۔

6.8 ہندوستان میں جہیز کا نظام(Dowry System in India)

6.8.1 جہیز کا نظام: ایک تعارف(Dowry System: An Introduction)

جہیز کے نظام' سے مراد وہ سماجی و ثقافتی روایت ہے جس کے تحت لڑکی کی شادی کے وقت اُس کے والدین یا گھر والے اُسے نقد رقم، سونے چاندی کے قیمتی زیورات، کپڑے، فرنیچر، برتن، اور دیگر قیمتی اشیاء فراہم کرتے ہیں' جو بعض اوقات لڑکے (دولہا) یا اس کے گھر والوں کی طرف سے "مطالبہ" کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ جہیز کو ایک ایسا معاشرتی نظام بھی کہہ سکتے ہیں' جس میں بیٹی کو شادی کے موقع پر اس کے والدین کی طرف سے مختلف اشیاء دی جاتی ہیں، جن کا مقصد اس کی ازدواجی زندگی میں سہولت فراہم کرنا ہوتا ہے، لیکن اکثر یہ عمل دباؤ یا مطالبے کے تحت ہوتا ہے جو صنفی ناانصافی کو فروغ دیتا ہے۔

ابتداء میں روایتی طور پر اسے محبت، شفقت یا خیر سگالی کے جذبے سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ یہ رسم اکثر مالی بوجھ، صنفی امتیاز، اور خواتین پر ظلم و جبر کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہندوستان میں جہیز کے خلاف قانون موجود ہے، لیکن یہ رواج اب بھی جاری ہے۔ اس نظام کے نقصانات میں' بیٹی کو بوجھ سمجھا جانا، لڑکیوں کی پیدائش پر افسوس، معاشی استحصال، گھریلو تشدد کی وجوہات میں اضافہ، کئی غریب خاندانوں میں شادیوں میں تاخیر یا رکاوٹ وغیرہ شامل ہے۔ جہیز کا نظام برصغیر کی قدیم روایتوں میں سے ایک ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ایک سنگین سماجی مسئلہ بن چکا ہے۔ اگرچہ اس رسم کی بنیاد محبت، خیر خواہی اور بیٹی کو کچھ دینے کے جذبے پر رکھی گئی تھی، لیکن اب یہ لالچ، مطالبے اور استحصال کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ آج کے جدید معاشرے میں بھی جہیز کا رواج خواتین کے خلاف صنفی امتیاز اور معاشی ناانصافی کی علامت بن چکا ہے۔

ہندوستان میں جہیز کا نظام اکثر خاندانوں میں شادی کے لیے لازم روایت کے طور پر رائج ہو گیا ہے' جس میں دلہا والے اسے اولین شرط کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جہیز کا نظام دراصل لڑکی اور اس کے خاندان کے استحصال کا باعث بنتا ہے اور اس روایتی تصور کو تقویت دیتا ہے کہ عورت کی قدر مادی دولت سے منسلک ہے۔ یہ عمل دلہن کے خاندان پر بھاری مالی بوجھ پیدا کرتا ہے اور اس سے سنگین مسائل پیدا ہوتے ہیں' جن میں جذباتی زیادتی اور یہاں تک کہ خواتین پر ظلم، تشدد اور موت بھی شامل ہے۔ یہ نظام گویا مردانہ غلبہ کو برقرار رکھنے اور عورت کو محکوم بنائے رکھنے کا ایک سلسلہ ہے۔ جو سماج میں ایک اہم رواج کے طور پر قائم کیا گیا۔ جہیز کی توقعات پوری نہ ہونے پر تشدد یا بدسلوکی کے سینکڑوں واقعات ہر دن پیش آتے ہیں۔ جن کی ایک جھلک نیشنل کرائم بیورو رپورٹس میں دیکھی جا سکتی ہے۔

6.8.2 جہیز کے نظام کے نتائج(Consequences of Dowry System)

برصغیر کی تاریخ میں جہیز کی روایت کا تعلق ہندومت کے سماجی ڈھانچے سے جوڑا جاتا ہے' جہاں بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہ دے کر شادی کے وقت ہی مال واسباب کے طور پر جہیز دے دیا جاتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام میں بھی یہ رواج پھیل گیا۔ جہیز کا نظام آج ایک ایسی روایت بن چکا ہے جو نہ صرف خواتین بلکہ ان کے والدین کے لیے بھی ذہنی، جذباتی اور معاشی بوجھ بن چکا ہے۔ جہیز نہ لانے پر عورت کو سسرال میں تشدد، طعن و تشنیع اور بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ سلوک گھریلو تشدد کو بڑھاتا ہے۔ صدیوں کے دوران ایک خاندان کے یہ مسائل وسیع تر ہو کر' قومی سطح پر معاشرتی اور اقتصادی طور پر سنگین مسئلہ میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہندوستانی معاشرہ بنیادی طور پر پدر سری معاشرہ ہے۔ اس نظام کے تحت' عورت کی محکوم وثانوی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے جہیز کے نظام کو شادی اور خاندان جیسے سماجی اداروں کا لازم حصّہ بنایا گیا ہے۔ اس نظام میں لڑکیوں کو ماں باپ کے گھر پر بوجھ اور اس بوجھ کو دوسرے کے سپرد کرنے کے لیے جہیز کو معاوضے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جہیز کا نظام سماجی اصولوں اور فرسودہ روایات میں گہرائی تک شامل ہے۔ ہندوستانی معاشرے کا پدرانہ ڈھانچہ شوہر کے رشتہ کو حاکم و محافظ اور بیوی کو محکوم و منحصر کے دائروں میں رکھتا ہے۔ لہٰذا بیش تر ماں باپ جہیز کو بیٹیوں کی شادی کے معاوضے کے طور پر دیکھتے ہیں اور سسرال والوں کی طرف سے اپنی بیٹیوں کے ساتھ ناروا سلوک کے خوف سے اس رسم کو نبھانے پر مجبور ہوتے ہیں اور مستقل جبر واستحصال کو سہتے رہتے ہیں۔

جہیز کا نظام صنفی عدم مساوات کی روایتوں کو مزید مستحکم کرتا ہے۔ اکثر والدین اس رسم کی تکمیل میں قرض کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ انھیں اپنے گھر یا جائداد کو فروخت کرنا پڑ جاتا ہے۔ اس طرح سے ان کی غربت اور مشکلات میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ باوجود اس کے بیشتر صورتوں میں جہیز اور لین دین کا سلسلہ رکتا نہیں ہے بلکہ مطالبات کی عدم تکمیل پر خواتین پر گھریلو تشدد، بدسلوکی کی جاتی ہے۔ انھیں طلاق کی دھمکی کے ساتھ ہمیشہ خوف میں مبتلا رکھا جاتا ہے۔ اکثر اوقات جہیز ہراسانی کی وجہ سے اموات بھی واقع ہوتی ہیں۔ جہیز کا نظام معاشرے میں تشدد کو فروغ دیتا ہے۔ جب دلہن کے اہل خانہ کی طرف سے مطالبات پورے نہیں کیے جاتے ہیں تو مظالم بہت حد تک بڑھ جاتے ہیں۔ بعض اوقات، دلہن کے خاندان سے مالی امداد یا مادی فوائد حاصل کرنے کے لیے استحصال اور ہراسانی کے انتہائی اقدامات کیے جاتے ہیں۔

حالانکہ جہیز کا مطالبہ کرنے والوں اور جہیز سے متعلق ہراسانی کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے جہیز پر پابندی ایکٹ اور تعزیرات ہند کی دفعہ 498A جیسے قوانین کا سختی سے نفاذ کیا گیا' لیکن اس نظام کو مکمل طور پر کنٹرول کرنے یا خاتمے کی کوششیں کامیاب نہیں ہو پائیں۔ ہندوستان میں نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو((National Crime Record Bureau (NCRB))یوں تو تمام جرائم بشمول خواتین کے خلاف ہونے والے جرائم اور جہیز کی وجہ سے ہونے والی اموات نیز ہراسانی سے متعلق اعداد وشمار ہر برس باقاعدگی سے شائع

کرتا ہے۔ لیکن تمام جرائم میں جہیز سے متعلق گھریلو تشدد اور اموات کے اعداد و شمار انتہائی پریشان کن ہیں۔ این سی آر بی کے مطابق جہیز سے متعلق تشدد کی وجہ سے ہر سال تقریباً 7000 سے زائد ہندوستانی خواتین کی موت ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں خواتین کے خلاف تشدد کی عام شکلوں میں گھریلو تشدد، کام کی جگہ پر جنسی ہراسانی، زنا بالجبر، جہیز کے لیے ظلم و قتل، مادہ جنین کشی، نومولود بچیوں کا قتل، اور تیزاب پھینکنا اور ٹرافیکنگ وغیرہ شامل ہیں۔ نیشنل کرائم رپورٹ بیورو کی رپورٹ کے مطابق خواتین کے خلاف ہونے والے جرائم میں 30 فیصد سے زیادہ گھریلو تشدد کے جرائم ہیں۔ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق 2011 میں خواتین کے خلاف جرائم کے 228,650 سے زیادہ رپورٹ ہوئے تھے جبکہ 2021 میں یہ جرائم بڑھ کر 428,278 واقعات رپورٹ ہوئے ہیں یعنی ان میں 87 فیصد اضافہ ہوا ہے۔

نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو (این سی آر بی) سے پتہ چلتا ہے کہ 2021 میں جہیز پر پابندی ایکٹ کے تحت ملک میں 13,534 مقدمات درج کیے گئے۔ 2020 کے اعداد و شمار کے مقابلے میں 25 فیصد کا اضافہ بتایا گیا۔ این سی آر بی نے، 2017 میں، ایک سال میں جہیز سے منسلک تقریباً 7,000 اموات ریکارڈ کیں۔ 2001 میں جہیز کی وجہ سے ایک دن میں ہونے والی اموات تقریباً 19 تھیں جبکہ اموات کی شرح بڑھ کر 2016 میں 21 فی دن ہو گئیں۔ اس طرح سے ہندوستان میں ہر روز 20 سے زائد خواتین کو جہیز کے لیے ہراساں کیے جانے کے نتیجے میں موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھیں یا تو قتل کیا جاتا ہے یا خودکشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جہیز کی وجہ سے ہونے والی اموات ہندوستان میں ایک المناک اور مستقل مسئلہ بنی ہوئی ہیں، جو ثقافتی اصولوں، سماجی دباؤ، اور پدرانہ سوچ کا امتزاج ہے۔

خواتین سے متعلق تشدد کے واقعات سے نمٹنے کے لیے 1992 میں 'نیشنل کمیشن فار ویمن' نئی دہلی (National Commision for Women(NCW) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس سلسلے میں کمیشن ہر برس اپنی رپورٹ شائع کرتی ہے اس کے مطابق 2023-24 میں ہزاروں شکایات اور افسوسناک واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔ 2024 میں نیشنل کمیشن فار ویمن' نئی دہلی (National Commision for Women (NCW)) کو گھریلو تشدد سے متعلق 6,237 شکایات موصول ہوئیں، جن میں سے 17 فیصد خاص طور پر جہیز کے لیے ہراسانی سے متعلق تھیں۔ مزید برآں، اسی مدت کے دوران جہیز کی وجہ سے اموات کے 292 واقعات بھی رپورٹ ہوئے۔ 2023 میں 28,811 سے 2024 میں 25,743 تک مجموعی شکایات وصول ہوئیں۔ کمیشن کی ڈائرکٹر کے مطابق اگرچہ کہ تشدد کے واقعات میں معمولی کمی ہوئی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اعداد و شمار ایک مستقل مسئلہ کی عکاسی کرتے ہیں۔

جہیز ایک ایسی روایت ہے جس نے لاکھوں خاندانوں کی زندگیاں اجیرن کر دی ہیں۔ یہ نہ صرف خواتین کے ساتھ ظلم ہے بلکہ معاشرے کی مجموعی ترقی میں بھی رکاوٹ ہے۔ ہمیں انفرادی، اجتماعی، قانونی، مذہبی اور سماجی سطح پر اس نظام کے خاتمے کے لیے کردار ادا کرنا ہوگا۔ جب تک ہم اپنے رویوں میں تبدیلی نہیں لائیں گے، یہ ناسور ہماری نسلوں کو تباہ کرتا رہے گا۔

اہم نکات:

- جہیز کا نظام ایک اہم سماجی نظام کے طور پر ہندوستانی معاشرے میں رائج ہے۔ جہیز کے مطالبات کو پورا کرنے میں ناکام رہنے والے خاندانوں کو اکثر ہراساں کیے جانے، جسمانی تشدد اور جذباتی زیادتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کے المناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔
- ہندوستان میں یہ ایک اہم سماجی، معاشی اور تہذیبی مسئلہ ہے جس کے لیے جامع اصلاحات اور بیداری کے اقدامات کی سخت ضرورت ہے۔ جہیز کی رسم یا نظام کو ختم کرنے میں تعلیم اہم رول ادا کرتی ہے۔ تعلیم باشعور اور خود انحصار افراد کی تعمیر کرتی ہے۔ ایسے افراد دوسروں سے مالی فائدہ حاصل کرنے اور غیر انسانی سلوک کرنے کے بجائے اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور ترقی کا اہم حصّہ بنتے ہیں۔

6.9 ہندوستان میں خواتین کی صحت کے مسائل(Women's Health Issues in India)

6.9.1 خواتین کی صحت کا تعارف(Introduction of Women's Health)

خواتین کی صحت ٗایک اہم سماجی، معاشی اور طبّی مسئلہ ہے جس کا تعلق نہ صرف خواتین کی جسمانی صحت سے ہے بلکہ نفسیاتی، تولیدی، غذائی اور معاشرتی پہلوؤں سے بھی جڑا ہوا ہے۔ خواتین کی صحت کو درپیش چیلنجز اکثر صنفی امتیاز، غربت، کم تعلیمی سطح، صحت کی سہولیات تک محدود رسائی اور سماجی رویّوں کے باعث مزید پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ خواتین کی صحت کے اہم پہلو حسبِ ذیل ہیں

1۔ **تولیدی صحت(Reproductive Health)**: تولیدی صحت کے مسائل میں ٗزچگی کے دوران مناسب نگہداشت کی کمی، مانع حمل کے ذرائع تک رسائی کی کمی، کم عمری میں شادی اور حمل، تولیدی اعضاء سے متعلق بیماریاں شامل ہیں۔

2۔ **غذائی صحت(Nutritional Health)**: خواتین کی صحت کے مسائل میں ٗخون کی کمی(Anemia) ، غذائی قلت اور کمزور جسمانی نشوونما، حمل اور دودھ پلانے کے دوران متوازن غذا کا نہ ملنا شامل ہیں۔

3۔ **نفسیاتی صحت(Mental Health)**: ذہنی دباؤ، ڈپریشن، اور تشدد کا شکار ہونے کے اثرات، گھریلو تشدد اور سماجی دباؤ کا اثر ذہنی صحت پر ٗوغیرہ نفسیاتی صحت کے شدید مسائل ہیں۔

6.9.2 ہندوستانی خواتین کے صحتی مسائل(Health Issues of Indian women)

ہندوستان میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی صحت مسلسل چیلنجز کے ساتھ مل کر ترقی کی ایک پیچیدہ تصویر پیش کرتی ہے۔ جبکہ حالیہ دہائیوں میں مختلف اقدامات کی وجہ سے کچھ بہتری آئی ہے، لیکن مختلف ریاستوں میں سماجی اقتصادی گروپوں اور دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان کافی تفاوت برقرار ہے۔ خواتین کی صحت کی موجودہ صورتحال کو سمجھنے کے لیے، انیمیا، ذہنی صحت، زچگی کی شرح اموات، شیر خوار اور بچے کی بقا کی شرح، اور تولیدی صحت تک رسائی جیسے اہم میٹرکس کی جانچ پڑتال کی ضرورت ہوتی ہے۔ لڑکیوں کو ہندوستان کے کئی حصوں، خاص طور پر اتر پردیش، بہار، راجستھان اور مدھیہ پردیش جیسی ریاستوں میں لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ اموات کے خطرات کا سامنا ہے۔ کئی اضلاع میں خواتین کی شیر خوار اموات کی شرح مردوں کی شرح سے 10-15 فیصد تک بڑھ گئی ہے، جو کہ ان ابتدائی زندگی کے مراحل میں بھی ظاہر ہونے والے صنفی امتیاز کو ظاہر کرتی ہے۔ شیر خوار اور بچوں کی اموات کی شرح کسی ملک کے صحت کے بنیادی ڈھانچے اور اس کی آبادی کی مجموعی بہبود کے اہم اشارے پیش کرتی ہے۔ ہندوستان میں، یہ میٹرکس صنف پر مبنی تفاوت کی عکاسی کرتے ہیں جو نوجوان لڑکیوں کو غیر متناسب طور پر متاثر کرتی رہتی ہیں۔ ہندوستان نے گزشتہ دہائیوں کے دوران بچوں کی شرح اموات (Infant Mortality Rate) کو کم کرنے میں قابل ذکر پیش رفت کی ہے۔ قومی IMR 2001 میں فی 1,000 زندہ پیدائشوں میں 66 اموات سے کم ہو کر حالیہ برسوں میں تقریباً 28 فی 1,000 رہ گیا ہے۔ تاہم یہ بہتری نمایاں صنفی تفاوت کو چھپا دیتی ہے۔

زچگی کی شرح اموات کا تناسب (Maternal Mortality Rate) — ہر 100,000 زندہ پیدائشوں پر زچگی کی اموات کی تعداد سے مراد ہے۔ کسی بھی ملک میں خواتین کی صحت کی حالت اور صحت کی دیکھ بھال کا نظام ایک کلیدی اشارے کے طور پر کام کرتا ہے۔ زچگی کی شرح اموات سے نمٹنے میں ہندوستان کو مسلسل چیلنجز کا سامنا ہے۔ یہ خوش آئند بات ہے کہ زچگی کی شرح اموات میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔ حالیہ برسوں میں قومی MMR 1990 میں 556 سے کم ہو کر تقریباً 113 فی 100,000 زندہ پیدائشوں پر آگیا ہے۔ قومی اوسط میں تقریباً 80 فیصد کمی ہوئی ہے۔ تاہم یہ قومی اوسط سخت علاقائی تغیرات اور جاری چیلنجز کو مکمل طور پر پیش نہیں کرتا ہے۔ تولیدی صحت کے مسائل کا ایک وسیع دائرہ ہے جس میں خواتین گھری ہوئی ہیں۔ تولیدی صحت کے مسائل خواتین کی مجموعی فلاح و بہبود، خود مختاری اور معیار زندگی کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ ہندوستان میں خواتین کی تولیدی صحت کی دیکھ بھال اور بہترین نتائج کو حاصل کرنا ایک بڑا چیلینج ہے۔

جنانی تحفظ یوجنا (Janani Safety Yojna) اور نیشنل رورل ہیلتھ مشن جیسے پروگراموں کے ذریعے بہتری کے باوجود، تربیت یافتہ افراد تک رسائی پورے ہندوستان میں متضاد ہے۔ تقریباً 15-20 فیصد بچوں کی پیدائشیں اب بھی تربیت یافتہ صحت کی دیکھ بھال فراہم کرنے والوں کی مدد کے بغیر ہوتی ہیں، جس کی شرح بہار، جھارکھنڈ اور اتر پردیش کے کچھ حصوں میں بہت زیادہ ہے۔ زچگی کے دوران یا

اس کے بعد پیدا ہونے والے انفیکشن تقریباً %11 زچگی کی اموات کا سبب بنتے ہیں۔ مناسب طبّی امداد اور تربیت یافتہ عملے کے بغیر زچگی آج بھی دیہاتوں میں رائج ہے۔اس طرح کی زچگی میں خواتین %5 اموات کا باعث بنتی ہیں۔ قانونی دفعات کے باوجود غیر محفوظ اسقاط حمل کے طریقے تقریباً %8 زچگی کی اموات کا سبب بنتے رہتے ہیں۔دیہی خواتین کو شہری خواتین کے مقابلے میں حمل سے متعلق موت کے تقریباً دوگنا خطرہ کا سامنا ہے۔ یہ تفاوت صحت کی دیکھ بھال تک رسائی اور معیار میں وسیع تر عدم مساوات کو ظاہر کرتا ہے جو غیر متناسب طور پر دیہی خواتین کو متاثر کرتی ہے۔

خون کی کمی ہندوستانی خواتین کو درپیش صحت کے سب سے بڑے چیلنجوں میں سے ایک کی نمائندگی کرتی ہے، جس میں تقریباً %53 غیر حاملہ خواتین اور %58 حاملہ خواتین اس حالت سے متاثر ہوتی ہیں۔ یہ شرحیں عالمی سطح پر سب سے زیادہ ہیں اور زچگی کی شرح اموات، کم وزن والے بچے، اور خود خواتین کی پیداواری صلاحیت میں کمی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ National Family Health Survey(NFHS-5) رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں خواتین کے خلاف تشدد اور جسمانی، ذہنی و تولیدی صحت کی خرابی کے درمیان مضبوط تعلق ہے۔ مسلسل ہراسانی،استحصال اور تشدد کے نتیجے میں عورتیں جسمانی،ذہنی اور نفسیاتی کرب سے گزرتی ہیں اور مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ مردوں کے مقابلے میں کمزور اور ناقص صحت کی حامل ہوتی ہیں۔

سروے رپورٹس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ 2019-21 میں 15-49 سال کی عمر کی %57 خواتین خون کی کمی کا شکار تھیں' جبکہ 2015-16 میں یہ شرح %53 تھی' جبکہ مردوں کے لیے یہی شرح %22.7 تھی۔ بیشتر گھرانوں میں لڑکیوں کو ابتدائی عمر سے ہی امتیازات کا سامنا رہتا ہے۔انھیں لڑکوں کے مقابلہ میں کم غذائیت والی خوراک دی جاتی ہے۔ مطالعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حفاظتی ٹیکے بھی صنفی نظام کا شکار ہیں۔NFH5 رپورٹ کی سفارشات میں بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم میں فرق کو ختم کرنے اور خواتین اور بچوں کی قابل رحم غذائیت کی صورتحال کو دور کرنے کی فوری ضرورت پر زور دیا گیا ہے

قابل ذکر پیش رفت کے باوجود، کئی اہم چیلنجز ہندوستان میں خواتین کی صحت کی حالت کو متاثر کر رہے ہیں۔ان مسائل کو حل کرنے کے لیے کثیر جہتی طریقوں کی ضرورت ہے جو صحت کی دیکھ بھال کے اقدامات کو وسیع تر سماجی اور اقتصادی اصلاحات کے ساتھ جوڑ سکیں۔ پسماندہ معاشرے کی خواتین' بشمول درج فہرست ذاتیں، درج فہرست قبائل، اقلیتی طبقات کی خواتین اور انتہائی غربت کا سامنا کرنے والی خواتین کو صحت کی دیکھ بھال تک رسائی میں مشکلات کا سامنا ہے۔ان تمام کی مکمل صحت کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے مزید ترجیحات اور اقدامات کی ضرورت ہے۔

6.9.3 خواتین کی صحت کو بہتر بنانے کے اقدامات

(Measures for the betterment of Women's Health)

خواتین کی صحت کو بہتر بنانے کے لیے یوں تو سرکاری سطح پر مختلف پالیسیز اور خصوصی پروگرامس بنائے گئے۔ لیکن تحقیقی رپورٹس سے پتہ چلتا ہے کہ بیشتر خواتین ان سہولیات سے واقف نہیں ہیں۔ان اقدامات کی میڈیا اور مقامی زبانوں میں زیادہ سے زیادہ تشہیر ہونی چاہیے۔اس ضمن میں سماج کا رول بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ سماج کی تشکیل میں خواتین بچوں کی پیدائش سے لے کر ان کی پرورش، تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور انھیں ایک اہم سماجی فرد بناتی ہیں۔اسی لیے خواتین کی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور تولیدی صحت کا بہترین ہونا ناگزیر ہے۔ کمزور صحت کی خاتون کمزور جسم وذہن کے بچوں کی پیدائش کی ذمہ دار ہوتی ہے۔اسی لیے سماج کو خواتین کی صحت کی ضرورت اور اہمیت سے متعلق آگاہ ہونا اور دوسروں کے شعور کو بیدار کرنا' تمام دیگر امور سے زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔ دراصل سماج بلکہ خواتین خود اپنی صحت کی اہمیت کو سمجھتی نہیں ہیں' بلکہ سماج میں خواتین کا دیر سے علاج کروانا یا علاج نہ کروانے کا تصور عام ہے۔ سماج سے اس تصور اور فرسودہ نظریہ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم اور مناسب دیکھ بھال مستقبل میں ان کی صحت کو بہتر بنانے کے لیے سب سے موثر طویل مدتی حکمت عملیوں میں سے ایک قرار دی جاسکتی ہے۔ خواتین کی صحت ملک کی ترقی کے لیے انتہائی ضروری عنصر ہے۔انھیں تعلیم اور معاشی طور پر خود انحصار و فیصلہ ساز بنا کر ان کی صحت کے اہداف حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ خواتین کی نقل و حرکت، غذائیت، اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کو محدود کرنے والے صنفی اصولوں اور نظریات کو بدلنا خواتین کی صحت میں پائیدار بہتری کے لیے ضروری ہے۔ علاوہ ازیں، زچگی کے دوران مفت اور معیاری صحت کی سہولیات فراہم کرنا، دیہی علاقوں میں طبّی مراکز کا قیام، صحت سے متعلق فیصلوں میں خواتین کی شرکت کو فروغ دینا، دیہی علاقوں میں خواتین کا علاج مرد ڈاکٹروں سے نہ کروانا، خواتین کے لیے علیحدہ اور محفوظ صحت کی سہولیات مہیا کرنا، غذائیت سے بھرپور خوراک کی فراہمی اور ڈاکٹر سے مشاورت کو لازم قرار دینا' جیسے اقدامات کے ذریعے خواتین کی صحت پر توجہ دی جاسکتی ہے اور صنفی تصورات کے گھیرے سے سماج کو باہر نکالا جاسکتا ہے۔

6.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcome)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو گئے کہ

1۔ صنفی مسائل کو واضح انداز میں سمجھ پائے اور ان کے متعلق حسّیت یا بیداری کی ضرورت واہمیت سے واقف ہوئے۔آپ کو اس اکائی کے مطالعہ کے بعد یہ بھرپور اندازہ ہوا ہو گا کہ ہندوستان کا سماجی و ثقافتی تناظر انتہائی پیچیدہ ہے۔ صدیوں سے پدرانہ نظام اور صنفی تصورات

چلے آرہے ہیں جس کے نتیجے میں تعلیم اور معاشی سرگرمیوں میں ہندوستانی مردوں و عورتوں کی حصّہ داریوں کے درمیان واضح فرق پیدا ہوا ہے۔ یہ صنفی تفاوت ہندوستان کی پائیدار ترقی کے لیے یہ ایک بڑی رکاوٹ خیال کی جارہی ہے۔ گرچہ کہ مختلف پالیسیز و پروگراموں کو روبہ عمل لایا گیا ہے اور صنفی مساوات کی جانب کچھ پیش رفت ہوئی ہے، لیکن ابھی بہت طویل سفر طے کرنا باقی ہے۔ فی زمانہ بھی مردوں کے مقابلے خواتین کے لیے کام اور ملازمت کی فراہمی، اجرت یا تنخواہ کے حصول میں کافی تفریق برتی جاتی ہے۔

2۔ اس اکائی کے مطالعہ سے ہندوستان کی ایک قدیم روایت ''جہیز کے نظام'' کو آپ نے صنفی نظریات پر مبنی معاشرتی نظام کے طور پر سمجھا اور اس نظام کے سماج پر گہرے اثرات سے واقفیت حاصل کی۔ جہیز کا نظام برصغیر کی قدیم روایتوں میں سے ایک ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ایک سنگین سماجی مسئلہ بن چکا ہے۔ جہیز نہ لانے پر عورت کو سسرال میں تشدد، طعن و تشنیع اور بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کئی خاندان بیٹی کی پیدائش کو بوجھ سمجھنے لگتے ہیں کیونکہ انہیں اس کی شادی کے وقت جہیز دینا پڑتا ہے۔ غریب والدین اپنی استطاعت سے بڑھ کر قرض لے کر جہیز دیتے ہیں، جس سے ان کی غربت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ جہیز نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیاں تاخیر کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کئی خواتین کو جہیز کے نام پر جلا دیا جاتا ہے یا وہ خودکشی پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ہندوستان میں "Dowry Prohibition Act 1961" کے تحت جہیز لینا اور دینا دونوں جرم قرار دیے گئے ہیں۔ تاہم عملی طور پر ان قوانین پر مکمل عملدرآمد نہیں ہو رہا ہے۔

3۔ آپ نے یہ واقفیت بھی حاصل کی کہ مادہ جنین کشی اور نومولود لڑکیوں کے قتل کے سنگین جرائم کے پسِ پردہ بھی جہیز کے نظام کی غیر انسانی روایتیں ملتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں سماج میں جنسی عدم توازن پیدا ہوا ہے جس کا سلسلہ کئی ایک مسائل تک جا پہنچا ہے۔ اگرچہ اس رسم کی بنیاد محبت، خیر خواہی اور بیٹی کو کچھ دینے کے جذبے پر رکھی گئی تھی، لیکن اب یہ ایک باقاعدہ جبری نظام میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اب یہ لالچ، مطالبے اور استحصال کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ آج کے جدید معاشرے میں جہیز کا رواج خواتین کے خلاف صنفی امتیاز، تشدد اور معاشی ناانصافی کی علامت بن چکا ہے۔

4۔ ہندوستان میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی صحت مسلسل چیلنجز کے ساتھ مل کر ترقی کی ایک پیچیدہ تصویر پیش کرتی ہے۔ جبکہ حالیہ دہائیوں میں مختلف اقدامات کی وجہ سے کچھ بہتری آئی ہے، لیکن مختلف ریاستوں میں، سماجی اقتصادی گروپوں اور دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان کافی تفاوت برقرار ہے۔ کئی اہم چیلنجز ہندوستان میں خواتین کی صحت کی حالت کو متاثر کر رہے ہیں۔ پسماندہ معاشرے کی خواتین، بشمول درج فہرست ذاتیں، درج فہرست قبائل، اقلیتی طبقات کی خواتین اور انتہائی غربت کا سامنا کرنے والی خواتین کو صحت کی دیکھ بھال تک رسائی میں مشکلات کا سامنا ہے۔ ان تمام کی مکمل صحت کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے مزید

ترجیحات اور اقدامات کی ضرورت ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے کثیر جہتی طریقوں کے علاوہ سماج میں شعور بیداری کی سخت ضرورت ہے۔

6.11 فرہنگ (Glossary)

- Intersectionality: باہم مربوط امتیازات یعنی جنس، ذات، طبقہ وغیرہ کی مشترکہ صورتحال
- کام کا دوہرا بوجھ: خواتین پر گھریلو اور پیشہ ورانہ ذمہ داریاں
- Glass Ceiling: نظر نہ آنے والی رکاوٹ (خواتین کی ترقی میں حائل رکاوٹیں)
- اقتصادی: مالی، معاشی امور سے متعلق
- صنفی برابری: مواقع، تنخواہ اور دیگر معاملات میں صنفی توازن
- فرسودہ ذہنیت: پرانی روایتوں کو ماننے والے ذہن کے افراد، محدود سوچ رکھنے والے
- صنفی حسّاسیت: صنفی فرق اور مسائل کو سمجھنے اور احترام کرنے کا رویہ
- تفاوت: فرق ہونا، جدا ہونا
- معاشی بااختیاری: مالی طور پر خود کفیل بنانا

6.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ تعلیم میں صنفی فرق کو کم کرنے کے لیے کون سا قدم سب سے مؤثر ہے؟

a) لڑکیوں کے لیے علیحدہ اسکول
b) لڑکیوں کے لیے اسکالرشپ اور مفت تعلیم
c) صرف خواتین اساتذہ کی بھرتی
d) سخت قوانین کا نفاذ

2۔ صنف اور تعلیم کے درمیان تعلق کیا ہے؟

a) تعلیم صرف لڑکوں کے لیے ضروری ہے
b) تعلیم کا صنف سے کوئی تعلق نہیں
c) تعلیم صنفی کرداروں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے
d) تعلیم صرف رسمی اداروں میں دی جاتی ہے

3۔ مادہ جنین کشی سے مراد ہے:

a) لڑکیوں کو تعلیم دینا
b) لڑکیوں کو ملازمت سے روکنا
c) لڑکی کی پیدائش سے قبل ہی اس کا اسقاط حمل کرنا
d) لڑکیوں کی شادی کرنا

4۔ نومولود لڑکیوں کا قتل زیادہ تر کن وجوہات کی بنا پر کیا جاتا ہے؟

a) غربت b) تعلیم کی کمی c) جہیز کا خوف d) تمام درست ہیں

5۔ خواتین کی بااختیاری کے لیے سب سے اہم قدم کیا ہے؟

a) خواتین کی معاشی حصّہ داری b) تعلیم نسواں کا فروغ

c) خواتین کی سماجی حیثیت کو بہتر بنانا d) خواتین کی صحت پر توجہ دینا

مختصر جوابات کے حامل سوالا (Short Answer Type Questions)

1۔ صنفی مسائل سے کیا مراد ہے

2۔ صنفی حسّاسیت کی ضرورت اور اہمیت پر نوٹ لکھیے

3۔ خواتین کی تعلیم صنفی مسائل کے خاتمہ میں کیسے مددگار ثابت ہوتی ہے؟

4۔ ہندوستان میں خواتین کی صحت کو درپیش چیلنجز کیا ہیں؟

5۔ ہندوستان میں جہیز کے نظام کی کیا وجوہات ہیں

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ ہندوستان میں لڑکیوں کے خلاف روایتی تعصبات اور لڑکوں کے لیے ترجیحات کی وضاحت کریں۔

2۔ صنفی تناسب میں بگاڑ کے اسباب اور اس کے سماج پر اثرات کا جائزہ لیجیے۔

3۔ ہندوستان میں معاشی حصّہ داریوں میں صنفی تفاوت پر مفصل نوٹ لکھیے

6.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Books for Further Reading)

1۔ Desai, N., & Krishnaraj, M. (1987). Women and Society in India. Ajantha Publications

2۔ Chaudhuri, M. (Ed.). (2004). Feminism in India. New Delhi: Kali for Women and Women Unlimited.

3۔ 3. Rege, S. (2013). Writing Caste/Writing Gender: Narrating Dalit Women's Testimonies. New Delhi: Zubaan.

4۔ Government of India. (1989). Shramashakthi: A Report on the Status of Women.

5۔ Government of India. (2022). Annual Report (2021-22) - Towards New Dawn. Ministry of Women and Child Development.

6۔ UN Women-Report 2020, Gender Mainstreaming: A Global Strategy for Achieving Gender Equality and Empowerment of Women and Girls, available on: https://www.unwomen.org

7۔ UN Women Report on Gender Based Violence 2020,available on: https://www.unwomen.org

8۔ Department of Higher Education, 2021 All India Survey on Higher Education, 2020-21, https:// www.aishe.gov.in/aishe/viewDocument.action?documentId=352

9۔ Employment and Unemployment Situation in India, July 2011-June 2012, National Sample Survey Office, 68th round, Report No. 554(68/10/1), Ministry of Statistics and Programme Implementation, Government of India

10۔ Periodic Labour Force Survey (PLFS), July 2021-June 2022, Annual Report, National Sample Survey Office, Ministry of Statistics and Programme Implementation, Government of India

11۔ عذرا عابدی‘(2019)‘ہندوستان میں تانیثیت، قومی کونسل برائے فروغِ اردو‘ نئی دہلی

12۔ شہناز نبی‘(2012)‘فیمینیزم: تاریخ و تنقید‘ اہرِ وانِ ادب پبلی کیشنز‘ کولکتہ

13۔ آمنہ تحسین،(2008)، مطالعاتِ نسواں، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس۔ نئی دہلی

اکائی 7۔ صنفی بنیاد پر تشدد کی تفہیم

(Understanding Gender Based Violence)

اکائی کی ساخت(Unit Structure)

7.0 تمہید(Introduction)

7.1 مقاصد(Objectives)

7.2 تشدد سے کیا مراد ہے(What is meant by Violence)

7.3 صنفی بنیاد پر تشدد کی تعریف اور تشریح

(Definition and Explanation of Gender Based Violence(GBV)

7.4 صنفی بنیاد پر تشدد کی اقسام(Types of GBV)

7.5 صنفی بنیاد پر تشدد کے نتائج(Consequenses of GBV)

7.5.1 انسانی حقوق کی پامالی(Exploitation of Human Rights)

7.5.2 عدم مساوات(Inequality)

7.5.3 صنفی بنیاد پر تشدد کے سماج پر اثرات(Impact of GBV on the Society)

7.5.4 صنفی بنیاد پر تشدد کے خواتین کی صحت پر اثرات(Impact of GBV on Women's Health)

7.5.5 صنفی بنیاد پر تشدد کے بچوں پر اثرات(Impact of GBVon Chidren)

7.5.6 صنفی بنیاد پر تشدد کے معیشت پر اثرات(Impact of GBV on economy)

7.6 ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کا منظر نامہ(GBV scenario in India)

7.7 اکتسابی نتائج(Learning Outcomes)

7.8 فرہنگ(Glossary)

7.9 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

7.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

7.0 تمہید(Introduction)

پچھلی اکائیوں میں آپ نے صنفی تصورات اور صنفی مسائل کے متعلق تفصیلات سے آگاہی حاصل کی۔ علاوہ ازیں ہندوستانی معاشرے میں صنفی تعصب اور امتیازات کی روایتوں سے بھی واقفیت حاصل کی۔ آپ کے مشاہدے میں یہ بات ہوگی کہ کسی فرد سے کیے جانے والا امتیازی سلوک، استحصال، جبر، ناشائستہ گفتگو یا جسمانی وذہنی اذیت یا مار پیٹ 'اس فرد کی زندگی کو کس طرح متاثر کرتی ہے۔ اس طرح کے واقعات یا رویے جسے ہم تشدد کہہ سکتے ہیں' ہندوستانی سماج میں' بہت عام ہے۔ اس کے علاوہ عورت و مرد کے درمیان پیش آنے والے اس قسم کے واقعات بھی ہمارے معاشرے میں عام ہیں بلکہ ہماری روزمرہ زندگی میں کچھ اس طرح سے شامل ہو گئے ہیں کہ ہم میں سے بہت سے افراد جبر و جنسی استحصال، مار پیٹ، ذہنی اذیت اور امتیازی رویّوں کو بالکل غلط نہیں سمجھتے اور نہ سماج پر پڑنے والے اثرات کا اندازہ لگا پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی سماج پر اس کے اثرات تشویشناک حد تک بڑھ گئے ہیں۔ حالانکہ ہر قسم کے تشدد بالخصوص صنفی بنیاد پر تشدد کی روک تھام کے لیے کئی اہم اقدامات اپنائے گئے لیکن کوئی خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں۔ نیشنل کرائم رپورٹ بیورو کی سالانہ رپورٹس کا جائزہ بتاتا ہے کہ خواتین کے خلاف جرائم میں ہر برس اضافہ ہو رہا ہے۔ اس اہم مسئلہ پر فوری توجہ دینے اور اجتماعی کارروائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کا پھیلاؤ پدرانہ رویوں اور معاشرتی اصولوں کی ایک واضح مثال قرار دی جاسکتی ہے' جو نہ صرف خواتین اور لڑکیوں کے خلاف صدیوں سے جاری تشدد اور امتیازی سلوک کو برقرار رکھے ہوئے ہے بلکہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کو بھی بے حد متاثر کر رکھا ہے۔ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ صنفی تشدد کی بنیاد پر متاثر ہونے والوں میں خواتین کا بڑا طبقہ شامل ہے۔ ہندوستانی خواتین کی پسماندگی اور سماج میں ان کی حاشیائی حیثیت سے اس مسئلہ کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

خواتین کے خلاف تشدد کو نجی یا عورت کا مسئلہ سمجھ لیا گیا ہے' جبکہ صنفی بنیاد پر تشدد اور امتیازات' اصل میں انسانی حقوق کی پامالی کی ایک اہم مثال ہے' جس کے نتائج بہت دور رس ہوتے ہیں جو نہ صرف خواتین کی زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں بلکہ ان کے خاندانوں، برادریوں اور پوری قوم و ملک کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ ملک کی مجموعی ترقی کا انحصار تمام افراد کی شراکت داری اور ان کی صلاحیتوں کے استعمال پر منحصر ہے۔ لیکن ایسے معاشرے جو بڑی حد تک مختلف طرح سے صنفی مسائل میں گھرے ہوتے ہیں وہ پائیدار ترقی کا حصّہ نہیں بن پاتے۔ اسی لیے ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ صنفی بنیاد پر تشدد صرف خواتین کا مسئلہ نہیں ہے' بلکہ ہمارے ملک کا ایک اہم سماجی مسئلہ ہے جس میں تمام طبقات کے افراد شامل ہیں۔ متاثرین میں' مختلف صنفی شناخت، ذات، طبقے یا عقیدے اور سماجی حیثیت کے افراد شامل ہیں۔ اسی لیے یہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم صنفی بنیاد پر تشدد کو وضاحت سے سمجھیں اور اس کی باہمی نوعیت کو پہچانیں' جو پسماندہ کمیونٹیز کو بشمول' اقلیتی خواتین، دلت خواتین، قبائلی خواتین اور معذور خواتین اور ان کے خاندان کو غیر متناسب طور پر متاثر کرتی ہے۔ لہٰذا اس اکائی میں ہم صنفی بنیاد

پر تشدد کے معنی و مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف اقسام سے آگہی حاصل کریں گے اور اس کی بنیادی وجوہات نیز سماج پر اس کے اثرات کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- تشدد کے معنی وضاحت سے سمجھ پائیں گے اور خاص کر صنفی بنیاد پر تشدد کا مفہوم جانیں گے۔
- صنفی بنیاد پر تشدد کی مختلف اقسام اور وجوہات کے متعلق معلومات حاصل کر پائیں گے۔
- صنفی تشدد کے سماج، بالخصوص خواتین پر اثرات کو جانیں گے اور اس کے شدید نقصانات سے واقف ہوں گے۔
- سماج سے صنفی بنیاد پر تشدد کے خاتمہ کے لیے ایک اہم کردار نبھانے کے قابل بنیں گے۔

7.2 تشدد سے کیا مراد ہے؟ (What is meant by Violence)

''تشدد (Violence) سے مراد' انسانی رویّوں کا ایک ایسا عمل ہے جو کسی بھی فرد کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔ تشدد سے پہنچنے والا نقصان جسمانی، جذباتی اور نفسیاتی ہوتا ہے۔ تشدد' میں جارحیت ہوتی ہے۔ تشدد ایک عام قسم کا معاندانہ یا جارحانہ رویہ ہے جو جسمانی، زبانی یا غیر فعال نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ ''تشدد'' غیر انسانی رویے کی ایک عام قسم ہے جو پوری دنیا کے بیشتر افراد میں پائی جاتی ہے۔ کسی بھی عمر کے لوگ متشدد ہو سکتے ہیں۔ تشدد کے نتیجے میں فرد یا اس کے خاندان اور سماج پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خواتین اور بچے خاص طور پر اس کے نقصان کا شکار ہوتے ہیں۔ تشدد مار پیٹ، جسمانی اذیت کے ساتھ ساتھ نفسیاتی نقصان کا سبب بھی بنتا ہے۔ کئی نفسیاتی عوارض، بشمول پوسٹ ٹرومیٹک اسٹریس ڈس آرڈر، ڈسوسی ایٹیو آئیڈ ینٹی ڈس آرڈر اور بارڈر لائن پر سنلٹی ڈس آرڈر' جیسی بیماریاں تشدد کا تجربہ کرنے یا اس کا مشاہدہ کرنے سے وابستہ ہیں۔ دیگر نفسیاتی علامات، جیسے ڈپریشن، بے چینی، اور موڈ میں تبدیلیاں تشدد کے شکار افراد میں عام ہوتے ہیں۔

(برٹانیکا ڈکشنری https://www.britannica.com/topic/violence)

7.3 صنفی بنیاد پر تشدد کی تعریف و تشریح

(Definition and Explanation of Gender Based Violence-(GBV))

صنفی بنیاد پر تشدد(Gender Based Violence)اور خواتین کے خلاف تشدد(Violence Against women)دو اصطلاحات ہیں جو اکثر ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتی ہیں' کیونکہ خواتین کے خلاف زیادہ تر تشدد (مردوں کی طرف سے) صنفی بنیادوں پر ہی کیا جاتا ہے،اور صنفی بنیاد پر تشدد میں یوں تو خواتین کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کو شامل کیا جاسکتا ہے لیکن صنفی بنیادوں پر مختلف نوعیت کے تشدد سے خواتین ہی شدید متاثر ہوتی ہیں۔اسی لیے صنفی بنیاد پر تشدد کا مفہوم خواتین کے خلاف جرائم ہی استعمال ہوتا ہے۔ابتداء میں یہی لفظ استعمال کیا جاتا تھا تاہم غیر بائنیری افراد یا دیگر جنسی شناخت والے افراد بھی چونکہ امتیازات اور تشدد کا شکار ہوتے ہیں اور یہ انسانی حقوق سے جڑے مسائل ہیں اسی لیے جدید دور میں ''صنفی بنیاد پر تشدد'' کی اصطلاح کا استعمال وسیع معنوں میں کیا جارہا ہے تاکہ اس میں جنسی شناخت کی بنیاد پر متاثرہ تمام افراد پر توجہ دی جاسکے۔

خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازات اور تشدد کے خاتمہ سے متعلق اقوام متحدہ کا اعلامیہ(UN Convention on the Elimination of all forms of Discrimination Against Women)میں خواتین کے خلاف تشدد کی تشریح بڑی وضاحت سے کی گئی ہے ملاحظہ کیجیے۔

''صنفی بنیاد پر تشدد کا کوئی بھی ایسا عمل جس کے نتیجے میں یا اس کے نتیجے میں خواتین کو جسمانی، جنسی یا نفسیاتی نقصان یا تکلیف پہنچنے کا امکان ہو، بشمول ایسی کارروائیوں کی دھمکیاں، جبر یا آزادی سے صوابدیدی یا محرومی، چاہے عوامی یا نجی زندگی میں ہو' صنفی تشدد کہلاتا ہے''

یونیسیف(UNICEF)کی جانب سے صنفی بنیاد پر تشدد' کی تشریح اس طرح سے کی گئی ہے ''یہ اصطلاح کسی شخص کے خلاف مرتکب ہونے والے کسی بھی نقصان دہ فعل کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے 'جو مرد اور خواتین کے درمیان سماجی طور پر منسوب/جنسی فرق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔اس میں جسمانی، جنسی یا ذہنی نقصان پہنچانے یا تکلیف پہنچانے کی کارروائیاں یا ایسی کارروائیوں کی دھمکیاں،اور آزادی کی دیگر محرومیاں شامل ہیں''۔

یعنی صنف پر مبنی تشدد سے مراد افراد پر ان کی جنس کی شناخت کے بنیاد پر کی جانے والی نقصان دہ کارروائیاں ہیں' جن کی جڑیں صنفی عدم مساوات اور معاشرتی اصولوں میں پیوست ہیں، جو غیر متناسب طور پر خواتین اور صنفی متنوع افراد کو متاثر کرتی ہیں۔اقوام متحدہ کی قائم کردہ تنظیم ''یو۔این ویمن'' کی جانب سے بھی صنفی تشدد کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیا گیا اور عالمی سطح پر صنفی بنیاد پر تشدد کی تمام اقسام نیز امتیازات کو ختم کرنے کے اقدامات پر زور دیا گیا۔یو این ویمن کے مطابق

''خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد دنیا کی سب سے زیادہ پائی جانے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں سے ایک ہے۔ یہ خلاف ورزی دنیا کے ہر کونے میں ہر روز کئی بار ہو رہی ہے۔ خواتین اور لڑکیوں پر اس کے سنگین قلیل اور طویل مدتی جسمانی، معاشی اور نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو معاشرے میں ان کی مکمل اور مساوی شرکت کو روکتے ہیں۔''

(United Nations High Commissioner for Refugees – UNHCR) کے مطابق ''صنفی بنیاد پر تشدد، کسی فرد پر ان کی جنس کی بنیاد پر کی جانے والی نقصان دہ کارروائیاں ہیں۔ اس کی جڑ صنفی عدم مساوات، طاقت کا غلط استعمال اور نقصان دہ اصولوں میں پیوست ہے۔ صنف پر مبنی تشدد انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے اور صحت اور تحفظ کے لیے جان لیوا مسئلہ ہے۔"

صنفی بنیاد پر تشدد کے واقعات سے برابری اور وقار کا حق کے علاوہ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس سے متاثرہ فرد کی خود مختاری اور وقار کو خطرہ ہوتا ہے۔ تشدد میں ''صنفی تصورات'' کو ایک اہم عنصر مانا گیا۔ اس نکتہ کی قبولیت 1990 کی دہائی میں سامنے آئی۔ حالانکہ 1970 کی دہائی کے اوائل میں تشدد کے خلاف قانون سازی اور پالیسی متعارف کرائی گئی تھی۔ خواتین کے خلاف ہر طرح کے امتیازی سلوک پر کنونشن (Convention on Ellimination of all kinds of Discrimination Against Women) نے پہلی بار خواتین کو مرکزی دھارے میں لانے اور انسانی حقوق تک ان کی رسائی پر توجہ مرکوز کی جبکہ یہ 1993 میں خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کے اعلان (Declaration on the Elimination of Violence Against Women (DEVAW)) کے ساتھ بنایا گیا اور صنفی بنیاد پر تشدد کو عالمی سطح پر صنفی انصاف سے متعلق ایک بڑے مسئلے کے طور پر قبول کیا گیا۔ ان اعلامیوں کے مطابق صنفی بنیاد پر تشدد صرف کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ گہرے سماجی اصولوں، ثقافتی رویوں اور تاریخی ڈھانچے کا نتیجہ ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد صنفی عدم مساوات کے تسلسل کو برقرار رکھتا ہے۔ پدرانہ نظام، جو ایک ایسا سماجی نظام ہے جس میں مرد بنیادی اہمیت، مرکزیت اور طاقت رکھتے ہیں۔ یہی نظام صنفی بنیاد پر تشدد کے پیچھے سب سے اہم محرک قوت ہے۔ مردانہ تسلط کا یہ نظام خاندانی ڈھانچے سے لے کر سیاسی اداروں تک بلکہ معاشرے کے بہت سے پہلوؤں پر محیط ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد سماج میں اس تصور کو برقرار رکھتا ہے کہ مرد خواتین کے جسم، انتخاب اور زندگی کے تمام معاملات کو کنٹرول کرنے کے حقدار ہیں۔ اس تناظر میں صنفی تشدد مردانہ اقتدار اور غلبہ کو برقرار رکھنے کا ایک اہم ذریعہ بن جاتا ہے۔ خواتین، بچے، اور صنفی اقلیتیں اکثر اس طرح کے تشدد کا سب سے زیادہ شکار ہوتے ہیں، کیونکہ انہیں اس نظام میں ماتحت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔''

مجموعی طور پر معاشرے میں تشدد کے اثرات کی شدت دیکھی جاسکتی ہے۔ مختلف رپورٹس سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی، صحت اور ماحولیاتی بحران، وبائی امراض، سیاسی تنازعات، جنگیں اور موسمیاتی تبدیلیوں سے پیدا ہونے والے حالات نے خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد کو مزید تیز تر کیا ہے۔ ان کے لیے موجودہ چیلنجز کو بڑھادیا ہے اور نئے اور ابھرتے ہوئے خطرات کو جنم دیا ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد طاقت کے عدم توازن پر مبنی ہوتا ہے اور کسی شخص یا لوگوں کے گروپ کو کمتر یا ماتحت محسوس کرنے اور اسے نیچا دکھانے کے ارادے سے کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے تشدد کی جڑیں ان تمام سماجی اور ثقافتی ڈھانچے، اصولوں اور اقدار میں گہرائی سے پیوست ہیں جو معاشرے کو کنٹرول اور حکومت کرتے ہیں۔ اس کو ہمیشہ برقرار رکھنے کے لیے تشدد کا سہارا لیا جاتا ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد نجی اور عوامی دونوں شعبوں میں ہوتا ہے اور یہ خواتین کو غیر متناسب طور پر متاثر کرتا ہے۔

7.4 صنفی بنیاد پر تشدد کی اقسام (Types of GBV)

صنفی بنیاد پر تشدد، غیر انسانی رویوں اور جسمانی جارحیت کا عمل ہے۔ یہ جنسی، جسمانی، زبانی، نفسیاتی (جذباتی) یا سماجی و اقتصادی ہو سکتا ہے۔ جدید دور میں یہ انٹرنیٹ پر زبانی تشدد اور نفرت انگیز تقریر سے لے کر عصمت دری یا قتل تک کئی شکلیں اختیار کر لیا ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والوں میں جاننے والے اور انجان افراد دونوں شامل ہوتے ہیں۔ صنفی بنیاد پر تشدد میں کئی ایسی اقسام ہے جو ناقابل معافی جرم میں آتی ہیں۔ جن کے لیے سخت قانون بنائے گئے ہیں۔ صنفی بنیاد پر تشدد، کسی بھی قسم کے تشدد کی طرح ایک ایسا عالمی مسئلہ ہے جو مختلف شکلوں میں تمام دنیا کی سماجوں اور تہذیبوں میں موجود ہے۔ یہ تشدد ایک صنف کی برتری، یعنی مردانہ غلبے اور طاقت اور عورت کی محکومیت و کمزور موقف کے احساس پر مبنی ہے اور خاندانی سطح پر، تعلیمی یا سماجی اداروں میں، کام کی جگہ پر یا مجموعی طور پر پورے معاشرے میں مردانہ غلبے اور برتری کو ظاہر کرنے کے مقصد پر مبنی روایات پر مشتمل ہے۔

صنف پر مبنی تشدد کی کئی اقسام ہیں۔ صنفی تشدد صرف جسمانی تشدد تک محدود نہیں ہوتا ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی جسمانی جارحیت کا عمل یا کوئی بھی ایسا لفظ، عمل، یا کسی دوسرے شخص کو جنسی شناخت کی بنیاد پر نیچا دکھانے، کنٹرول کرنے، ذلیل کرنے، ڈرانے، زبردستی کرنے، محروم کرنے، دھمکی دینے یا جنسی طور پر ہراساں کرنے یا زنا بالجبر کی کوشش کرنا شامل ہے۔ صنف کی بنیاد پر ہر قسم کا امتیازی سلوک بھی اسی کی شکلیں ہیں۔ صنف پر مبنی تشدد میں جنسی تشدد سخت توجہ کا متقاضی ہے۔ یعنی عصمت دری اور زنا بالجبر، جنسی حملہ یا ہراسانی اور جنسی جبر و استحصال اس نوعیت کے تشدد میں شدت اختیار کر گئے ہیں، جبکہ جذباتی اور نفسیاتی زیادتی یعنی، جنس پر مبنی طنزیہ الفاظ یا نفرت بھرے یا تلذذ بھرے الفاظ کا استعمال، اشارے کنایے، تصویروں کے ذریعے یا مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے کسی فرد کو قابل گرفت جنسی

الفاظ یا اشاروں کے ذریعے پریشان کرنا بھی ذرائع ابلاغ کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھ گیا ہے۔معاشی تشدد (Economic violence) جدید دور کی دین ہے۔زیادہ سے زیادہ خواتین روزگار اور تجارت سے وابستہ ہو رہی ہیں لیکن ان کے مالی وسائل پر مکمل کنٹرول برقرار رکھا جارہا ہے۔ان کی اپنی رقم کو استعمال کرنے تک ان کی رسائی کو روکا جارہا ہے۔اس طرح کے رویے بھی صنفی تشدد میں شامل ہیں۔

صنفی بنیاد پر تشدد میں سب سے اہم اور وسیع پیمانے پر کیا جانے والا تشدد جنسی تشدد(Sexual violence)ہے۔جنسی تشدد کسی بھی قسم کا نقصان دہ یا ناپسندیدہ جنسی رویہ ہے جو کسی پر مسلط کیا جاتا ہے۔اس میں عورت سے بدسلوکی، کسی عورت کے ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر جنسی عمل کی کوشش کرنا، جنسی طور پر ہراساں کرنا، زبانی بدسلوکی، دھمکیاں، ناپسندیدہ چھونا، بدکاری کرنا وغیرہ شامل ہیں۔جنسی تشدد میں، جنسی ہراسانی، تحریری اور الیکٹرانک مواصلات سمیت زبانی، غیر زبانی یا جسمانی نوعیت کا کوئی بھی طرز عمل شامل ہوتا ہے۔جنسی طور پر ہراساں کرنا مختلف شکلیں لیتا ہے۔یعنی شکل اور الفاظ سے لے کر جنسی نوعیت کے جسمانی رابطے تک رویے اس میں شامل ہے۔جنسی ہراسانی کی مثالوں میں جنسی یا فحش کہانیوں یا لطیفوں کا لڑکیوں اور خواتین سے اشتراک کرنا بھی شامل ہے۔ناپسندیدہ گفتگو میں جنسی عمل کے لیے پوچھنا، اشارے کرنا، عریاں لباس یا جسم کے اعضاء کے بارے میں جنسی تبصرے کرنا وغیرہ شامل ہے۔عصمت دری (Rape)، جنسی تشدد کی ایک خطرناک قسم ہے۔کسی بھی لڑکی یا عورت کو بغیر رضامندی کے یا ڈرانے، زبردستی، دھوکہ دہی، زبردستی، دھمکی، دھوکہ دہی، منشیات یا الکحل کے استعمال یا طاقت کا غلط استعمال یا کمزوری کی پوزیشن، یا فوائد دینے یا وصول کرنے کے عوض جنسی زیادتی پر مجبور کرنا ہے۔جنسی استحصال(Sexual exploitation)بھی عصمت فروشی یا جنسی عمل، مالی، جسمانی، سماجی یا سیاسی طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے کمزوری، طاقت یا اعتماد، یا طاقت کا استعمال یا طاقت کا استعمال ہے۔کسی بھی تنازعات میں جنسی تشدد(Sexual violence in conflict)یا مسلح تصادم کے حالات میں خواتین کے ساتھ غیر انسانی سلوک انسانی حقوق کی خلاف ورزی میں شامل ہے، جیسے منظم عصمت دری، جنسی غلامی اور جبری حمل، نیز جبری نس بندی، مانع حمل ادویات کا زبردستی استعمال، مادہ جنین کشی یا نوزائدہ لڑکیوں کا قتل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایک عورت یا لڑکی کا جان بوجھ کر قتل کرنا Femicide کہلاتا ہے۔خواتین کا قتل صنفی بنیاد پر تشدد کا انتہائی شدید اور سفاکانہ اظہار ہے۔لڑکیوں یا خواتین کا قتل، نجی اور عوامی دونوں طرح کے سیاق وسباق میں کیا جاتا ہے۔جنس سے متعلق قتل میں نام نہاد غیرت کے نام پر قتل بھی شامل ہیں، جہاں خاندان کے افراد، عام طور پر خواتین یا لڑکیوں کو نشانہ بناتے ہیں اور اس وجہ سے قتل کرتے ہیں کہ وہ خاندان کی بے عزتی یا شرمندگی کا باعث بنی ہے۔اسی طرح انسانی اسمگلنگ(Human trafficking)ایک عالمی مسئلہ ہے۔جنسی استحصال انسانی اسمگلنگ کی سب سے عام شکل ہے۔اس کا شکار نوعمر لڑکیاں ہوتی ہیں۔انسانی تجارت یا اسمگلنگ میں یوں تو لڑکوں کا بھی استعمال اور استحصال کیا

جاتا ہے لیکن لڑکیاں اور خواتین ہی اس کا اولین مرکز ہوتی ہیں۔ دیہاتوں سے لے کر شہروں تک یہ تجارت پھیلی ہوئی ہے۔ لڑکیوں کا اغوا اور ان کا جنسی استعمال کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک کاروبار کیا جاتا ہے اور مالی فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔ انسانی تجارت خواتین کے خلاف تشدد اور استحصال کی ایک کریہناک تصویر ہے۔

مختلف معاشروں میں تہذیبی سطح پر خواتین کے لیے ایسے اصول وضوابط اور نقصان دہ اعمال رائج کر دیے گئے، جو صنفی تصورات کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ پدرانہ نظام کو مضبوط کرتے ہیں اور عورت کی محکومیت نیز استحصال کو سماج میں قائم رکھتے ہیں۔ انھیں معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا لازم حصّہ بنا دیا گیا۔ لہذا افراد اس پر کاربند رہنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ مختلف النوع نقصان دہ طرزِ عمل خواتین پر تشدد کی ایک اور مثال ہے اور 'انسانی حقوق کی صریح خلاف ورزی ہے۔ لڑکیوں اور خواتین کے متعلق مختلف توہمات کے سبب ان کی آزادانہ حمل ونقل پر پابندی، تولیدی صحت سے متعلق پابندیاں، کم عمری کی شادی کے متعلق صنفی تصورات، جادو ٹونے اور رسمی حملے، بیٹے کی ترجیح، بیٹی سے نفرت اور صنفی تعصب پر مبنی جنس کا انتخاب، بچے کی پیدائش سے جڑی فرسودہ روایات، غیرت کے نام پر جرائم، جہیز سے متعلق استحصال اور تشدد، ماہواری کی پابندیاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ صنفی بنیاد پر رائج تشدد کی یہ وہ قسمیں ہیں جو صدیوں کی روایات اور رسومات کا حصّہ سمجھی جاتی ہیں، لیکن سماج کے افراد یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان تمام نقصان دہ اعمال سے خواتین کی جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی صحت شدید متاثر ہوتی ہے۔

گھریلو تشدد (Domestic Violence) صنفی بنیاد پر ہونے والے تشدد کی ایک اہم نوعیت ہے۔ اس قسم کا تشدد اکثر گھرانوں میں عام ہے۔ گھریلو تشدد سے مراد شوہر اپنی بیوی کے ساتھ جسمانی، جنسی یا جذباتی زیادتی کرتا ہے یا گھر کے دیگر افراد بالخصوص اس گھر کی عورت کو ہراسانی، مارپیٹ یا جذباتی زیادتی کے ذریعے کنٹرول کرنے کا عمل ہے۔ گھریلو تشدد 'جسمانی یا نفسیاتی ہوتا ہے، اور یہ کسی بھی عمر، جنس، نسل، یا جنسی رجحان کو متاثر کر سکتا ہے۔ اس میں ایسے رویے شامل ہوتے ہیں جن کا مقصد ڈرانا، جسمانی طور پر نقصان پہنچانا، یا کنٹرول کرنا اور پدرانہ نظام کی طاقت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ توہین، دھمکیاں، جذباتی بدسلوکی، اور جنسی جبر سبھی گھریلو تشدد کی تشکیل کرتے ہیں۔ گھریلو تشدد کے شکار افراد مسلسل اضطراب، خوف اور افسردگی اور بے بسی کے احساس میں مبتلا رہتے ہیں۔ جس سے ان کی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں۔ جہیز کے لیے ہراسانی بھی صنفی تشدد کی ایک قسم ہے۔ جن معاشروں میں شادی کے وقت جہیز یا لین دین کا رواج ہے وہاں جہیز کے لیے ہراساں کرنا اور شادی کے بعد بیوی کے خاندان سے زیادہ سے زیادہ رقم یا سامان حاصل کرنے کی کوشش کرنا عام ہے۔ اگر بیوی کے گھر والے اس کی تعمیل نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے تو اس کے بعد بدسلوکی اور تشدد ہو سکتا ہے۔ یہ رواج شوہر کو دوسری شادی کرنے کے لیے آزاد کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بار بار بدسلوکی کی جاتی ہے۔ بسا اوقات قتل تک بھی نوبت آجاتی ہے یا عورت کو خودکشی پر اکسایا جاتا ہے۔ جہیز کی وجہ سے موت ایک شادی شدہ عورت کا قتل یا خودکشی ہے جو اس کے جہیز پر جھگڑے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بعض صورتوں میں، شوہر اور سسرال

والے مسلسل ایذار سانی اور تشدد کے ذریعے زیادہ جہیز لینے کی کوشش کرتے ہیں‘ جس کے نتیجے میں بعض اوقات بیوی خودکشی کر لیتی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر خودکشیاں پھانسی، زہر دینے یا خود سوزی کے ذریعے کی جاتی ہیں۔ جہیز کی موت کی ایک شکل اس وقت ہوتی ہے جب عورت کو آگ لگا دی جاتی ہے۔ اس عمل کو دلہن جلانا قتل کہا جاتا ہے، اور اسے اکثر خودکشی یا حادثے کی طرح دیکھا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں عورت کو اس انداز میں آگ لگائی جاتی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مٹی کے تیل کے چولہے پر کھانا پکاتے ہوئے اسے آگ لگ گئی تھی۔ اس میں گھر کے کسی فرد کی سازش نہیں تھی۔ ملک کے کئی حصوں میں جہیز ثقافتی عمل کا ایک حصہ ہے، جہاں دلہن کے اہل خانہ بہت سی قیمتی چیزیں بطور تحفہ دیتے ہیں۔ اسے اکثر دلہن کے لیے مالی تحفظ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے اس روایت کو معاشرے کے لیے ایک ایسی لعنت بنا دی ہے جو کئی غیر قانونی طریقوں کو جنم دیتی ہے "جہیز ہراسانی" ان میں سے ایک ہے۔ این سی آر بی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 2021 میں جہیز کی وجہ سے موت کے 6753 کیس رجسٹرڈ ہوئے اور اس میں سالانہ اضافہ ہو رہا ہے۔

مادہ جنین کا قتل مادہ جنین کشی (Female feotecide) اس میں پیدائش سے پہلے ہی لڑکیوں کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ مردانہ اولاد کے لیے روایتی ترجیحات، جدید طبّی ٹیکنالوجی، جنس کی شناخت میں سہولت فراہم کرنے والے مختلف سماجی عوامل جیسے ڈاکٹروں کے مالیاتی مفادات اور جہیز کے نظام کی روایات کے پس منظر میں شروع ہوا۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے رجحان کی یہ ایک مثال ہے۔

آن لائن یا ٹیکنالوجی کی مدد سے تشدد (Cyber Crime) جدید دور کا ایک اور صنفی تشدد ہے‘ جو تمام ممالک بشمول ہندوستان میں تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ اس تشدد میں بین الاقوامی افراد کے ساتھ ساتھ قومی سطح کے افراد اور مقامی جاننے والے لوگ بھی شامل رہتے ہیں۔ خواتین کے خلاف ٹیکنالوجی کی مدد سے تشدد کوئی بھی ایسا نقصان دہ عمل ہے جو ڈیجیٹل ٹولز یا انفارمیشن کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز کے استعمال کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں نازیبا تصاویر، جھوٹی محبت کے پیغامات، دھمکی آمیز پیغامات کے ذریعے یا دیگر افعال کے ذریعے لڑکیوں اور خواتین کو پریشان کرنا ایک عام چلن بنتا جا رہا ہے۔ ان کارروائیوں کے نتیجے میں جسمانی، جنسی، نفسیاتی، سماجی، سیاسی، یا اقتصادی نقصان کے ساتھ ساتھ حقوق اور آزادیوں کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے۔ یہ تشدد اگرچہ کہ آن لائن شروع ہوتا ہے لیکن وہ بعد میں ان کی روزمرہ کی زندگی تک آ جاتا ہے۔ بیشتر صورتوں میں محبت کے نام پر دھوکہ، بدنامی اور بدسلوکی کی وجہ سے اموات ہوئی ہیں۔ ٹکنالوجی کی مدد سے صنفی بنیاد پر تشدد کی موجودہ شکلوں اور نمونوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ ٹکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ خواتین کے خلاف سماجی، تہذیبی اور حتیٰ کہ تولیدی صحت کے میدان میں بھی تشدد کی نئی نئی شکلیں متعارف ہوئی ہیں‘ جس کے نتیجے میں ان کی زندگی سے جڑے مسائل میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ کہ بیشتر خواتین اور لڑکیاں جو آن لائن ہیں یا جو ڈیجیٹل ٹولز استعمال کرتی ہیں انہیں آن لائن تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن کچھ گروپس زیادہ خطرے میں ہیں۔ ان میں وہ خواتین شامل ہیں جو سب سے زیادہ آن لائن نظر آتی ہیں، بشمول عوامی زندگی میں فعال خواتین جیسے‘

میڈیا سے وابستہ خواتین صحافی، انسانی حقوق کی جہدکار، سیاست دان، نوجوان خواتین اور لڑکیاں وغیرہ کو باآسانی پریشان کیا جاتا ہے اور ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔

7.5 صنفی بنیاد پر تشدد کے نتائج(Consequences of GBV)

صنفی بنیاد پر تشدد غیر انسانی عمل ہے' جس کے نتیجے میں نہ صرف کوئی ایک فرد بلکہ پورا خاندان اور معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے اثرات' جسمانی تکالیف، بیماریاں، نفسیاتی صدمے، سماجی ٹوٹ پھوٹ اور معاشی عدم استحکام کا باعث بنتے ہیں۔ عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق" صنف پر مبنی تشدد یا خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد ایک عالمی وبا ہے جو زندگی میں ہر تین عورتوں میں سے ایک عورت کو متاثر کرتی ہے۔ دنیا بھر میں 35 فیصد خواتین نے یا تو جسمانی، نفسیاتی یا جنسی تشدد کا تجربہ کیا ہے۔ عالمی سطح پر، 7 فیصد خواتین کو اپنے شریکِ سفر یا ساتھی کے علاوہ کسی اور غیر شناسا فرد نے جنسی طور پر ہراساں کیا ہے۔ عالمی سطح پر، خواتین کے قتل کے تقریباً 38 فیصد کیسس قریبی ساتھی کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔ 200 ملین خواتین نے زنانہ اعضاء کے کاٹنے کا تجربہ کیا ہے۔ یہ مسئلہ نہ صرف تشدد سے بچ جانے والوں اور ان کے خاندان کے لیے تباہ کن ہے' بلکہ اس میں سماج اور اقتصادی حالات بھی شامل ہیں۔ کچھ ممالک میں، خواتین کے خلاف تشدد کا تخمینہ ممالک کو ان کی جی ڈی پی کے 3.7 فیصد تک اٹھانا پڑتا ہے۔ اکثر ممالک میں حکومتیں تعلیم پر جو پیسہ خرچ کرتی ہیں اس سے دگنی سے بھی زیادہ رقم انھیں تشدد سے متاثرہ افراد کی بھلائی اور اس کی روک تھام پر خرچ کرنی پڑتی ہے۔

7.5.1 انسانی حقوق کی پامالی(Violation of Human Rights)

صنفی بنیاد پر تشدد' بنیادی طور پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے' جو خواتین اور لڑکیوں کے علاوہ غیر بائنری افراد کے وقار، ترقی اور خود مختاری کو مجروح کرتا ہے۔ باوقار زندگی انسانی حق ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد کا تسلسل نہ صرف انفرادی بلکہ قومی ترقی میں بھی رکاوٹ بنتا ہے' کیونکہ یہ خواتین اور لڑکیوں کے علاوہ دیگر جنسی شناخت والے افراد کو تعلیم، روزگار اور دیگر مواقع میں مکمل طور پر حصہ لینے سے روکتا ہے۔ تشدد سے مکمل آزادی ایک بنیادی انسانی حق ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد خواتین کی نہ صرف عزتِ نفس اور خود اعتمادی کو مجروح کرتا ہے بلکہ یہ ان کی جسمانی اور ذہنی صحت کو بھی متاثر کرتا ہے اور ان کی خود کو نقصان پہنچانے، تنہائی، ڈپریشن اور خودکشی کی کوششوں کا باعث بھی بنتا ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد خواتین کے وجود کی بقاء کو خطرے میں ڈالتا ہے۔ سماج میں ہر فرد کو اس کی طبعی عمر کی تکمیل تک وقار کے ساتھ زندہ رہنے اور خود کو محفوظ محسوس کرنے نیز تمام سماجی و سیاسی معاملات میں شرکت کرنے کا بنیادی حق حاصل ہے۔ جس سماج یا معاشرے میں تحفظ کا احساس موجود نہیں ہے وہاں کے افراد کو پیداواری کام(Productive work) کرنے کی صلاحیت کے متاثر ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے۔

کیونکہ تشدد کے دیرپا اثرات سے خود شناسی اور ترقی متاثر ہوتی ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد تمام افراد کی فلاح و بہبود اور اہم سماجی فرد کی حیثیت سے ان کی ترقی و بااختیاری کے انسانی حق کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔

7.5.2 سماج میں عدم مساوات کا فروغ (Growth of Inequality in the Society)

صنفی بنیاد پر تشدد کی جڑیں' خواتین یا دوسرے جنسی شناخت والے افراد کے خلاف نقصان دہ دقیانوسی تصورات اور تعصبات اور امتیازی رویوں میں گہرائی تک پوشیدہ ہیں۔ صنفی بنیاد پر تشدد خواتین اور دیگر متاثرین کو معاشرے میں حاشیائی مقام کا حامل بناتا ہے۔ اور انہیں کمتر یا بے بس محسوس کرواتا ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد عدم مساوات کو مستحکم کرتا ہے اور صنفی مساوات کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ صنفی مساوات انسانی حقوق کے تحفظ، جمہوریت کو برقرار رکھنے اور قانون کی حکمرانی کے تحفظ کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے جبکہ صنفی بنیاد پر تشدد ایک متضاد معاشرے کی تشکیل میں مدد کرتا ہے اور مردوں کی طاقت کو برقرار رکھتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ صنفی مساوات کا مطلب تمام افراد بشمول عورتوں، مردوں اور دیگر جنسی شناخت والے افراد کے درمیان وسائل کی مساوی رسائی اور مساوی تقسیم ہے اور انھیں بااختیار بنانے نیز عوامی اور نجی زندگی کے تمام شعبوں میں حصہ لینے کے مساوی مواقع فراہم کرنا شامل ہے۔ لیکن صنفی بنیاد پر تشدد کے نتیجے میں مساویانہ حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں افراد کی زندگیاں پسماندہ ہو جاتی ہیں اور وہ مساویانہ مواقعوں نیز حصّہ داریوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

7.5.3 صنفی بنیاد پر تشدد کے سماج پر اثرات (Impact of GBV on the Society)

صنفی بنیاد پر تشدد سماجی بدامنی اور عدم استحکام کا باعث بھی بنتا ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد سے بچ جانے والوں کو اکثر سماجی طور پر تنہائی اور بدنامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جس کی وجہ سے ان کے لیے امدادی خدمات تک رسائی حاصل کرنا اور اپنی زندگیوں کو دوبارہ کارگر بنانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک طرف ایسے ماحول میں رہنے والے افراد اپنے رویوں میں غیر انسانی حرکات، غصّہ اور بدامنی پھیلانے میں ملوث ہوتے ہیں۔ ان کے لیے یہ ایک عام سے رویے ہوتے ہیں۔ جن کے نقصانات کا انھیں احساس نہیں ہوتا کہ سماج مجموعی طور پر کس طرح سے متاثر ہو رہا ہے۔ دوسری طرف بیشتر صورتوں میں تشدد کا سامنا کرنے والی خواتین اور لڑکیوں کو تعلیم ' یا اپنے کیریئر کو ترک کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اس طرح کے حالات ان کے لیے غربت اور انحصار کو دائمی بنا دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں سماج کا ایک بڑا حصّہ ناکارہ اور مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ سماجی سطح پر غربت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے جڑے کئی مسائل انسانی زندگی کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ صنفی بنیاد پر تشدد سے متاثرہ افراد کو انصاف نہ ملنے یا سرکاری اداروں سے تعاون یا امداد نہ ملنے کی صورت میں وہ افراد اضطراب کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس مسئلے کو حل کرنے کے

لیے کارروائی نہ ہونے کی صورت میں مزید مایوسی وناامیدی میں گھر جاتے ہیں۔انھیں ہر وقت عدم استحکام کا احساس ہونے لگتا ہے۔اس طرح انفرادی طور پر پیدا ہوا مسئلہ سماجی مسئلہ بن جاتا ہے کیونکہ قومی ترقی میں ان کی پیداواری صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور وہ اپنی حصّہ داری کو پورا نہیں کر پاتے۔لہٰذا،ایسے ممالک جہاں کے سماج کا بڑا طبقہ صنفی بنیاد پر ہونے والے تشدد میں گھرا ہوا ہے اس سماج کی مجموعی ترقی ہر طرح سے متاثر ہوتی ہے۔

7.5.4 صنفی تشدد کے خواتین کی صحت پر اثرات(Impact of GBV on Women's Health)

جیسا کہ آپ نے پچھلے صفحات پر پڑھا کہ صنفی بنیاد پر تشدد سے خواتین زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔صنف پر مبنی تشدد ان کی صحت پر کس قدر منفی اثرات مرتب کرتا ہوگا۔اسے ہمیں جاننے کی ضرورت ہے۔

(World Health Organization(WHO)) کی رپورٹ کے مطابق،خواتین کے خلاف تشدد خاص طور پر گھریلو تشدد اور جنسی تشدد صحت عامہ کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔یہ خواتین کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے جو راست طور پر ان کی صحتی زندگی سے جڑی ہے۔ڈبلیو۔ایچ۔او،کے شائع کردہ تخمینے بتاتے ہیں کہ عالمی سطح پر دنیا بھر میں تقریباً 3 میں سے 1 (30%) خواتین کو ان کی زندگی میں جسمانی/جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔اس تشدد میں زیادہ تر شوہر کی جانب سے کیا جانے والا تشدد عام ہے۔دنیا بھر میں، 15-49 سال کی عمر کی خواتین میں سے تقریباً ایک تہائی خواتین جو شادی کے رشتے میں رہی ہیں، وہ بتاتی ہیں کہ انہیں اپنے قریبی ساتھی کی طرف سے کسی نہ کسی قسم کے جسمانی، جنسی یا ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔تشدد خواتین کی جسمانی، ذہنی، جنسی، اور تولیدی صحت کو منفی طور پر متاثر کرتا ہے۔متاثرہ خواتین بیشتر صورتوں میں کمزور اور ناتواں بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ایسے بچے ذہنی اور نفسیاتی طور پر بھی کمزور ہوتے ہیں۔ایسے بچوں کی پرورش ایک بڑا چیلنج ہوتی ہے۔دنیا بھر میں سینکڑوں خواتین ان مسائل سے گذرتی ہیں۔ایسے کمزور بچے قومی ترقی میں کم ہی حصہ دار بن پاتے ہیں۔جسمانی تشدد سے متاثر خواتین کبھی معمولی چوٹیں سہتی ہیں لیکن بیشتر صورتوں میں شدید چوٹیں جو ان کی موت یا مستقل معذوری کا باعث بھی بنتی ہیں۔غیر ارادی حمل یا حمل کے منفی نتائج، جنسی طور پر منتقل انفیکشن، پیشاب کی نالی کے انفیکشن، ایڈز وغیرہ، جیسی موزی بیماریاں بھی تشدد کے نتائج ہیں، جبکہ نفسیاتی نتائج میں بے چینی، گھبراہٹ، نیند اور ارتکاز میں دشواری، بھوک کی کمی، غصہ اور چڑچڑاپن شامل ہیں۔خواتین میں ڈپریشن خود کو نقصان پہنچانے اور خودکشی کے خیالات کو فروغ دیتا ہے۔یہ تمام حالات خواتین کی صحت پر دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں۔

7.5.5 صنفی بنیاد پر تشدد کے بچوں پر اثرات(Impact of GBV on Children)

ایسے خاندان جہاں عورت پر تشدد یا گھریلو تشدد عام ہے' ان گھرانوں میں پرورش پانے والے بچے بھی تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔ بیشتر صورتوں میں ماں کے ساتھ ساتھ انھیں بھی اذیتیں دی جاتی ہیں یا وہ تشدد کو دیکھ کر ہمیشہ نفسیاتی طور پر متاثر رہتے ہیں۔ ماں باپ میں علیحدگی بھی ان کی نفسیات پر اثر کرتی ہے۔ وہ بچے جو گھر میں اکثر تشدد کا مشاہدہ کرتے ہیں یا ان کا تجربہ کرتے ہیں ان میں غصّہ اور بدلہ لینے کے رویے جیسے صفات پیدا ہوتی ہیں جو آگے چل کر مسائل پیدا کرتی ہیں۔ ان میں اضطراب، بے چینی اور ڈپریشن کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ خوف و ناامیدی ان کی شخصیت کا حصّہ بن جاتی ہے۔ ان کی توجہ ہمیشہ متزلزل رہتی ہے۔ وہ خود اعتمادی سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ چونکہ بچے تشدد کا قریب سے مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ تاثر قائم کر لیتے ہیں کہ گھر یا سماج میں ایسا سلوک جائز ہے اور عام ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ''پر تشدد اصولوں'' کو اپنی شخصیت میں ضم کر لیتے ہیں۔ بڑے ہونے پر اس سلسلے کو گھر اور سماج میں جاری رکھتے ہیں۔ تشدد بھرے ماحول میں وہ پرورش پاتے ہیں تو ان کی خود ترقی اور معاشرے میں کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے۔ مجموعی طور پر تشدد کے ان پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس طرح سے صنفی بنیاد پر تشدد صرف ایک عورت کو متاثر نہیں کرتا بلکہ وہ آگے آنے والی نسل تک سرائیت کر جاتا ہے۔ بیشتر صورتوں میں صنفی بنیاد پر تشدد خاندان کے دیگر افراد، رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔

7.5.6 صنفی بنیاد پر تشدد اور معیشت(GBV and Economy)

صنفی بنیاد پر تشدد کو بیشتر افراد' ان کی ذاتی زندگی کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ جن رشتوں کے ساتھ وہ زندگی بسر کرتے ہیں ان پر ظلم و جبر کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ انھیں اپنے رویوں کے نقصانات کا بالکل بھی اندازہ نہیں رہتا۔ صنفی بنیاد پر کیا جانے والا تشدد نجی نہیں ہے بلکہ سماجی ہے۔ تشدد کے نتیجے میں صرف ایک فرد متاثر نہیں ہوتا ہے بلکہ ان سے جڑے افراد، خاندان، معاشرہ، معیشت اور فلاح و بہبود کے ادارے سب متاثر ہوتے ہیں۔۔صنف پر مبنی تشدد کے اہم معاشی اخراجات ہوتے ہیں، بشمول صحت کی دیکھ بھال کی لاگت، پیداواری صلاحیت میں کمی، اور معاشی شراکت میں کمی وغیرہ اقتصادی مسائل کے اہم پہلو ہیں۔ تشدد کے نتیجے میں متاثرین کے وسائل یا روزگار کا نقصان ہوتا ہے۔ تشدد ان کی پیداواری صلاحیت کو منفی طور پر متاثر کرتا ہے۔ خواتین جو صنفی بنیاد پر تشدد کا شکار ہوتی ہیں وہ گھر میں نہیں رہ سکتیں۔ بیشتر صورتوں میں انھیں کوئی مناسب ٹھکانہ یا مدد نہیں ملتی اور وہ بے گھر ہو جاتی ہیں۔ الگ سے گھر لینا اور علیحدہ زندگی جوڑنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ انھیں وراثت بھی نہیں ملتی اور سسرال سے بھی کوئی مدد نہیں کی جاتی۔ جس کے نتیجے میں وہ اخراجات پورے نہیں کر پاتیں اور مقروض ہوتی ہیں اور غربت کا شکار ہوتی جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ ملک کی معیشت پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے پناہ گاہ کی خدمات فراہم کرنے کی بھی ضرورت

ہوتی ہے۔ لہذا شیلٹر ہومس بنائے جارہے ہیں۔ایسی پناہ گاہوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو معاشرے کے لیے تشویشناک ہے۔ صنفی تشدد یا کسی بھی طرح کے تشدد کے خاتمہ یاان کے متاثرین کی بازآبادکاری کے لیے مختلف خدمات اور شعبوں کی شمولیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے کہ مختلف سرکاری شعبے جات، طبّی مدد کے لیے ہسپتال، نفسیاتی کونسلنگ کے ادارے، پولیس کاانتظام، عدالتیں، تشدد کی روک تھام کے لیے کام کرنے والے غیر سرکاری ادارے اور شیلٹر ہومس' وغیرہ کی شمولیت لازم ہوتی ہے۔ان شعبے جات کے تحت ہونے والے اخراجات ملک کی معیشت پراثرانداز ہوتے ہیں اور ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔

7.6 ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کا منظر نامہ(GBV Scenario in India)

ہندوستان ایک قدیم، کثیر آبادی اور تہذیبی اعتبار سے متنوع ملک ہے۔ہندوستان کا مرد اساس سماج اپنی مختلف روایتوں کے ساتھ پیچیدہ بھی ہے۔اس پیچیدہ سماج میں صنفی بنیاد پر تشدد کی نوعتیں بھی بے شمار اور متنوع ہیں' جن کے اثرات سے ہندوستان کی آبادی کا ایک بڑا حصّہ متاثر ہے۔ ہندوستان میں انسانی حقوق کی پامالی کے تناظر میں صنفی تشدد کی صورت حال کو جاننا نہایت اہم ہے۔ کیونکہ صنفی بنیاد پر تشدد ایک اہم سماجی مسئلہ ہے' جس کی گہری تاریخی جڑیں ہیں۔ پدرانہ نظام کے اصولوں اور روایتوں سے صنفی بنیاد پر امتیازات اور تشدد کا گہرا رشتہ بنتا ہے۔ صنفی تشدد کا طرزِ عمل ہندوستان کے بیشتر معاشروں میں گہرائی تک سرایت کر چکا ہے۔

ہندوستان میں صدیوں کے دوراں صنفی تصورات اور نظریات نے کئی روپ بدلے اور عورت و مرد کے درمیاں امتیازات اور عدم مساوات کو سینکڑوں شکلیں عطا کیں۔ کبھی انھیں مذہبی متون اور ان کی تشریحات کے نام پر متعارف کروایا گیا تو کبھی تہذیبی روایتوں اور رسومات ورواجوں کے ذریعے سماج کی ذہن سازی کی جاتی رہی۔ کم عمری کی شادی، بیوگی کا نظام، کثیر زوجگی کا نظام، جہیز کی رسم، جوہر کی رسم، ستی کی رسم، دیوداسی نظام، لڑکیوں کا قتل، لڑکیوں کی فروخت، سخت پردہ کا نظام (لڑکیوں اور خواتین کی گھر کے پچھلے حصّہ یعنی زنان خانہ میں رہائش اور سماج میں نقل و حرکت سے بالکل ممانعت)، گھریلو تشدد، غیرت کے نام پر لڑکی کا قتل، عصمت دری، خواتین کی ناخواندگی، کم آگہی، وراثت میں عدم حصّہ داری' عورت کی محکوم و پسماندہ حیثیت وغیرہ' پدرانہ نظام کے غلبے اور صنفی بنیاد پر تشدد کی ہی مثالیں ہیں' جو ہندوستانی سماج میں صدیوں سے رائج ہیں۔ عصرِ حاضر میں ان کی نوعیت کسی قدر بدلی ہے لیکن پدرانہ سوچ اور صنفی تصورات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ہے۔اس حقیقت کو جاننے کے لیے نیشنل کرائم ریکارڈس بیورو(National Crime Records Bureau)، نیشنل کمیشن فار ویمن (National Commission for Women)، اسٹیٹ کمیشن فار ویمن (State Commission for Women)، مین اینڈ ویمن ان انڈیا(Men and Women in India)، نیشنل فیملی ہیلت

سروے رپورٹس(National Family Health Survey Reports)کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ رپورٹس ہر برس شائع ہوتی ہیں اور ان کی ویبسائٹس پر دستیاب ہیں۔ ان رپورٹس کے علاوہ مختلف اداروں کے تحت بھی مسلسل اس موضوع پر تحقیقات ہوتی ہیں۔ ان کی مطبوعات کے جائزے سے ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کی واضح تصویر سامنے آجاتی ہے۔ تعلیم، سائنس وٹکنالوجی کی ترقی اور معیشت میں خاطر خواہ بہتری کے باوجود ہندوستان عالمی سطح پر دیگر ممالک کے مقابلے میں اپنا مقام بہتر نہیں بنا پا رہا ہے۔ Global Gender Gap Report-2024 میں 146 ممالک کی درجہ بندی کی گئی جس میں ہندوستان کا مقام 129 واں ہے۔ اس کی بنیادی وجوہات میں صنفی عدم مساوات اور صنفی بنیاد پر تشدد کے اعداد وشمار ہیں جن میں کمی کے بجائے اضافہ ہو رہا ہے۔ پچھلے برس ہندوستان کا رینک 123 پر تھا لیکن ایک برس میں اور بھی گرتا چلا گیا۔ یہ بڑی تشویشناک صورتِ حال ہے۔ تمام تر اقدامات کے باوجود زندگی کے تمام شعبوں میں موجود صنفی فرق کو کم کرنے اور تمام افراد کی صلاحیتوں کو استعمال میں لا کر شمولیت کو بڑھانے سے ہندوستان قاصر نظر آتا ہے' تاوقتیکہ صنفی عدم مساوات اور صنفی بنیاد پر تشدد کی روایتوں کو ختم کرنے میں قوانین کے سخت نفاذ کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ اور باشعور افراد حصّہ نہ لیں اور اپنے اپنے گھروں وخاندان وسماج سے اسے دور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ وسیع اور مختلف النوع قانونی فریم ورک اور سماجی تحریکوں کے باوجود صنفی بنیاد پر تشدد اب بھی ہندوستانی سماج میں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ موجود ہے' جو صنفی مساوات کے حصول کے لیے اہم چیلنج بنا ہوا ہے۔

جیسا کہ پچھلے صفحات پر بتایا گیا کہ ہندوستان میں صنفی مساوات کو آئین میں شامل کیا گیا ہے اور خاص کر خواتین کے تحفظ کے لیے کئی اہم قوانین بنائے گئے ہیں۔ لیکن تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جیسے عصمت دری کے متعلق سزا کا قانون ہونے کے باوجود 2012 میں اجتماعی عصمت دری کا گھناؤنا جرم (نربھیا کیس) ہوا۔ جس سے بہت سے افراد واقف ہیں۔ دہلی شہر میں ہوئے اس کیس نے ملک گیر احتجاج اور مزید سخت قوانین کے مطالبات کو جنم دیا۔ اس کے نتیجے میں فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ، 2013، جس میں جنسی جرائم کے لیے سخت سزائیں متعارف کروائی گئیں۔ لیکن اس قانون کے نفاذ سے لے کر تاحال عصمت دری کے کئی اور کیسس سامنے آئے ہیں۔ اسی طرح صنفی بنیاد پر تشدد سے نمٹنے کے لیے بنائے گئے قوانین میں گھریلو تشدد سے خواتین کا تحفظ ایکٹ، 2005 بے حد اہم قدم قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ قانون خواتین کو گھریلو تشدد سے بچانے اور ان کے حقوق کو یقینی بنانے کے لیے ایک فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ تاہم سماجی رویوں اور بیداری کی کمی کی وجہ سے اس قانون کا عمل درآمد ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ اسی لیے روزانہ گھریلو تشدد کے سینکڑوں واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں رجسٹرڈ کیسس سے زیادہ ان رجسٹرڈ کیسس کی تعداد ہوتی ہے۔ یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ جرائم سے تحفظ کے لیے قانون تو بنائے جاتے ہیں لیکن جب تک انسانی رویوں میں فرق نہ آئے اور ان کا غیر انسانی ردّ عمل ختم نہ ہو ہمارے ملک سے' اس طرح کے صنفی تشدد کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ آگے کی سطور میں صنفی بنیاد پر تشدد کے کچھ اعداد وشمار پر نظر ڈالتے ہیں' تاکہ حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو رپورٹ 2022 کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ صنفی بنیاد پر خواتین کے خلاف جرائم میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ سنہ 2020 میں خواتین کے خلاف جرائم کے جملہ کیسس کی تعداد 371,503 تھی جبکہ سنہ 2022 میں بڑھ کر 445,256 کیسس تک پہنچ گئی ہے۔ پچھلے دس برسوں میں، این سی آر بی کی رپورٹس میں خواتین کے خلاف جرائم کے زمرے میں شوہر اور اس کے رشتہ داروں کے ذریعہ ظلم یعنی "گھریلو تشدد" کو مسلسل نمایاں کیا گیا ہے۔ مذکورہ سالانہ رپورٹ میں خواتین کے خلاف جرائم میں 4 فیصد اضافے پر سخت تشویش ظاہر کی گئی ہے۔ گھر کے اندر جسمانی، جذباتی، اور جنسی استحصال ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کی ایک عام شکل ہے۔ نیشنل فیملی ہیلتھ سروے رپورٹ کے مطابق، ہندوستان میں 27 فیصد شادی شدہ خواتین اپنے شوہروں کے ہاتھوں جسمانی یا جنسی تشدد کا سامنا کرتی ہیں۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ خواتین کے خلاف جرم یا مظالم کے اصل واقعات اس سے کہیں زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں جو سرکاری ریکارڈ میں شامل نہیں ہوتے۔ گھریلو تشدد کے واقعات کو کم رپورٹ کرنے کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے سماج میں گھریلو سطح پر شوہر بیوی یا سسرال کے افراد کے ساتھ جسمانی یا جذباتی و ذہنی تشدد کے معاملات کو نجی اور اندرونی قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ ذہن نشین کروا دیا جاتا ہے کہ ان پر گفتگو نہ کی جائے اور اگر ضرورت ہو تو یہ معاملات خاندان کی حدود میں ہی حل کیے جائیں۔ زیادہ تر معاملات کو یہ کہتے ہوئے کہ 'یہ نجی اور گھر کا معاملہ ہے" خاموشی سے چھپا دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے معاشرتی اصول اکثر خواتین پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ ہراسانی اور تشدد کی کسی بھی قسم کے بارے میں بالکل خاموش رہیں بلکہ گھریلو تنازعات کو نجی معاملات کے طور پر دیکھیں اور خاندانی وقار اور عزت کا خیال رکھیں۔ کبھی بھی انہیں عوام یا قانونی حکام کے سامنے نہ لائیں۔ ان عدم مساویانہ معاشرتی اصولوں اور اذیتوں کے نتیجے میں خواتین کی حیثیت بے انتہا متاثر ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہ اپنی جان بھی کھو بیٹھتی ہیں۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ خواتین کے خلاف ہونے والے جرائم کی بڑی شرح گھریلو تشدد بشمول شوہر کی جانب سے کیے جانے والے تشدد کے واقعات پر مبنی ہے۔ اس ضمن میں 31.4 فیصد کیسس نوٹ کیے گئے۔ اغوا کے 19.2 فیصد اور 18.7 فیصد عورت کی توہین اور استحصال کے کیسس تھے۔ گھریلو تشدد کے واقعات میں جسمانی، ذہنی، جذباتی اور جنسی تشدد شامل ہے۔ جسے Protection of Women from Domestic Violence Act, 2005 کے تحت جرم قرار دیا گیا ہے۔

عصمت دری ہندوستان میں سب سے عام جرائم میں سے ایک بن گئی ہے۔ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو (این سی آر بی) کی 2021 کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں عصمت دری کے 31,677 مقدمات درج ہوئے ہیں۔ اوسطاً روزانہ 86 کیسز زنا بالجبر کے ریکارڈ ہوتے ہیں۔ 2020 میں عصمت دری کے کیسس 28,046 تھے جبکہ 2019 میں 32,033 کیسز درج کیے گئے تھے۔ رپورٹ بتاتی ہے کہ عصمت دری کے کل 31,677 واقعات میں سے 28,147 (تقریباً 89 فیصد) متاثرہ خاتون کے جاننے والے افراد کے ذریعے کیے

گئے۔اگرچہ کہ عصمت دری کے کیسس میں کچھ کمی آئی ہے۔2022میں ایک لاکھ خواتین کی آبادی کی بنیاد پر66.4فیصد کیسس نوٹ کیے گئے جبکہ 2021میں عصمت دری کے واقعات 64.5فیصد تھے۔

مذکورہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس برس زیادہ تر مقدمات جوان لڑکیوں کے اغوا، عصمت دری، گھریلو تشدد اور جہیز کی وجہ سے ہونے والی اموات اور حملوں کے ریکارڈ کیے گئے۔ان کے علاوہ 107خواتین پر تیزاب سے حملہ کیا گیا،1,580خواتین کو اسمگل کیا گیا،15 لڑکیوں کو فروخت کیا گیا اور 2,668خواتین سائبر کرائمز کا شکار ہوئیں۔ جملہ 56,000 سے زیادہ واقعات کے ساتھ، شمالی ریاست اتر پردیش، جو240ملین آبادی کے ساتھ بھارت کی سب سے زیادہ آبادی والی ریاست ہے،ایک بار پھر خواتین کے خلاف جرائم کی فہرست میں سر فہرست رہی۔ہندوستانی سطح پر عصمت دری کے 31,878واقعات ریکارڈ کیے گئے۔خواتین کے خلاف سائبر کرائم میں بھی نمایاں اضافہ دیکھا گیا ہے۔اس طرح کے کیسز میں24.4فیصد اضافہ ہوا۔

نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو (این سی آر بی) کے اعداد و شمار کے مطابق، پورے ملک میں سال 2021میں جہیز کی وجہ سے ہونے والی 6,589اموات ریکارڈ کی گئیں، جو کہ 2020 کے مقابلے میں 3.85فیصد کم ہے، جس میں ریاست اتر پردیش سے جہیز کی وجہ سے ہونے والی اموات کی سب سے زیادہ تعداد (2,222جہیز اموات)اور ریاست ہریانہ کی ہے۔2022میں جملہ 13,479 کیسس جہیز قانون کے تحت رجسٹر ہوئے جن میں 6,450 خواتین کی اموات ہوئیں۔اتر پردیش میں جہیز کے لیے سب سے زیادہ تشدد ریکارڈ کیا گیا۔وہاں جملہ 2218 خواتین کی موت ہوئی جبکہ بہار میں 1057خواتین جہیز کی رسم کی عدم تکمیل میں موت کے گھاٹ اتاری گئیں۔ہندوستان میں غیرت کے نام پر قتل ہونے والے سب سے نمایاں علاقے شمالی ریاستیں ہیں۔ خاص طور پر ہریانہ، بہار، اتر پردیش، راجستھان، جھارکھنڈ، ہماچل پردیش اور مدھیہ پردیش ایسی ریاستیں ہیں جہاں غیرت کے نام پر قتل کا رواج بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔۔غیرت کے نام پر قتل بہت پر تشدد ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کی ایک اہم مثال مادہ جنین کشی سے لی جاتی ہے۔مرد بچوں کو ترجیح دینے کی وجہ سے بعض خاندانوں میں خاتون حمل ختم کرانا یا وقت سے پہلے خاتون بچے کو ختم کر دینا عام ہے۔PCPNDT Actاسی تشدد کے خلاف بنایا گیا۔ہر برس گرتا ہوا جنسی تناسب مادہ جنین کشی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ہندوستان کے پدرانہ نظام میں بڑھاپے میں خاندان کے لیے تحفظ فراہم کرنے اور فوت شدہ والدین اور آباؤاجداد کی رسومات ادا کرنے کے لیے بیٹا پیدا کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔اس کے برعکس بیٹیوں کو سماجی اور معاشی بوجھ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔مرد بچوں کی ترجیح مادہ جنین اور شیر خوار بچیوں کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔2011 کی مردم شماری کے مطابق بھارت میں بچوں کی جنس کا تناسب 919لڑکیاں فی1,000لڑکوں پر تھا۔گذرے برسوں میں کیے گئے سخت اقدامات کی بنا پر جنسی تناسب میں فرق

آیا ہے۔مادہ جنین کشی کے واقعات کچھ کم ہونے لگے ہیں۔ہندوستان میں ایک اور تشدد کی قسم میں اضافہ دیکھا جارہا ہے وہ ہے اسمگلنگ اور جسم فروشی کے لیے جوان خواتین اور لڑکیوں کا اغوااور انھیں جبری جسم فروشی پر مجبور کرنا نیز انھیں مختلف شہروں یا کسی دوسرے ممالک میں فروخت کیا جاتا ہے۔گذرے برسوں میں لڑکیوں پر تیزابی حملوں میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔2022 کی رپورٹ میں 202 کیسس دیکھے گئے۔اکثر یہ حملے محبت میں ناکامی کا بدلہ لینے یا خاندان میں افراد کے ذریعہ بھی کیے جاتے ہیں۔یہ حملے خواتین کو جسماجی اور نفسیاتی طور پر مفلوج کردیتے ہیں۔

ہندوستان میں بچپن کی شادی ایک اہم مسئلہ ہے۔اس کو روکنے کے لیے قانون کے ساتھ ساتھ دیگر کوششیں کی گئیں لیکن آج بھی کئی لڑکیوں کی شادی 18 سال کی عمر سے پہلے کردی جاتی ہے۔NFHS Report-5 کے مطابق 23.3% فیصد لڑکیوں کی شادی اٹھارہ برس کی عمر سے پہلے کردی گئی۔رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ آندھرا پردیش، تلنگانہ،آسام،بہار، جھارکھنڈ،راجھستان، تریپورا اور مغربی بنگال ایسی ریاستیں ہیں جہاں کم عمری کی شادی کا تناسب قومی شرح سے زیادہ ہے۔کم عمری کی شادی سے ان کی تعلیم وتربیت مکمل نہیں ہوپاتی۔ایسی لڑکیاں تولیدی صحت کے اعتبار سے بھی کمزور ہوتی ہیں۔انھیں حمل کے دوران اور بچے کی پیدائش کے وقت بڑے مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔اکثر صورتوں میں کمزور بچوں کی پیدائش یا ماں کا انتقال بھی ہوجاتا ہے۔

ٹیکنالوجی کے بڑھتے ہوئے استعمال کے ساتھ، سائبر تشدد، بشمول آن لائن ہراساں کرنا، تعاقب کرنا،اور بدسلوکی کے کیسس کی بڑھتی تعداد ہندوستان میں تشویش کا باعث بنتی جارہی ہے۔NCRB Report-2022 میں سائبر کرائم میں گذرے برسوں کے مقابلے میں 24.5 فیصد کا اضافہ ہوا۔ہندوستان میں خواتین کو کام کی جگہ پر اکثر جنسی ہراسانی اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔دفاتر یا ملازمت کی جگہ پر جنسی ہراسانی عام ہے۔ Sexual Harassment of Women at Workplace (Prevention, Prohibition and Redressal) Act, 2013 کے تحت قانونی پناہ موجود ہے۔مگر خواتین خوف یا ملازمت کے استحکام کی وجہ سے رپورٹ کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔علاوہ ازیں غیر مساوی تنخواہ اور ملازمت کے محدود مواقع بھی صنفی تشدد کی ہی مثال ہیں۔کام کی جگہ پر جنسی ہراسانی کے ہر برس تقریباً پانچ سو سے زائد کیسس درج کیے جاتے ہیں۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیکڑوں خواتین ملازمت کے کھونے کے خوف سے تشدد اور ہراسانی کو برداشت کرتی رہتی ہیں اور شکایت درج نہیں کرواتی ہیں۔ہندوستان میں ذات پات کا نظام صدیوں سے جاری ہے۔اعلیٰ ذات کے طبقات کا نچلی ذات کے افراد پر تشدد تاریخی طور پر ہندوستانی ثقافت کا حصّہ ہے۔خاص کر نچلی ذاتوں اور پسماندہ برادریوں کی خواتین اور معذور خواتین کے ساتھ مختلف طرز کا تشدد ہندوستان کا ایک اہم مسئلہ ہے۔اس طرح کے تشدد سے خواتین غیر متناسب طور پر متاثر ہوتی ہیں اور اپنے وجود سے بے پرواہ ہوجاتی ہیں۔

اہم نکات:

- نیشنل فیملی ہیلتھ سروے رپورٹ (NFHS-5,2019-21) کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ گزشتہ برسوں میں خواتین کے خلاف جرائم میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل قابل توجہ رجحانات ہیں۔
- گھریلو تشدد میں سنہ 2018 سے 2023 تک 12 فیصد اضافہ ہوا ہے۔
- سائبر کرائم میں 45 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا، جو کہ کے بڑھتے ہوئے غلط استعمال کی عکاسی کرتا ہے۔
- سخت قانونی اصلاحات کے باوجود، عصمت دری، لڑکیوں کا اغوا، جنسی استحصال، کام کی جگہ پر تشدد کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ 18 سے 49 سال کی عمر کے درمیان 30 فیصد خواتین کو 15 سال کی عمر سے جسمانی تشدد کا سامنا کرنا پڑا ہے، جبکہ 6 فیصد نے اپنی زندگی میں جنسی تشدد کا سامنا کیا ہے۔
- صرف 14 فیصد خواتین ایسی ہیں جنہوں نے کسی کے ذریعہ جسمانی یا جنسی تشدد کا سامنا کیا، اور اس نے تشدد کے خلاف اس مسئلے کو اٹھایا ہے۔ 32 فیصد شادی شدہ خواتین (18-49 سال) نے جسمانی، جنسی یا جذباتی زوجین کے تشدد کا تجربہ کیا ہے۔ میاں بیوی کے تشدد کی سب سے عام قسم جسمانی تشدد (28 فیصد) ہے، اس کے بعد جذباتی تشدد اور جنسی تشدد۔
- اسکول کی تعلیم مکمل کرنے والی 18 فیصد خواتین کے مقابلے میں 40% خواتین جو ناخواندہ ہیں جسمانی تشدد کا نشانہ بنی ہیں۔ خواتین کے خلاف جسمانی تشدد کے 80 فیصد سے زیادہ واقعات میں قصوروار شوہر ہوتا ہے۔

ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کی وجوہات

- مردانہ برتری یا پدرشاہی نظام کا سماجی ڈھانچہ اور اس سے جڑی ثقافتی توقعات
- عورتوں میں تعلیم کی کمی اور دستوری و شرعی حقوق سے کم واقفیت
- قانون نافذ کرنے میں کمزوری اور سماجی سطح پر پیچیدگیاں
- خواتین کا مردوں پر مکمل معاشی انحصار
- ہندوستان میں جہیز اور لین دین کا نظام
- تعلیم کا فروغ اور صنفی مسائل پر سماج کی شعور بیداری اور ذہن سازی کے ذریعے صنفی بنیاد پر تشدد کا خاتمہ ممکن ہے

7.7 اکتسابی نتائج(Learning Outcome)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو گئے کہ

1۔ تشدد کی تعریف کے ساتھ صنفی بنیاد پر مبنی تشدد کو وضاحت سے سمجھ پائے۔ صنفی بنیاد پر مبنی تشدد سے مراد کسی فرد یا گروہ پر ان کی جنس کی شناخت کے بنیاد پر کی جانے والی نقصان دہ کارروائیاں، امتیازی سلوک، جبر اور جنسی استحصال اور مار پیٹ یا قتل ہے۔ صنفی تشدد کی جڑیں صنفی عدم مساوات اور پدرانہ نظریات اور اصولوں میں پیوست ہیں، جو غیر متناسب طور پر خواتین اور صنفی متنوع افراد کو متاثر کرتی ہیں۔

2۔ آپ نے یہ بھی سمجھا کہ صنفی بنیاد پر تشدد کا اثر فوری طور پر متاثرہ شخص پر ہوتا ہے لیکن یہ بڑے پیمانے پر دیرپا اثر چھوڑتا ہے اور خاندان کے بیشتر افراد بالخصوص بچوں کے علاوہ پورے معاشرے کو شدید طور پر متاثر کرتا ہے' اسی لیے صنفی بنیاد پر تشدد کو سماجی مسئلہ کے وسیع تناظر میں دیکھنا ناگزیر ہے۔

3۔ ہندوستان میں شائع ہونے والی رپورٹس کے اعداد وشمار سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ صنفی بنیاد پر تشدد میں ہر برس اضافہ ہو رہا ہے۔ اگرچہ کہ ہندوستان میں قانونی اصلاحات کے ذریعے صنفی تشدد سے نمٹنے میں پیش رفت کی جارہی ہے' لیکن اس کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے ہیں۔ تعلیم کے حصول اور صنفی مسائل نیز حقوق و قوانین سے تمام افراد کی آگہی کے ذریعے صنفی تشدد کا خاتمہ ممکن ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے خلاف جدوجہد صرف ایک وقتیہ اور ہماری اخلاقی ضرورت ہی نہیں ہے' بلکہ سب کے لیے انسانی حقوق پر مبنی ایک زیادہ منصفانہ، مساوی، اور خوشحال معاشرے کی تشکیل کی جانب ضروری قدم ہے۔

4۔ ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کے خاتمے کے لیے سماجی، ثقافتی، اور اقتصادی ڈھانچے کی بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یہ تغیر سماجی تقاضے، امتیازی رویّے اور خاندانی اصولوں میں تبدیلی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ہندوستان ایک ایسی تبدیلی کا متقاضی ہے جہاں تمام طبقات کی خواتین اور لڑکیوں کے لیے انسانی حقوق، مساوی شہری، عزت واحترام اور باوقار زندگی کے لیے مساوی مواقع کے حقدار کے طور پر تسلیم کیا جائے۔

7.8 فرہنگ(Glossary)

- غیرت کے نام پر قتل(Honor Killing): خاندان کی "عزت" کے نام پر کسی کو مار دینا، عموماً خواتین کو۔
- آن لائن ہراسانی(Cyber Harassment): انٹرنیٹ یا سوشل میڈیا کے ذریعے دھمکانا یا پریشان کرنا۔
- تعاقب کرنا(Stalking): بار بار کسی کا پیچھا کرنا یا اُس کو دیکھ کر خوف زدہ کرنا۔

- جبر یا زبردستی(Coercion): کسی کو دباؤ ڈال کر یا ڈرا کر کوئی عمل کروانا۔
- Femicideخواتین کا قتل(بطور صنف): خواتین کو صرف عورت ہونے کی بنیاد پر قتل کرنا۔
- متاثرہ کو الزام دینا(Victim Blaming): مظلوم کو ہی ذمہ دار ٹھہرانا جیسے "اس نے کپڑے ایسے پہنے تھے"۔
- محفوظ شکایت کا نظام(Safe Reporting Mechanism): ایسا نظام جس میں متاثرہ فرد بغیر خوف کے شکایت درج کر سکے۔
- نفسیاتی تشدد(Psychological Abuse): مسلسل برا بھلا کہنا، خود اعتمادی ختم کرنا یا ذہنی دباؤ دینا۔
- مالی استحصال(Economic Abuse): کسی کو مالی طور پر کمزور رکھنا یا اس کی کمائی پر قبضہ کرنا۔
- ادارہ جاتی امتیاز(Institutional Discrimination): اداروں میں خواتین یا کمزور طبقات کے ساتھ منظم نابرابری
- قریبی ساتھی کی طرف سے تشدد(Intimate Partner Violence): دوست، شوہر یا بیوی کی طرف سے جسمانی، ذہنی یا جنسی تشدد۔
- ہیلپ لائن یا فوری مدد کی سہولت: ایسی ٹیلیفون سروس جہاں متاثرہ افراد فوری رابطہ کر سکیں۔
- جنسی استحصال(Sexual Exploitation): کسی کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر جنسی فائدہ حاصل کرنا۔
- باہمی ربط(Intersectionality): جب کوئی فرد ایک سے زیادہ شناخت (جیسے: عورت، غریب، اقلیت) کی بنیاد پر ظلم کا شکار ہو۔
- پناہ گاہ(Shelter Home): وہ جگہ جہاں تشدد سے متاثرہ افراد کو عارضی طور پر محفوظ رہائش فراہم کی جاتی ہے۔
- مشاورت(Counseling): تربیت یافتہ فرد کی مدد سے ذہنی و جذباتی مسائل پر بات کرنا اور ان کا حل نکالنا۔
- ظلم کرنے والا(Perpetrator): وہ شخص جو تشدد یا زیادتی کا مرتکب ہو۔
- ازالے کا نظام/شکایت کا حل(Redressal Mechanism): ایسا نظام جس کے ذریعے متاثرہ افراد کو انصاف دلایا جائے۔

7.9 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Questions)

1۔ CEDAWکا مطلب کیا ہے؟

a) Convention on Eliminating Domestic Abuse

b) Convention on Elimination of All Forms of Discrimination Against Women

c) Council for Effective Awareness of Women

d) Convention on Education for Women's Advancement

2۔ صنفی بنیاد پر تشدد' کے سبب کون سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

a) خوف وہراس کا ماحول b) ذہنی صحت متاثر ہوتی ہے c) اقتصادی طور پر کمزوری d) یہ تمام

3۔ کس برس کی 'Gender Gap Report' کی ایک سو چھیالیس ممالک کی درجہ بندی میں ہندوستان کو 129واں مقام حاصل ہوا۔

a) 2021 b) 2022 c) 2023 d) 2024

4۔ تشدد کی کونسی قسم صنفی بنیاد کے تشدد میں نہیں رکھی جاسکتی

a) گھریلو تشدد b) ڈکیتی c) جنین کشی d) کام کی جگہ پر ہراسانی

5۔ صنفی بنیاد پر تشدد کی بنیادی وجہ

a) خواتین میں تعلیم کی کمی b) خواتین کی غربت

c) پدرانہ نظام d) خواتین کی قوانین سے کم واقفیت

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ تشدد سے کیا مراد ہے

2۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے متعلق یو این ویمن' کی جانب سے کیا وضاحت کی گئی ہے۔

3۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے خاتمہ میں تعلیم کے رول پر مختصر نوٹ لکھیے

4۔ گھریلو تشدد سے کیا مراد ہے

5۔ معاشرے کی ترقی میں صنفی تشدد کس طرح سے رکاوٹ بنتا ہے لکھیے

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ صنفی بنیاد پر تشدد کی مختلف اقسام پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

2۔ صنفی تشدد کے سماجی وانفرادی نتائج پر تفصیلی روشنی ڈالیں۔

3۔ ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کے منظر نامہ کا احاطہ کیجیے

7.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Books for Further Reading)

1۔ Bansal, D. K. (2006). Gender Violence. New Delhi: Mahaveer and Sons.

2. Parihar, L. D. (2011). Women and Law: From Impoverishment to Empowerment. Eastern Book Company, India.
3. Khan, N. P. (2016). Women and the Law. Universal Law Publishing Co.Pune.
4. Sen.Rukmini(2014) Ed "Disrupted Boundaries: A Feminist Reading of Women's Narratives on Violence",Oxford University Press
5. Rao,Anupama(2012)"Gender and Violence in Historical and Contemporary Perspectives"Publisher: Zubaan Books
6. Das,Veena.(1990)Women and Violence,Publisher: Kali for Women
Reports:
7. "Violence Against Women in India" – UN Women & NCW (2014)
8. "Masculinity, Intimate Partner Violence and Son Preference in India" – ICRW (2011)
9. NCRB Reports (Annual) – Latest crime statistics and analysis on violence against women.

اکائی 8۔ ہندوستان میں خواتین کے لیے آئینی دفعات

(Constitutional Provisions for Women in India)

اکائی کی ساخت(Unit structure)

8.0 تمہید(Introduction)

8.1 مقاصد(Objectives)

8.2 ہندوستان کا آئین: ایک تعارف(Constitution of India: An Introduction)

8.2.1 ہندوستان کا آئین(Constitution of India)

8.2.2 ہندوستان کا آئین اور سماجی مساوات(Constitution of India and Social Equality)

8.2.3 ہندوستان کا آئین اور صنفی مساوات(Constitution of India and Gender Equality)

8.3 ہندوستان میں خواتین کے لیے آئینی دفعات(Constitutional Provisions for Women in India)

8.3.1 ہندوستانی خواتین کے لیے آئینی دفعات کی ضرورت واہمیت

(Need and Importance of Constitutional Provisions for Indian Women)

8.3.2 ہندوستان کا آئین اور خواتین کے حقوق کا تحفظ

(Constitutional Provisions and protection of Women's rights)

8.3.3 آئینی دفعات کے ذریعے خواتین کی بااختیاری

(Women Empowerment through Constitutional Provisions)

8.3.4 آئینی دفعات کا تعارف(Introduction of Constitutional Provisions)

8.4 خواتین کے لیے اہم قوانین: ایک تعارف(Impoartant Laws for women: An introduction)

8.5 نئے فوجداری قوانین اور خواتین(New Criminal Laws and women)

8.6 اکتسابی نتائج(Learning Outcome)

8.7 فرہنگ(Glossary)

8.8 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

8.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

8.0 تمہید(Introduction)

ہندوستان کی آزادی کے بعد سے صنفی مساوات کا فروغ اور خواتین کی ترقی و بااختیاری کو پالیسی سازی کا اہم حصّہ بنایا گیا۔اس ضمن میں کئی اقدامات کیے گئے‘لیکن اس ضمن میں ملک کے آئین کے تحت کی گئی قانون سازی کا اہم رول رہا ہے۔ملک کی آزادی سے قبل یعنی برٹش راج کے دوران بھی صنفی مسائل‘ جیسے ستی کی رسم،دیوداسی نظام، بچپن کی شادی، کثیر زوجگی نظام،بیوہ کی دوبارہ شادی اور نومولود لڑکیوں کے قتل کو روکنے کے لیے قوانین بنائے گئے تھے‘تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد صنفی مساوات اور سماجی انصاف(Gender Equality and Social Justice)کو آئین کی بنیاد بنایا گیا۔سماجی وصنفی انصاف‘انسانی حقوق کا بنیادی جزو ہے۔اس جز کو ہندوستان کے آئین میں اہمیت دی گئی ہے اور اس کے تحت قوانین بنائے گئے ہیں۔یہ قوانین‘سماج سے عدم مساوات،امتیازی سلوک اور استحصال کو دور کرنے اور عورت و مرد نیز دیگر جنسی شناخت والے افراد کے درمیان انصاف قائم کرنے اور انھیں بااختیار بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں اگرچہ کہ‘صنفی انصاف اور مساوات کی جدوجہد تاریخی طور پر سماجی و ثقافتی اصولوں میں شامل رہی ہے‘لیکن ہندوستانی آئین نے اس مقصد کو باضابطہ بنانے اور آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ہندوستان میں آئین تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور آزادانہ و باوقار زندگی کی اہم بنیاد کے طور پر موجود ہے۔آئین نہ صرف تمام افراد کو اہم تحفظات فراہم کرتا ہے بلکہ خاص طور پر صنفی بنیاد پر تشدد اور امتیازات کے خاتمے میں بھی اہم رول ادا کرتا آیا ہے۔یہ وہ اہم عناصر ہیں جو خواتین کی بااختیاری کے لیے لازم ہوتے ہیں۔جیسا کہ آپ نے پچھلی اکائی میں پڑھا کہ صنفی بنیاد پر تشدد نہ صرف خواتین کی جسمانی خود مختاری کو ختم کرتا ہے بلکہ ان کے وقار اور تحفظ بھری زندگی کو بھی مجروح کرتا ہے۔ہندوستانی آئین تمام خواتین‘خواہ وہ کسی مذہب،ذات پات،طبقات یا علاقے سے تعلق رکھتی ہوں‘بنیادی حقوق اور انصاف حاصل کرنے کے لیے مناسب قانونی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔اس کے تحت بنائے گئے دفعات اور قوانین سماج میں انصاف قائم کرنے نیز صنفی مساوات اور خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے بڑی حد تک موثر ثابت ہو رہے ہیں۔چونکہ ہندوستانی سماج صدیوں سے نہایت پیچیدہ روایتوں اور پدرانہ نظام کا حامل رہا ہے اور صنفی عدم مساوات کی جڑیں بھی ہماری ثقافت میں گہرائیوں تک پیوست ہیں‘اسی لیے بیشتر اوقات قوانین کی مکمل اور موثر عمل آوری میں مشکلیں پیش آتی ہیں۔لہذا ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ ہندوستان کے آئین میں کونسے اہم دفعات ہیں جو صنفی مساوات کی بنیاد بنتے ہیں۔آئین کے تحت کون کونسے قوانین بنائے گئے ہیں جو خواتین کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور انھیں بااختیار بنانے میں

مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ہم اس اکائی میں ان ہی اہم آئینی دفعات کا تعارف حاصل کریں گے اور خواتین کے تحفظ اور بااختیاری کے لیے بنائے گئے قوانین سے واقفیت حاصل کریں گے۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ہندوستان کے آئین کا عمومی تعارف حاصل کر پائیں گے۔
- سماجی اور صنفی مساوات کی اہمیت کے پس منظر میں ہندوستان کے آئین سے واقفیت حاصل کر پائیں گے۔
- صنفی مساوات کو فروغ دینے میں معاون آئینی دفعات سے تعارف حاصل کر پائیں گے۔
- خواتین کو تحفظ فراہم کرنے اور انھیں بااختیار بنانے والے قوانین کے متعلق تعارف حاصل کر پائیں گے۔

8.2 ہندوستان کا آئین: ایک تعارف (Constitution of India : An Introduction)

8.2.1 ہندوستان کا آئین (Constitution of India)

ہندوستان کا آئین ہندوستان کا سپریم قانونی دستاویز ہے۔ یہ دنیا کا سب سے طویل تحریری قومی آئین ہے۔ اس دستاویز میں بنیادی سیاسی ضابطہ، ڈھانچہ، طریقہ کار، اختیارات، اور سرکاری اداروں کے فرائض کی حد بندی کی گئی ہے اور شہریوں کے بنیادی حقوق، ہدایتی اصولوں اور فرائض کا تعین کیا گیا ہے۔ ہندوستان کا آئین' بنیادی قانون کے طور پر ہمارے ملک کے اقدار، اصولوں اور حکمرانی کے ڈھانچے کو مستحکم کرتا ہے۔ یہ نہ صرف حکومت کے کام کاج کی رہنمائی کرتا ہے' بلکہ شہریوں کے مذہبی، تہذیبی اور تمام معاشرتی حقوق اور ذمہ داریوں کو یقینی بناتا ہے۔ ہندوستان کے آئین کی جڑیں تاریخی جدوجہد، فلسفیانہ نظریات اور سماجی امنگوں پر مبنی ہیں۔ یہ جمہوریت، انصاف اور مساوات کے متعلق ہندوستانی قوم کے نظریات کی عکاسی کرتا ہے۔ ہندوستان کا آئین ملک کی آزادی کے فوری بعد دستور ساز اسمبلی کی جانب سے 26 نومبر 1949 کو اپنایا گیا اور 26 جنوری 1950 کو نافذ کیا گیا۔ ہندوستان کے آئین میں یوں تو نہایت اہم پہلوؤں کو جگہ دی گئی ہے لیکن اس آئین کا اہم عنصر " سماجی و صنفی مساوات " کا تصور ہے جو اس آئین کو انفرادیت بخشتا ہے۔

ہندوستان کا آئین ملک کے بنیادی قانون کے طور پر ملک کے اقدار، اصولوں اور حکمرانی کے ڈھانچے کو مستحکم کرتا ہے۔ آئین' حکومت کے کام کے طریقہ کار کی رہنمائی کرتا ہے اور اہم سماجی امور کنٹرول کرتا ہے۔ شہریوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کو یقینی بنانے، انفرادی آزادیوں کے تحفظ اور سماجی نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے ایک فریم ورک بھی فراہم کرتا ہے۔ ہندوستان کا آئین ایک مضبوط فریم ورک ہے جس کا

مقصد ملک کے انصاف پر مبنی جمہوری اور تہذیبی ڈھانچے کو برقرار رکھنا نیز متنوع سماجی و سیاسی سطح کے عصری مسائل کو حل کرنا ہے۔ علاوہ ازیں صنفی مساوات کو یقینی بنانا نیز خواتین کو بااختیار بنانا ہے۔

8.2.2 ہندوستان کا آئین اور سماجی مساوات (Constitution of India and Social Equality)

سماج مختلف افراد یعنی مذہب، ذات پات، نسل و طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ جو مختلف سماجی ضابطوں کے تحت زندگی گذارتے ہیں۔ افراد سماج کی اہم اکائی ہوتے ہیں۔ تمام افراد کو یکساں بنیادی حقوق، مواقع اور تحفظ فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دراصل ملک کی تعمیر و ترقی میں اس ملک کے تمام افراد کی صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔ تمام شعبۂ حیات میں ان کی شرکت اور اپنے اپنے طور پر حصّہ داری ضروری ہوتی ہے۔ تاہم تاریخی ادوار سے یہ دیکھا گیا ہے کہ صدیوں سے ہندوستانی سماج' مذہب، ذات پات، طبقاتی فرق اور صنف کے اعتبار سے عدم مساوات کا شکار ملک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد سماجی مساوات کو یقینی بنانے کے لیے اس تصور کو آئین کا حصّہ بنایا گیا۔

''سماجی انصاف و مساوات'' بنیادی اصول کی حیثیت سے ہندوستانی آئین میں درج ہیں۔ یہ اصول ایک منصفانہ اور مساوی معاشرے کی تشکیل کے لیے ملک کے عزم کی عکاسی کرتے ہیں۔ انصاف، شمولیت اور یکجہتی کے نظریات میں جڑی ہوئی سماجی مساوات اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ 'ذات، مذہب، جنس، یا سماجی و اقتصادی پس منظر سے قطع نظر' تمام افراد کو مساوی حقوق، مواقع اور وقار حاصل ہوں۔ ہندوستانی آئین سماجی و صنفی مساوات کو برقرار رکھنے اور امتیازی سلوک سے نمٹنے کے لیے ایک مضبوط فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

ہندوستانی آئین میں سماجی مساوات سے مراد ہر فرد، چاہے اس کی مذہبی، صنفی، سماجی یا اقتصادی حیثیت کچھ بھی ہو' باوقار اور تحفظ بھری زندگی، مساوی سلوک اور تعلیم و ترقی کے تمام مواقعوں تک رسائی کا وہ حقدار ہے۔ آئین کا یہ اصول صدیوں کے ذات پات کی درجہ بندی، صنفی امتیازات اور معاشی استحصال کی وجہ سے پیدا ہونے والے تفاوت اور مسائل کو ختم کرنے پر زور دیتا ہے۔ سماجی انصاف اور مساوات پر مبنی آئین اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ تمام شہری بشمول عورت و مرد' معاشرے کی ترقی میں مکمل طور پر حصہ دار ہیں۔ آئین میں موجود سماجی مساوات کی دفعات' ہندوستان کو ایک "خود مختار سوشلسٹ سیکولر جمہوریہ" کی شناخت دیتی ہیں۔ ہندوستانی آئین میں سماجی مساوات' ایک منصفانہ، جامع اور مساوی معاشرے کی تشکیل کے ضامن ہیں۔ یہ عزم دراصل ماضی سے چلی آرہی ان کوششوں کی دین ہے جو ہندوستان کی کثیر آبادی میں بسنے والے مختلف مذاہب، ذات پات اور تہذیبی شناخت والے افراد کی کوششوں سے پیدا ہوا۔ سماجی مساوات کے اصول ہندوستان کے آئین میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ بنیادی حقوق اور بنیادی فرائض کے طور پر آئین ہر فرد کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ تاہم

حقیقی سماجی مساوات کے حصول کی جانب سفر کے لیے سماجی رکاوٹوں کو دور کرنے سماجی انصاف و مساوات کے نفاذ کو بڑھانے اور پسماندہ کمیونٹیز کو بااختیار بنانے کے لیے مسلسل اور مختلف سطحوں پر کوششوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

8.2.3 ہندوستان کا آئین اور صنفی مساوات (Constitution of India and Gender Equality)

ہندوستان کے آئین میں صنفی مساوات کے متعلق جاننے سے قبل عالمی سطح پر اپنائے گئے چند اقدامات پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے جو عالمی معاہدے کہلاتے ہیں۔ یہ معاہدے یا اعلامیے بنیادی طور پر تمام انسانوں کی قدر، انسانی حقوق اور سماجی مساوات کی تائید کرتے ہیں اور عالمی سطح پر اہم فریم ورک پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان بھی چونکہ ان معاہدوں کا دستخط کنندہ ہے اسی لیے ہمیں ان کے متعلق جاننا ضروری ہو جاتا ہے۔ انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ ' جسے Human Rights Charter کہا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ 1948 میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ پہلا عالمی سطح کا معاہدہ ہے جو ایک طرف سماجی و معاشی طور پر کمزور و دبے کچلے افراد کے لیے انسانی حقوق کی بات کرتا ہے تو دوسری طرف صنفی مساوات کو انسانی حقوق کے تناظر میں رکھ کر دیکھتا ہے۔ اس معاہدہ میں پہلی مرتبہ مردوں کے برابر عورتوں کے لیے مساوی حقوق اور مواقعوں کی تائید و توثیق کی گئی۔ بعدِ ازاں اقوامِ متحدہ کی جانب سے بنایا گیا ''کنونشن برائے خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کا خاتمہ یعنی (The Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination against Women۔CEDAW) 1979 نہایت اہم دستاویز ثابت ہوا' جو صنفی عدم مساوات اور صنفی بنیاد پر تشدّد کی مختلف نوعیتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور علمی مباحث کا حصّہ بناتا ہے۔ اس کنونشن کے دفعات میں عالمی سطح پر جاری خواتین کے خلاف امتیازی سلوک اور تشدد کی تصدیق کی گئی اور اسے 'انسانی حقوق، مساوات اور انسانی وقار کے احترام کے اصولوں کی خلاف ورزی قرار دیا گیا۔ اس کی روک تھام کے لیے مختلف اقدامات پر زور دیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ذریعہ 1979 میں منظور ہونے والے اس کنونشن کو خواتین کے حقوق کے بین الاقوامی بل کے طور پر بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اسے 3 ستمبر 1981 کو پاس کیا گیا اور 189 ممالک نے اس معاہدہ کی توثیق کی ہے۔ 1994 میں، ہندوستان نے بھی خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے کنونشن کی توثیق کی۔ وہیں خواتین پر تشدد کے خاتمے کے لیے 1993 میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کے لیے (Declaration on the Elimination of Violence against Women) اعلامیہ کو بھی اپنایا۔ یہ اعلامیہ خواتین کے خلاف تشدّد کے خاتمے کی کوششوں میں CEDAW کی تکمیل کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس معاہدے کے ماننے والوں میں دنیا کے بیشتر ممالک بشمول ہندوستان بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں اقوامِ متحدہ کی جانب سے 'ملینیم ڈیولپمنٹ گول (2000) اور ''پائیدار ترقی کے اہداف۔2030'' میں

بھی صنفی مساوات کی ضرورت واہمیت کو اہمیت دی گئی اور صنفی مساوات کو ایک مخصوص ہدف کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس ضمن میں اقوامِ متحدہ گذرے کئی برسوں سے مسلسل مختلف النوع اقدامات کے ذریعے، نجی اور عوامی شعبوں میں تمام خواتین اور لڑکیوں کے خلاف ہر قسم کے تشدد کو ختم کرنے کی اور مساوات قائم کرنے کی پر زور کوششوں کا حامی بنا ہوا ہے۔ ان نکات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صنفی مساوات کی کتنی اہمیت ہے اور دنیا کے کئی ممالک اس کے فروغ کے کیوں پابند ہیں؟ صنفی مساوات کے فروغ میں جس طرح سے عالمی معاہدے اہمیت کے حامل ہیں اسی طرح ہندوستان کا آئین بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ہندوستان ان چند ممالک میں شامل ہے جو سماج میں صنفی مساوات کو عام کرنے کے لیے قانون سازی کو اہمیت دیتے ہیں۔

پچھلے صفحات پر ہندوستان کے آئین کا تعارف پیش کیا گیا۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہو گیا کہ آئینِ ہند ایک جامع دستاویز ہے جو اس کے تمام شہریوں کو بھرپور تحفظ اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ آئین میں تمام افراد کے بنیادی حقوق کی فراہمی اور بہ حیثیت شہری کچھ فرائض کا خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس کی یوں تو بہت سی دفعات ہیں۔ لیکن بیشتر دفعات کا مقصد صنفی مساوات کو یقینی بنانا اور خواتین کو بااختیار بنانا ہے۔ اس آئین میں ''سماجی وصنفی انصاف (Social and Gender Justice) کو کلیدی حیثیت دی گئی ہے۔ ہندوستان کے آئین کا ایک اہم پہلو صنفی انصاف اور مساوات قرار دیا جاسکتا ہے۔ صنفی مساوات کا اصول ہندوستانی آئین میں اس کی تمہید، بنیادی حقوق، بنیادی فرائض، اور ہدایتی اصولوں میں واضح طور پر درج ہے۔ ہندوستان کا آئین نہ صرف خواتین کے خلاف امتیازات ختم کرتا ہے اور ان کو برابری فراہم کرتا ہے، بلکہ حکومت کو یہ اختیار بھی دیتا ہے کہ وہ خواتین کے حق میں مثبت امتیازی اقدامات کو اپنائے تاکہ ان کو درپیش مسائل، جیسے سماجی، تہذیبی و اقتصادی اور صحت کے مسائل سے ہونے والے نقصانات کو بے اثر کیا جاسکے۔

ہندوستان کے آئین میں دیے گئے بنیادی حقوق، سماج کے علاوہ، قانون کے سامنے برابری اور قانون کے مساوی تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔ مذہب، نسل، ذات، جنس، یا جائے پیدائش کی بنیاد پر کسی بھی شہری کے ساتھ امتیازی سلوک کی ممانعت کرتے ہیں اور ملازمت سے متعلق معاملات میں تمام مردوں اور عورتوں کے لیے مواقع کی برابری کی ضمانت دیتے ہیں۔ ہندوستان کے آئین میں جن بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ ان میں صنفی مساوات کے تمام پہلوؤں کو سمیٹنے کے لیے کافی وسعت شامل ہے۔ صنفی مساوات میں جنسی ہراسانی سے تحفظ، وقار کے ساتھ کام کرنے کا حق، اور تعلیم کا حق شامل ہے جو عالمی سطح پر تسلیم شدہ بنیادی انسانی حقوق ہیں۔ اہم آئینی دفعات آرٹیکل 14، 15، 16، 21، 21اے، 23، 24، 38، 39، 42، 44، اور 55 (ای) ہیں۔ ان دفعات کے تحت اہم قوانین بنائے گئے اور سماج سے صنفی عدم مساوات ختم کرنے اور خواتین کو بااختیار بنانے کے مقصد سے نافذ کیے گئے۔

8.3 ہندوستان میں خواتین کے لیے آئینی دفعات

(Constitutional Provisions for Women in India)

8.3.1 ہندوستانی خواتین کے لیے آئینی دفعات کی ضرورت واہمیت

(Need and Importance of Constitutional Provisions for Indian Women)

ہندوستان میں خواتین کے لیے آئینی دفعات ماضی سے خواتین کے خلاف چلی آرہی عدم مساوات اور امتیازی سلوک کو ختم کرنے اور انھیں بااختیار بنانے کے مقصد پر مرکوز نظر آتی ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدیوں سے ہندوستانی خواتین کو پدرانہ نظام کے ذریعے وجود میں لائے گئے صنفی امتیازات کا سامنا ہے۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی خواتین نے تعلیم، ملازمت، خاندان، نجی اور عوامی زندگی میں مختلف قسم کے امتیازی سلوک کو برداشت کیا ہے۔ دوسری طرف ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں صنفی مساوات کو دستور کا اہم حصّہ بنایا گیا اور ریاستوں کے ساتھ ساتھ ہر شہری کو پابند کیا گیا کہ وہ سماج سے صنفی عدم مساوات اور تشدد کو ختم کرنے کی کوششوں کا حصّہ بنیں۔ ملک کی آزادی سے قبل نوآبادیاتی ہندوستان میں اگرچہ کہ خواتین کے حقوق کی پاسداری میں کچھ قوانین بنائے گئے تھے لیکن آزادی کے بعد اہم دفعات اور باقاعدہ قانونی نظام تیار کیا گیا اور سماج میں متعارف کروایا گیا جو ہندوستانی خواتین کو بااختیار بنانے اور صنفی مساوات قائم کرنے میں ایک طاقتور آلے کے طور پر کام کرتا آرہا ہے۔ ہندوستان میں دستور کے تحت لڑکی کی پیدائش سے لے کر اس کی تمام تر زندگی کا تحفظ، وقار اور مساوی مواقع کو یقینی بنانے کے لیے مختلف قانونی دفعات اور دستوری حقوق کا نفاذ عمل میں لایا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھیں اور مجموعی سماج کی ترقی میں ان کا استعمال کریں۔

ابتدائی دور کے ہندوستانی سماج میں خواتین محکوم نہیں تھیں۔ انھیں سماج کا آزاد فرد مانا گیا تھا۔ انھیں علم حاصل کرنے اور اپنے طرز سے زندگی گزارنے کا حق حاصل تھا، تاہم بعد کے ادوار میں صنفی نظریات کا غلبہ پیدا ہوتا گیا اور انھیں تعلیم و ترقی سے دور کر دیا گیا اور ان کے ساتھ صنفی عدم مساوات اتنی بڑھ گئی کہ وہ مرکزی دھارے سے دور حاشیہ پر کر دی گئیں۔ لہٰذا صدیوں سے ہندوستانی خواتین کا بڑا طبقہ پسماندہ زندگی گذارتا آرہا ہے۔ چنانچہ خواتین کے لیے آئینی دفعات ان تاریخی عدم مساوات اور امتیازی سلوک کو دور کرنے اور موجودہ دور کے ان سماجی وصنفی مسائل کے خاتمے کے لیے قائم کی گئی ہیں جن کا خواتین کو آج بھی سامنا ہے۔ یہ اقدامات ایک منصفانہ، مساوی معاشرے کی بنیاد میں خواتین کے لازمی کردار کو تسلیم کرتے ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی بھرپور شرکت کو یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ آئین میں خواتین کے حقوق اور تحفظات کی دفعات کو شامل کرنا گویا ہندوستان میں ایک منظم قانونی اور سماجی ماحول پیدا کرنا اور صنفی مساوات کو فروغ دینے کا عمل ہے۔ ہندوستان کے آئین کے یہ اہم پہلو نہ صرف سماجی انصاف کے متعلق ہیں، بلکہ معاشرے کی ترقی میں خواتین کی شراکت داری کو تسلیم

کرنے اور مستحکم کرنے کے بارے میں بھی ہیں۔ان دفعات میں خواتین کو بااختیار بنانے، انھیں بنیادی حقوق دینے اور انہیں وقار اور مساوات کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل بنانے کی ضمانتیں موجود ہیں۔ یہ دفعات مجموعی طور پر تمام ہندوستانی افراد بالخصوص خواتین کو امتیازی سلوک سے بچانے، ان کی فلاح و بہبود کو فروغ دینے اور سیاسی، اقتصادی اور سماجی شعبوں میں ان کی مساوی شرکت کو یقینی بنانے کے مقصد کو پورا کرتے ہیں اور ایک مضبوط فریم ورک فراہم کرتے ہیں۔

8.3.2 ہندوستان کا آئین اور خواتین کے حقوق کا تحفظ

(Indian Constitution and protection of women's Rights)

ہندوستان کا آئین تمام ہندوستانی شہریوں کے حقوق کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ خواتین بہ حیثیت شہری کے ان تمام آئینی دفعات کی حقدار ہیں۔ انھیں بااختیار بنانے کے لیے دیگر کئی معاملات میں مزید مراعات بھی دی گئی ہیں۔اس ضمن میں چند اہم دستوری دفعات اور حقوق کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔ جن کے ذریعہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کسی ملک اور سماج میں خواتین کے تحفظ کے لیے آئین کی کتنی اہمیت ہوتی ہے۔

1۔ **بنا کسی امتیاز کے مساوات کا حق:** ہندوستان کے آئین کے مطابق تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں' چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں یا دیگر جنسی شناخت والے افراد۔ کسی شہری کے ساتھ کسی بھی معاملے میں ' صنف(gender) ، ذات(caste) ، مذہب یا نسل (race) کی بنیاد پر امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ایک عرصہ تک عورتوں کو مردوں کے برابر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ تعلیم، روزگار، جائیداد یا سیاسی میدان میں پیچھے رہ جاتی تھیں۔ ہندوستانی آئین کے تحت دیا گیا مساوات کا حق اُنہیں مردوں کے برابر مواقع دیتا ہے۔اس حق کی اہمیت یہ ہے کہ خواتین کو تعلیم، نوکری، اور سماجی ترقی میں برابری ملتی ہے۔ صنفی امتیاز کا خاتمہ ممکن ہو جاتا ہے اور خواتین خود اعتمادی کے ساتھ اپنی شناخت بنا سکتی ہیں۔

2۔ **آزادی کا حق:** آئین کے تحت ہر شہری کو اظہارِ خیال کی آزادی حاصل ہے۔ انھیں اپنے مطابق سوچنے سمجھنے اظہار کرنے، نقل و حرکت اور مرضی سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔ خواتین کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تعلیم حاصل کریں، ہنر سیکھیں، کیریر بنائیں، دستوری و شرعی حقوق کی معلومات حاصل کریں اور باشعور بنیں۔ اپنی زندگی کے لیے بہتر فیصلے لیں۔آزادی کے حق کی اہمیت یہ ہے کہ 'خواتین کو آزادیِ اظہار اور خود مختاری حاصل ہوتی ہے۔ خواتین اپنی پسند کے مطابق طرزِ زندگی کا انتخاب کر سکتی ہیں۔

3۔ **استحصال سے تحفظ:** آئینِ ہند کے دفعات میں کسی بھی قسم کے استحصال سے تحفظ (Protection from Exploitation) کا حق دیا گیا ہے۔ یہ دفعات انسانی اسمگلنگ، جبری مشقت، اور جسمانی و جنسی استحصال سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ خواتین کو مختلف مقامات پر استحصال کا سامنا ہوتا ہے۔ اکثر کام کی جگہ پر یا عوامی مقامات پر جنسی استحصال کے واقعات پیش آتے ہیں یا کئی مقامات پر لڑکیوں کو جسم

فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ آئینی حق انہیں ایسے تمام استحصال سے بچاتا ہے۔اس کی اہمیت یہ ہے کہ 'خواتین کو تحفظ ملتا ہے۔ غیر انسانی سلوک یا زبردستی کے خلاف قانونی کارروائی ممکن ہوتی ہے۔خواتین کی عزت اور وقار محفوظ ہوتا ہے

4۔ **تعلیم و ثقافت کے حقوق:** ہر شہری کو اپنی زبان، مذہب، ثقافت اور تعلیم کے حقوق حاصل ہیں۔خواتین کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زبان میں تعلیم حاصل کریں، اپنی تہذیب و ثقافت سے جڑی رہیں اور مذہبی آزادی سے مستفید ہوں۔اس حق کی اہمیت یہ ہے کہخواتین کو تعلیمی ترقی میں مواقع ملتے ہیں۔اقلیتی طبقے کی خواتین بھی آگے آتی ہیں۔ معاشرے میں ہم آہنگی، یکجہتی اور رواداری بڑھتی ہے۔

5۔ **تحفظات اور مراعات:** ہندوستان کے آئین کے تحت خواتین کو چند اہم تحفظات اور مراعات (Reservations and Special Provisions)حاصل ہیں۔خواتین کے لیے تعلیم، ملازمت اور سیاست میں خصوصی ریزرویشن (مثلاً پنچایت میں تحفظات اور مختص سیٹیں) دی گئی ہیں۔چونکہ ہندوستانی خواتین کی بڑی تعداد کئی معاملات میں بالخصوص سیاسی میدان میں پچھڑی ہوئی ہیں۔ان کو آگے لانے کے لیے خاص تحفظات دیے گئے ہیں۔آئین کے تحت جہاں تعلیم و روزگار میں تحفظات اور مراعات حاصل ہیں وہیں سیاست میں مخصوص علاقے اُن کے لیے مختص کیے گئے ہیں تاکہ وہ قائدانہ رول کے لیے آگے آئیں۔ تحفظات کے نتیجے میں تعلیم کا حصول، کیریر بنانے کے مواقع، افزائشِ نسل کے فائدے کے علاوہ خواتین کی سیاسی اور سماجی نمائندگی بڑھتی ہے۔غریب اور دیہی خواتین بھی قیادت میں آتی ہیں۔ملک میں صنفی مساوات مستحکم ہوتی ہے۔

6۔ **قانونی تحفظ اور انصاف:** آئینِ ہند کے مطابق خواتین کو قانون کے تحت مساوی تحفظ حاصل ہے۔ کسی کے ساتھ اگر کوئی زیادتی ہو تو وہ عدالت سے انصاف لے سکتی ہے۔ کوئی بھی جرم، جیسے گھریلو تشدد، جہیز، ریپ یا ہراسانی کے خلاف خواتین کو مکمل قانونی تحفظ حاصل ہے۔ جیسے 'خواتین انصاف کے لیے قانون کا سہارا لے کر مجرموں کو سزا دلوا سکتی ہیں۔اس سے خواتین کو تحفظ اور اعتماد حاصل ہوتا ہے۔

8.3.3 آئینی دفعات کے ذریعے خواتین کی بااختیاری

(Women Empowerment through Constitutional Provisions)

خواتین کا بااختیار ہونا کسی بھی ترقی یافتہ، پرامن اور مساوات پر مبنی معاشرے کے لیے نہایت ضروری ہے۔آئینی دفعات نہ صرف خواتین کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں بلکہ ان کے بااختیار ہونے کی بنیاد بھی مہیا کرتی ہیں۔ان دفعات پر مکمل عملدرآمد اور معاشرتی رویوں میں مثبت تبدیلی کے ذریعے ہی حقیقی بااختیاری ممکن ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات پر آپ نے معلومات حاصل کی کہ ہندوستان کے آئین میں تمام شہریوں کو بنیادی حقوق، مساوی مواقع اور تحفظ فراہم کرنے کے لیے مختلف دفعات شامل کی گئی ہیں۔ان آئینی دفعات کے ذریعے خواتین کو مردوں کے برابر تعلیم، روزگار، جائیداد، تحفظ اور سیاست میں شمولیت جیسے اہم شعبوں میں مساوی حیثیت دی گئی ہے۔خواتین کو ان کے

جائز حقوق دینا ایک مہذب اور انصاف پسند معاشرے کی بنیاد ہے۔ تعلیم یافتہ اور بااختیار خواتین بہتر مائیں، بہنیں، بیویاں اور شہری ثابت ہوتی ہیں۔ بااختیار خواتین پالیسی سازی اور قانون سازی میں حصہ لے کر سماج کی بہتری میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

آئینی دفعات خواتین کی ترقی اور بااختیاری میں انتہائی موثر رول ادا کرتے ہیں۔ خواتین کے حقوق کا تحفظ اور ان کے خلاف ہونے والے جرائم کے لیے قانون کا نفاذ خواتین کی بااختیاری کے لیے ناگزیر ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانے سے خواتین کا بامعنی اور بامقصد زندگی گزارنے کی صلاحیت میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ بااختیاری 'دوسروں پر ان کا انحصار ختم کرتی ہے اور انہیں اپنے طور پر ایک ذمہ دار شہری اور سماجی فرد بناتی ہے۔ وہ عزت اور آزادی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ انہیں ایک منفرد شناخت ملتی ہے۔ وہ خاندان اور معاشرے کی بھلائی کے لیے ایک بامعنی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ خواتین کو بااختیار بنائے بغیر ہم ناانصافی اور صنفی تعصب اور عدم مساوات کو دور نہیں کر سکتے۔ بااختیاریت 'خواتین کے استحصال اور ہراساں کرنے کے خلاف ایک طاقتور ہتھیار کے طور پر کام کرتی ہے۔ خواتین کے لیے مناسب قانونی تحفظ حاصل کرنے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔ ہندوستان میں آئینی دفعات اور مختلف قوانین کے ذریعے خواتین کو بااختیار بنانے اور صنفی مساوات کو فروغ دینے کے لیے ایک مضبوط قانونی ڈھانچہ فراہم کیا گیا ہے جس کا مقصد خواتین کے حقوق کو فروغ دینا اور سماج سے امتیازی سلوک کو دور کرنا ہے۔ ان دفعات اور قوانین میں وقت ضرورت تبدیلیاں بھی لائی جاتی ہیں اور انھیں مزید وسعت دی جاتی ہے تاکہ جدید دور میں پیدا ہونے والے مسائل پر توجہ دی جا سکے۔ مرکزی و ریاستی حکومتوں کی جانب سے بھی بروقت اور ضروری ایکٹ پاس کیے جاتے ہیں اور مختلف قوانین و ضوابط کو نافذ کر کے خواتین کو بااختیار و مضبوط بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آگے کی سطور میں ہم خواتین کی بااختیاری اور صنفی مساوات کو فروغ دینے والے دفعات (آرٹیکلس) اور ان کے تحت بنائے گئے اہم قوانین سے تعارف حاصل کریں گے

8.3.4 آئینی دفعات کا تعارف (Introduction of Constitutional Provisions)

بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

1۔ آرٹیکل 14: مساوات کا حق (Article 14: Right to Equality)

آرٹیکل 14: یہ آرٹیکل صنفی بنیادوں پر مساوات کو عام کرتا ہے اور تمام امتیازات کو ختم کرتا ہے۔ آرٹیکل 14 'اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ ہر فرد قانون کے تحت مساوی سلوک کا حقدار ہے۔ یہ شق اس اصول کو بنیاد بناتی ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی صنف یا سماجی حیثیت سے قطع نظر جنسی تشدّد سمیت کسی بھی قسم کے تشدد کے خلاف یکساں طور پر تحفظ فراہم کیا جانا چاہیے۔ ریاست جنس، ذات یا مذہب جیسے من مانی امتیازات کی بنیاد پر افراد کے ساتھ کسی بھی طرح کا امتیازی سلوک نہیں کر سکتی۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے تناظر میں 'آرٹیکل 14 اس بات کو یقینی بنانے کے

لیے ضروری ہے کہ کوئی بھی فرد چاہے عورت ہو، مرد ہو، یا ٹرانس جینڈر فرد کو ان کی جنس یا شناخت کی وجہ سے قانونی امتیاز یا تحفظ کی کمی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اس آرٹیکل کے مطابق خواتین کے ساتھ قانون کی نظر میں مردوں کے برابر سلوک کیا جانا چاہیے۔ قوانین کے مساوی تحفظ کا مطلب صرف یکساں سلوک نہیں بلکہ مساوی سلوک ہے یعنی خواتین کی خصوصی ضروریات اور حالات کو تسلیم کرنا ہے۔یہ آرٹیکل ،تعلیم، ملازمت، جائیداد، اور دیگر تمام معاملات میں امتیازی طرزِ عمل کو چیلنج کرنے کے لیے آئینی بنیاد کا کام کرتا ہے۔

2۔ آرٹیکل 15: امتیازی سلوک کی ممانعت (Article 15: Prohibition of Discrimination)

آرٹیکل 15 : مذہب، نسل، ذات، جنس، یا جائے پیدائش کی بنیاد پر امتیازی سلوک کی ممانعت کرتا ہے ۔ یہ آرٹیکل، جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک پر پابندی لگا کر مساوات کے عزم کو مزید مضبوط کرتا ہے۔یہ صنفی بنیاد پر تشدّد کے تناظر میں خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہ صرف کسی شخص کی سماجی حیثیت کو متاثر کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہر قسم کے تشدّد کے خطرے کو بھی بڑھاتا ہے۔مثال کے طور پر ایک عورت کو نظامی تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اس کے تشدد کے خطرے کو بڑھاتا ہے، جبکہ ایک مرد کو دقیانوسی تصورات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اسے مدد طلب کرنے سے روکتے ہیں۔آرٹیکل 15 اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ تمام افراد ان کی جنس سے قطع نظر، جنسی یا صنفی تشدد کا نشانہ بننے پر انہیں مساوی تحفظ اور علاج تک رسائی حاصل ہو۔اس آرٹیکل کے مزید شقیں بھی ہیں، جیسے

آرٹیکل 15(1): ریاست کو کسی بھی شہری کے ساتھ کسی بھی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنے سے منع کرتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ خواتین کو محض ان کی جنس کی وجہ سے عوامی مقامات، تعلیم، سرکاری اسکیموں یا ملازمتوں تک رسائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آرٹیکل 15(2): اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ عوامی تفریحی مقامات تک خواتین کو نقل و حرکت کی مساوی آزادی حاصل رہے اور عوامی زندگی میں رسائی بھی آسان ہو۔

آرٹیکل 15(3): ریاست کو خواتین اور بچوں کے لیے خصوصی انتظامات کرنے کا اختیار دیتا ہے۔دیگر بنیادی حقوق کے برعکس جو یکساں طور پر لاگو ہوتے ہیں، یہ شق ریاست کو مثبت کارروائی کے قوانین منظور کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ جیسے پنچایتوں اور بلدیات میں خواتین کے لیے ریزرویشن، خواتین کے لیے خصوصی ہاسٹل، کالج اور اسکالرشپ، میٹرنٹی بینیفٹ ایکٹ، ڈومیسٹک وائلنس ایکٹ، اور جنسی ہراسانی ایکٹ جیسے قوانین اور سرکاری اسکیمیات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔یہ آرٹیکل دوسری طرف عوامی اداروں کی طرف سے صنفی بنیاد پر امتیاز کے خلاف ایک ڈھال فراہم کرتا ہے۔یہ ریاست کو خواتین کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے فعال اقدامات کرنے کے لیے بااختیار بناتا ہے۔آرٹیکل 15 خواتین کو بااختیار بنانے کے قانونی ڈھانچے میں ایک اہم سنگ بنیاد ثابت ہوا ہے۔

3۔ آرٹیکل 16: سرکاری ملازمت میں مواقع کی مساوات

(Article 16: Equality of Opportunity in Public Employment)

آرٹیکل 16 سرکاری ملازمت کے معاملات میں تمام شہریوں کے لیے مواقع کی مساوات کو یقینی بناتا ہے۔ یہ آرٹیکل جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک کو منع کرتا ہے، اس طرح افرادی قوت میں خواتین کے لیے مساوی مواقع کو فروغ دیتا ہے' خاص طور پر حکومت اور عوامی شعبوں میں مردوں کے برابر عورتوں کی شراکت کو یقینی بناتا ہے

4۔ آرٹیکل 21' زندگی اور ذاتی آزادی کا حق

آرٹیکل 21' زندگی اور ذاتی آزادی کا حق دیتا ہے۔ صنفی بنیاد پر تشدد کے حوالے سے سب سے اہم شق' آرٹیکل 21 ہے۔ آئین کی یہ شق زندگی اور ذاتی آزادی کے حق کی ضمانت دیتی ہے۔ زندگی کا حق، جیسا کہ عدلیہ کی طرف سے تشریح کی گئی ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کے تشدد سے پاک عزت کے ساتھ جینے کا حق شامل ہے۔ بیشتر مقدمات میں سپریم کورٹ نے آرٹیکل 21 کی تشریح کی ہے جس میں صنفی تشدّد سے آزاد ہونے کا حق شامل ہے' جسے کسی کے وقار کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس طرح یہ آرٹیکل اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ جنسی اور صنفی تشدّد کے شکار افراد کے پاس یہ دعویٰ کرنے کی آئینی بنیاد ہے کہ ان کے زندگی اور آزادی کے حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے' جو انصاف کے حصول کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتی ہے۔ آرٹیکل 21 کے مطابق کسی بھی شخص کو اس کی زندگی یا ذاتی آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ ہندوستانی خواتین کے لیے، آرٹیکل 21 صرف بقا کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ وقار، خود مختاری اور آزادی کے ساتھ جینے کے بارے میں ہے۔ آرٹیکل 21 خواتین کو عزت کے ساتھ جینے کا حق، جسمانی خود مختاری کا حق، رازداری کا حق، صحت اور افزائش نسل کے فیصلے کا حق، رہائش اور ذریعہ معاش کا حق، تشدد کے خلاف تحفظ کا حق (گھریلو، جنسی، حراستی) فراہم کرتا ہے۔ یہ آرٹیکل نہ صرف خواتین کو تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ خواتین کو بامقصد اور باوقار زندگی کی ضمانت دیتا ہے، جس میں خود مختاری، تحفظ اور مساوات شامل ہیں۔ مذکورہ آرٹیکل تولیدی حقوق، شادی کے انتخاب، صنفی شناخت، رازداری اور تشدد سے آزادی پر ترقی پسند فیصلوں کے لیے آئینی طاقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

5۔ ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول: آرٹیکل 39 اور 42

(Directive Principles of State Policy: Article 39 and 42)

آرٹیکل 39: مساوی تنخواہ اور مناسب ذریعہ معاش (Article 39: Equal Pay and Adequate Livelihood)

آرٹیکل 39 :(a) مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر مناسب معاش کا حق فراہم کرتا ہے۔اس آرٹیکل کے تحت ریاست کو اس بات کو یقینی بنانے کی ہدایت کی گئی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو مناسب ذریعہ معاش کا حق حاصل ہو۔یہ آرٹیکل فراہمی روزگار کی اسکیموں، ہنر مندی کے فروغ کے پروگراموں اور خواتین کے لیے اقتصادی بااختیار بنانے کے اقدامات کی بنیاد رہا ہے۔

آرٹیکل 39 :(d) مساوی کام کے لیے مساوی تنخواہ کا حق دیتا ہے۔اس آرٹیکل نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ریاست مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یکساں کام کے لیے مساوی تنخواہ کو یقینی بنائے گی۔یہ صنفی غیر جانبدار اجرت کے ڈھانچے کی حمایت کرتا ہے۔عور اور مرد کے درمیان اجرت کے فرق کو دور کرتا ہے۔

آرٹیکل 39 :(e) استحصال کے خلاف خواتین کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ریاست کو پابند کرتا ہے کہ خواتین کی صحت اور ان کی زندگی کا تحفظ فراہم کیا جائے۔ملازمت یا اجرت میں ان کے استحصال کو روکا جائے۔یہ زچگی کے فوائد، کام کی جگہ یہ تحفظ، اور کم عمری کی شادی اور اسمگلنگ کی ممانعت کے لیے آئینی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔

آرٹیکل 42: کام اور زچگی میں راحت کی منصفانہ اور انسانی شرائط

(Article 42: Just and Humane Conditions of Work and Maternity Relief)

آرٹیکل 42' ریاست کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ کام کے منصفانہ اور انسانی حالات کو محفوظ بنانے اور زچگی کی امداد کے لیے انتظامات کروائے۔اس آرٹیکل کی وجہ سے زچگی سے متعلق فوائد کے متعدد قوانین سامنے آئے ہیں جن کا مقصد کام کرنے والی ماؤں کے حقوق کا تحفظ کرنا اور ملازمت میں صنفی مساوات کو فروغ دینا ہے۔

بنیادی فرائض: آرٹیکل 51A(e) (Fundamental Duties: Article 51A(e))

آرٹیکل 51 :A(e) خواتین کے وقار کے لیے توہین آمیز طرز عمل کو ترک کرنے کا پابند بناتا ہے۔اس آرٹیکل کے مطابق ہر ہندوستانی شہری کا فرض ہے کہ وہ ان تمام طریقوں کو ترک کرے جو خواتین کو بے عزت کرتے ہیں یا ان پر ظلم کرتے ہیں۔ان میں جہیز، مادہ جنین قتل، گھریلو تشدد، لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ، صنفی سٹیریو ٹائپنگ وغیرہ شامل ہیں۔یہ آرٹیکل خواتین کی سماجی و اقتصادی ترقی پر توجہ مرکوز کرنے والی قانون سازی اور حکومتی اسکیموں کے لیے نظریاتی فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

آرٹیکل 243D(3)، 243D(4)، 243T(3) اور 243T(4): لوکل باڈیز میں ریزرویشن

لوکل گورننس یعنی پنچایتی راج میں خواتین کی شرکت کے لیے آئینی تحفظات دیے گئے ہیں۔جمہوری عمل اور مقامی طرز حکمرانی میں خواتین کی شرکت کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے، آئین میں پنچایتوں اور بلدیات میں خواتین کے لیے نشستوں کے ریزرویشن کے لیے مخصوص دفعات

شامل کیے گئے ہیں۔ان آرٹیکلز میں خواتین کے لیے ہر پنچایت اور میونسپلٹی میں براہ راست انتخابات کے ذریعے پُر کی جانے والی کل نشستوں کا ایک تہائی ریزرویشن لازمی قرار دیا گیا ہے۔مزید برآں ہر سطح پر پنچایتوں اور بلدیات میں چیئرپرسن کے دفاتر کی کل تعداد کا ایک تہائی خواتین کے لیے مختص کیا گیا ہے۔یہ دفعات مقامی گورننس میں خواتین کی نمائندگی کو یقینی بناتے ہیں۔انہیں فیصلہ سازی کے عمل میں حصّہ دار بناتے ہیں اوران کی کمیونٹیز کو متاثر کرنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے بھی بااختیار بناتے ہیں۔

اہم نکات:

- آرٹیکل 14 ‘خواتین کے خلاف امتیازی طرز عمل کو چیلنج کرنے میں آئینی بنیاد فراہم کرتا ہے اور عدالتوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ ان تمام قوانین، قواعد یا طرز عمل کو ختم کر سکیں جو فطری طور پر خواتین کے لیے متعصب ہیں۔
- آرٹیکل 15 ‘عوامی اور سماجی دونوں شعبوں میں غیر مساوی سلوک اور امتیاز کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
- آرٹیکل 19 خواتین کو بدسلوکی یا ناانصافی کے تجربات کا اشتراک کرنے کے قابل بناتا ہے۔خواتین کو اپنے تحفظات کا اظہار کرنے، امتیازی سلوک کو چیلنج کرنے اور سماجی اور سیاسی گفتگو میں حصہ لینے کے لیے بااختیار بناتا ہے۔
- آرٹیکل 21 خواتین کو نہ صرف وجود کا تحفظ ‘بلکہ بامقصد اور باوقار زندگی کی ضمانت دیتا ہے، جس میں خود مختاری اور مساوات شامل ہیں۔
- آرٹیکل 39 :(a) مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر مناسب معاش کا حق فراہم کرتا ہے۔جبکہ آرٹیکل 39 :(d) مساوی کام کے لیے مساوی تنخواہ کا حق دیتا ہے اور آرٹیکل 39 :(e) استحصال کے خلاف خواتین کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔
- آرٹیکل 51 :A(e) خواتین کے وقار کے لیے توہین آمیز طرز عمل کو ترک کرنے کا پابند بناتا ہے۔

8.4 خواتین کے لیے اہم قوانین: ایک تعارف

(Important Laws for women : An Introduction)

ہندوستان کے آئینی حقوق جہاں مساوات کی بنیاد رکھتے ہیں وہیں قوانین خواتین کو زندگی کے مختلف شعبوں جیسے گھر، کام کی جگہ، عوامی جگہ، شادی، خاندان، صحت کے علاوہ دیگر کسی بھی شعبہ میں صنفی بنیاد پر تشدد کو روکنے کے لیے ٹھوس قانونی تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

یہ قوانین نہ صرف تشدد کو روکنے بلکہ خواتین کے وقار کو یقینی بنانے میں معاون رول ادا کر رہے ہیں۔ بہت سے ایسے دفعات اور قوانین ہیں، جو زندگی کے مختلف پہلوؤں جیسے کہ مجرمانہ جرائم، خاندانی مسائل وغیرہ میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔ان قوانین نے صنفی مساوات کو فروغ دیتے ہوئے خواتین کو امتیازی سلوک اور تشدد سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔جیسا کہ پچھلے صفحات پر رقم کیا گیا کہ ہندوستان میں صنفی بنیاد پر تشدد کا خاتمہ اور خواتین کی بااختیاری کے ضمن میں اہم اقدامات کیے گئے جن میں قانون سازی بے حد اہم ہے۔یوں

تو عالمی سطح پر مختلف طرح سے خواتین کے خلاف تشدد کا عام رجحان پایا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان ان چند ممالک میں شامل ہے جہاں صنفی بنیاد پر تشدد کا عام رجحان پایا جاتا ہے۔ مرد اساس سماج میں خواتین صدیوں سے تشدد کا شکار چلی آرہی ہیں۔ انھیں گھریلو سطح پر، عام مقامات پر یا کام کی جگہ پر یا تعلیمی اداروں میں الغرض تمام شعبہ ہائے حیات میں خواتین پر تشدد کے سینکڑوں واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جن کی خبریں میڈیا کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔ سالانہ رپورٹس کے ہر برس چونکا دینے والے اعداد وشمار اس کی سنگینی کے شاہد ہیں۔ خواتین کے خلاف جسمانی کے ساتھ ساتھ جذباتی اور ذہنی تشدد بھی ہوتا ہے، جو معاشرے میں ان کی مجموعی حیثیت کو متاثر کرتا ہے۔ خواتین پر تشدد کے حملے ' مثلاً مادہ جنین کا قتل، نوزائیدہ قتل، طبّی غفلت، بچپن یا کم عمری کی شادیاں، جہیز کا نظام اور ہراسانی، اموات، جنسی زیادتی، عصمت دری،، جبری شادیاں، جسم فروشی، گھر کے ساتھ ساتھ کام کی جگہوں پر جنسی طور پر ہراساں کرنا وغیرہ ان میں شامل ہیں۔ مذکورہ تمام معاملات میں خواتین کو سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ خواتین کو جسمانی اور ذہنی طور پر متاثر کرتا ہے۔ وہ محسوس کرتی ہیں کہ گویا ان کا وجود کچھ نہیں ہے۔ انہیں ذہنی اور سماجی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات وہ اسے برداشت نہیں کر پاتیں جس کی وجہ سے وہ خودکشی بھی کر لیتی ہیں۔ انہیں صحت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسے ڈپریشن، ہائی بلڈ پریشر، تناؤ کے مسائل کے علاوہ طلاق کی صورت میں رشتوں یا تعلقات کا ٹوٹ جانا۔ قوانین ان تمام مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان قوانین کے نفاذ میں رکاوٹیں بھی برقرار ہیں۔ یہ چیلنجز سماجی سطح پر قانونی شعور بیداری میں کمی، سماجی اور ثقافتی اصولوں کی زیادتی، ان کو ختم کرنے میں سماج کی عدم دلچسپی وغیرہ قابل ذکر ہے۔

عائلی قوانین خواتین کی نجی حیثیت کو بہتر بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ یہ قوانین ' شادی، طلاق، وراثت، جائیداد کے حقوق وغیرہ سے نمٹتے ہیں جو خاندانی سطح پر خواتین کے لیے اہم ہیں۔ چونکہ ہندوستان میں مختلف مذاہب کے افراد بستے ہیں اور ان کے مذہبی قوانین اور تقاضے جدا جدا ہوتے ہیں لہذا ہندوستان میں عائلی قوانین کو ذاتی قوانین (Personal Laws) کے تحت رکھا گیا ہے۔ بیشتر عائلی قوانین مذہبی عقائد پر مبنی ہیں۔ شادی، طلاق، جائیداد کے حقوق وغیرہ کے حوالے سے مختلف مذہبی معاشروں میں عدم مساوات پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ کہ مذہبی احکامات میں خواتین کے حقوق درج بھی ہیں لیکن سماجی سطح پر خواتین کو وہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تقریباً تمام مذاہب کے متن کے برخلاف اس مذہب کے ماننے والوں کا خیال یہی ہے کہ خواتین مردوں سے کمتر ہیں اور مرد ہی کفالت کرتا ہے تو وہ جائداد یا ورثہ میں کیوں حقدار ہو۔ لیکن دستوری قوانین ' خواتین کو ان کی شادی اور ورثہ کا حق دلواتے ہیں اور انھیں بااختیار بناتے ہیں۔ ان قوانین کے استعمال کے ذریعے وہ اپنا حق حاصل کر سکتی ہیں۔

- **جہیز ممانعت ایکٹ (Dowry Prohibition Act, 1961)**

جہیز کا رواج ہندوستان میں صدیوں پرانا ہے، جس کی جڑیں معاشرے کے ثقافتی اور سماجی تانے بانے میں پیوست ہیں۔ روایتی طور پر جہیز کو دلہن کے مالی استحکام اور سلامتی کو یقینی بنانے کے ایک ذریعہ کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ، جہیز کا رواج ایک زبردستی اور استحصالی مطالبہ میں تبدیل ہوا۔ جہیز ممانعت ایکٹ کا قانون (Dowry Prohibition Act, 1961) کو نافذ کیا گیا۔ اس قانون کا مقصد جہیز دینے یا وصول کرنے سے روکنا ہے۔ معاشرے سے جہیز کی بری رسم کو ختم کرنا اور جہیز کے مطالبات سے جڑے تشدد اور اموات کو روکنے کے لیے "جہیز کی ممانعت ایکٹ" پاس کیا گیا۔ جہیز کی ممانعت کے قانون کے تحت، جہیز میں جائیداد، سامان یا رقم شامل ہوتی ہے جو شادی میں کسی بھی فریق کی طرف سے، کسی بھی فریق کے والدین کی طرف سے، یا شادی کے سلسلے میں کسی اور کی طرف سے دی جاتی ہے۔ جہیز پر پابندی کا قانون ہندوستان میں ذات یا مذہب سے قطع نظر تمام افراد پر لاگو ہوتا ہے۔

جہیز ممانعت ایکٹ۔ 1961، فوجداری قانون ہے اور سیکشن 7 کے مطابق جہیز کی پیشکش اور قبول کرنا قابل سزا جرم ہے۔ متاثرہ کی طرف سے خود کی معلومات، پولیس رپورٹس، والدین/رشتہ داروں کی معلومات یا کسی بھی این۔ جی۔ او، کے ذریعے درج کی گئی شکایات کی بنیاد پر مقدمات درج کیے جا سکتے ہیں۔ اس ایکٹ کے تحت جرم ناقابل ضمانت ہے اور ناقابل تعمیل (مقدمہ ایک بار دائر ہونے کے بعد عدالت سے باہر طے نہیں کیا جا سکتا)۔ رپورٹس بتاتی ہیں کہ خواتین کے خلاف تشدد کی مخصوص شکلیں جہیز کے مطالبات کو پورا کرنے کے ساتھ جڑی ہیں۔ جہیز سے متعلق تشدد کا شکار خواتین کے تحفظ کے لیے تعزیرات ہند 1860 کے ایکٹ اور متعلقہ سیکشنز میں مزید ترمیم کی گئی۔ 1983 میں آئی پی سی میں بھی ترمیم کی گئی تھی تاکہ جہیز سے متعلق ظلم، جہیز موت، اور خودکشی کے لیے اکسانے کے مخصوص جرائم کو بھی شامل کیا جائے۔ دفعہ 3، جہیز دینے یا لینے پر جرمانے عائد کرتا ہے۔ کوئی بھی شخص جو جہیز دیتا ہے یا لیتا ہے، یا جہیز دینے یا لینے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اسے پانچ سال سے کم قید اور پندرہ ہزار روپے سے کم جرمانہ یا جہیز کی رقم، جو بھی زیادہ ہو، سزا دی جا سکتی ہے۔ یہ سیکشن جہیز دینے اور وصول کرنے کے عمل کو جرم قرار دے کر روک تھام کا کام کرتا ہے جس سے لین دین کے دونوں فریقوں کو قانونی چارہ جوئی کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ دفعہ 4، جہیز کا مطالبہ کرنے کے عمل کو سزا دیتا ہے۔ کوئی بھی شخص جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر دولہا یا دلہن کے والدین یا سرپرستوں سے شادی کی شرط کے طور پر کسی بھی قسم کے جہیز کا مطالبہ کرے تو اس کی سزا چھ ماہ سے کم نہ ہو اور جرمانہ ہو سکتا ہے۔ یہ سیکشن بہت اہم ہے کیونکہ یہ جہیز کے مسئلے کی جڑ کو نشانہ بناتا ہے۔ 2023 سے تعزیرات ہند کے چند دفعات کو بدل دیا گیا اور بھارتیہ نیا سنہتا (Bharatiya Nyaya Sanhita) کے تحت رکھا گیا ہے اور جرائم کی روک تھام کے لیے ان دفعات کو سختی سے نافذ کیا گیا ہے۔ ان قوانین کے متعلق ہم آگے کے صفحات پر پڑھیں گے۔

جہیز کی روک تھام کا ایکٹ (1961)، ہندوستان میں جہیز سے متعلق جرائم کے خلاف جنگ میں ایک اہم قانون سازی کا آلہ ہے۔ اگرچہ اس ایکٹ کے تحت ایک مضبوط قانونی ڈھانچہ ترتیب دیا گیا۔ لیکن سماجی رویوں اور نفاذ کے چیلنجز کی وجہ سے خاطر خواہ نتائج ظاہر نہیں ہو رہے ہیں۔ اس ضمن میں متعدد تاریخی فیصلوں سے قانون سازی کے ارادے کو تقویت ملی اور خواتین کے تحفظ کے دائرہ کار کو بڑھایا گیا۔ تاہم جہیز سے متعلق تشدّد کا تسلسل سماج میں قائم ہے۔ روزمرہ ہونے والے سینکڑوں واقعات بتاتے ہیں کہ قانون سازی اور اس کے نفاذ کے باوجود تشدد کا سلسلہ رکا نہیں ہے۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ مزید مسلسل چوکسی، سخت نفاذ، اور سماجی تبدیلی کی شدید ضرورت ہے۔

اہم نکات:

- جہیز ممانعت ایکٹ (1961)، ہندوستان میں جہیز کے رواج کو ختم کرنے کی طرف ایک اہم قدم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ کہ جہیز کی رسم کو ختم نہیں کیا جاسکا اور نہ ہراسانی کے واقعات کو مکمل ختم کیا جاسکا لیکن کہا جاسکتا ہے کہ ان چیلنجوں کے باوجود ایکٹ نے جہیز کے نظام کے خلاف سماج میں بیداری بڑھانے اور متاثرین کو قانونی سہولت فراہم کرنے میں کافی پیش رفت کی ہے۔
- جہیز کی لعنت اور اس سے جڑے تشدد سے پاک معاشرہ کے حصول کے لیے اس رواج کو برقرار رکھنے والے سماجی اور ثقافتی اصولوں کے خاتمہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ جہیز ممانعت قانون کی اہم دفعات، قانونی سنگ میل اور چیلنجز کو سمجھ کر، ہم اجتماعی طور پر ایک ایسا معاشرہ بنانے کے لیے کام کر سکتے ہیں جہاں خواتین کو جہیز کے مضر عمل کا نشانہ نہ بنایا جائے اور وہ عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ اس مقصد کو تکمیل تک پہنچانے میں تعلیم اہم رول ادا کرتی ہے۔

- **گھریلو تشدد سے خواتین کا تحفظ ایکٹ-2005**

(The Protection of Women from Domestic Violence Act, 2005 (PWDVA)

خواتین کے خلاف گھریلو تشدد ہندوستان میں ایک وسیع سماجی مسئلہ ہے، جس کی جڑیں ثقافتی اصولوں، صنفی عدم مساوات اور ساختیاتی یا نظامی رکاوٹوں میں گہرائی تک پیوست ہیں۔ خواتین کے خلاف گھریلو تشدد عالمی سطح پر ایک اہم سماجی اور انسانی حقوق کا مسئلہ ہے اور ہندوستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ صنفی عدم مساوات، ثقافتی اصولوں اور پدرانہ ڈھانچے کی وجہ سے گھریلو تشدد ہندوستانی معاشرے میں ایک وسیع مسئلہ بنا ہوا ہے۔ مختلف قانون سازی کے اقدامات اور سماجی مداخلتوں کے باوجود گھریلو تشدد کا پھیلاؤ ملک بھر میں خواتین کی فلاح و بہبود اور حقوق کے لیے اہم چیلنجز بنا ہوا ہے۔ گھریلو تشدد میں بدسلوکی، جسمانی، جنسی، زبانی، جذباتی اور مالیاتی تشدد شامل ہے۔

گھریلو تشدد صرف خواتین سے ہی وابستہ نہیں ہے یہ مردوں، بچوں اور بزرگوں کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ گھریلو تشدد کے متاثرین کو قانونی تحفظ اور علاج فراہم کرنے کے لیے ایک قانون نافذ کیا گیا ہے۔ جسے گھریلو تشدد سے تحفظ ایکٹ (The protection of

(Domestic Violence Act- 2005) کہا جاتا ہے۔ بالعموم خواتین اس تشدد سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں اسی لیے اس قانون کو "گھریلو تشدد سے خواتین کا تحفظ ایکٹ" (Protection of Women from Domestic Violence Act (PWDVA)) بھی کہا جاتا ہے۔

یہ ایکٹ گھریلو تشدد کے وسیع مسئلے کو حل کرنے کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے اور اس کا مقصد گھریلو تعلقات میں خواتین کے حقوق اور بہبود کا تحفظ کرنا ہے۔ یہ صنفی مساوات کی اہمیت اور گھریلو تعلقات میں افراد کو ہر قسم کی بدسلوکی سے بچانے کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ گھریلو تشدد کا قانون آرٹیکل 14 اور 15 کے تحت خواتین کی آزادی اور تحفظ کا پابند کو آگے بڑھاتا ہے۔ دراصل گھریلو تشدد ان چند عوامل میں سے ایک ہے جو خواتین کو ان کی ترقی سے روکتا ہے اسی لیے اس قانون سازی کے ذریعے انھیں با اختیار بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ قانون "گھریلو تشدد" کی وسیع پیمانے پر وضاحت کرتا ہے جس میں جسمانی، جنسی، زبانی، جذباتی اور معاشی بدسلوکی شامل ہے۔ اس میں ایذارسانی، دھمکیاں، اور کسی دوسرے قسم کے نقصان یا چوٹ کا بھی احاطہ کیا گیا ہے جو عورت کی صحت، حفاظت، یا بہبود کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ یہ ایکٹ متاثرین کو عدالت سے مختلف قسم کے تحفظ کے احکامات، جیسے تحفظ کے احکامات، رہائش کے احکامات، مالیاتی ریلیف کے احکامات، اور تحویل کے احکامات حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ان احکامات کا مقصد متاثرہ کو عارضی یا مستقل علاج فراہم کرنا ہے۔ گھریلو تشدد کی بیشتر صورتوں میں خواتین کو بے گھر کر دیا جاتا ہے۔ اسی لیے اس ایکٹ کے تحت متاثرہ خاتون کو اپنے مشترکہ گھرانے میں رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اس ملکیت یا جائیداد کی حقدار ہے کہ نہیں ہے۔ یہ ایکٹ خواتین کو ان کے ازدواجی یا مشترکہ گھروں سے نکالنے پر پابندی عائد کرتا ہے۔

گھریلو تشدد ایکٹ میں خواتین کی شیلٹر ہومز اور طبّی سہولیات تک رسائی کو بھی آسان بنایا گیا ہے۔ یہ ایکٹ یقینی بناتا ہے کہ متاثرین کو محفوظ پناہ گاہوں اور طبّی سہولیات تک رسائی حاصل ہو۔ یہ گھریلو تشدد کے صدمے سے زندہ بچ جانے والوں کی مدد کے لیے مشاورت اور معاون خدمات کی دستیابی بھی فراہم کرتا ہے۔ اس کے تحت پروٹیکشن آفیسرز کی تقرری عمل میں لائی جاتی ہے۔ جو شکایات درج کرنے، قانونی امداد تک رسائی اور تحفظ کے احکامات پر عمل درآمد کو یقینی بنانے میں متاثرین کی مدد کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ایسے افراد جو تحفظ کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہیں یا گھریلو تشدد کا ارتکاب کرتے ہیں، ایسے مجرموں کے لیے سزائیں یا جرمانے عائد کی جاتی ہیں۔ اس کا مقصد تشدد میں شامل افراد اور مجرموں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرانا ہے اور سماج سے گھریلو تشدد کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ گھریلو تشدد ایکٹ بنیادی طور پر خواتین کو گھریلو تشدد سے بچانے پر توجہ مرکوز کرتا ہے، لیکن یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ بعض صورتوں میں مرد بھی تشدد کا شکار ہو سکتے ہیں اور قانون کے تحت انہیں بھی تحفظ فراہم کرنا آئین میں شامل ہے۔ اس ایکٹ کے تحت متاثرہ افراد کے لیے ایک محفوظ

اور زیادہ معاون ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ ایک جامع قانون سازی ہے جو گھریلو تشدد کے مسئلے کو حل کرتی ہے اور متاثرہ افراد کو قانونی تحفظات اور علاج کی ایک حد فراہم کرتی ہے۔ اس کی دفعات کا بنیادی مقصد خواتین کو بااختیار بنانا، صنفی مساوات کو فروغ دینا اور گھریلو تشدد سے پاک معاشرہ تشکیل دینا ہے۔

اہم نکات:

- ہندوستان میں خواتین کے خلاف گھریلو تشدد کا مسئلہ ایک اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ خواتین کے خلاف گھریلو تشدد کی جڑیں پدرانہ اصولوں اور معاشرتی تقاضوں میں گہرائی تک پیوست ہیں۔ یہ دراصل افراد کے وہ ذہنی رویے ہیں جو خواتین کو محکوم سمجھتے ہیں اور ان کے خلاف تشدد کو جائز قرار دیتے ہیں۔ خاندان میں روایتی صنفی کردار، طاقت (Power) کی غیر مساوی تفہیم اور صنفی حرکیات (Gender dynamics)، پدرانہ نظام، جیسے عوامل گھریلو تشدد کو فروغ دیتے ہیں۔
- گھریلو تشدد سے نمٹنے اور اس کے خاتمے کے لیے خاص طور پر ''گھریلو تشدد سے خواتین کا تحفظ ایکٹ 2005(PWDVA) نافذ کیا گیا۔ یہ قانون گھریلو تشدد سے متاثر خواتین کے لیے تمام طرح کا تحفظ فراہم کرتا ہے' تاکہ انھیں اپنے گھرانوں میں بدسلوکی سے بچایا جا سکے۔
- قانون کے نفاذ کے باوجود یہ بھی ایک سماجی حقیقت ہے کہ گھریلو تشدد کو کم ہی رپورٹ کیا جاتا ہے اور اکثر اسے نجی اور معمولی طرزِ عمل سمجھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں شعور بیداری کی ضرورت ہے تاکہ قانون کا صحیح استعمال کیا جاسکے اور متاثرین کے لیے انصاف رسانی کے عمل کو بہتر بنایا جاسکے نیز قانون کے غلط استعمال سے گریز کیا جاسکے۔

- **کام کی جگہ پر خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنا (روک تھام، ممانعت اور ازالہ) ایکٹ 2013**

(Sexual Harassment of Women at Workolace (Prevention, Prohibition and Redressal) Act, 2013)

کام کی جگہ پر خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنا ہندوستان کے اہم صنفی مسائل میں سے ایک ہے، جس پر 1980 کی دہائی سے خواتین کی تحریکات میں توجہ دلائی گئی۔ ماضی میں کام کی جگہ پر کئی ایسے واقعات پیش آتے رہے خواتین کی شکائیتیں بھی وصول ہوتی رہیں لیکن کوئی سنوائی نہیں ہوا کرتی تھی۔ ہسپتال، غیر سرکاری، کمپنیز، سرکاری ادارے، تعلیمی ادارے، غیر منظم اداروں میں کام کرنے والی مزدور خواتین سے لے کر اعلیٰ عہدوں پر فائز خواتین مختلف اوقات میں جنسی ہراسانی کا شکار ہوئیں۔ ان کے کیسس میڈیا کے ذریعے سے عام بھی ہوئے۔ ان تمام واقعات کو معمولی سمجھا گیا اور ان پر کوئی سنجیدہ توجہ نہیں دی گئی تھی۔ لیکن انیس سواسّی کی دہائی سے اس موضوع پر چلائی گئی

تحریکات نے میڈیا اور حکومت کی توجہ بھی حاصل کی۔ لہٰذا عدالت میں زیرِ دوراں کیس کی بنیاد پر سخت قانون بنانے کی سفارش کی گئی۔ سپریم کورٹ نے جنسی ہراسانی کو خواتین کے خلاف سنگین جرم کے طور پر قبول کیا اور جنسی ہراسانی کی مختلف شکلوں کو جرم کے طور پر شامل کرنے کے لیے ایک وسیع تعریف بھی پیش کی۔ جسمانی، زبانی اور غیر زبانی قسم کے فعل یا کوئی بھی ناپسندیدہ جنسی طور پر طے شدہ رویہ کو تشدد کی تعریف کا حصّہ بنایا گیا۔

جنسی ہراسانی کسی نہ کسی شکل میں بیشتر خواتین کو متاثر کرتی ہے۔ روزگار سے وابستہ خواتین اس کا زیادہ شکار ہوتی ہیں۔ کام کی جگہ پر بڑی تعداد مرد حضرات کی ہوتی ہے اور وہاں کام پدرانہ نظام کے تحت چلتا ہے۔ ایسے نظام میں عورت کی عزت اور وقار کو ٹھیس پہنچانے والے سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں۔ کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کرنا روزمرہ کی زندگی میں تشدد کی ہی توسیع ہے۔ کام کی جگہ پر جنسی ہراسانی قانون سازی کے لیے ''جے ایس ورما کمیٹی، 2012'' دسمبر 2012 کے ''نربھیا'' واقعے کے بعد قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے خواتین کے خلاف جرائم کو روکنے کے لیے قوانین کو مضبوط بنانے کے لیے اپنی اہم سفارشات پیش کی تھیں۔ اس کے بعد ہی یہ قانون ''کام کی جگہ پر خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنا (روک تھام، ممانعت اور ازالہ) ایکٹ'' (Sexual Harassment of Women at Workplace (Prevention, Prohibition and Redressal) Act, 2013) بنایا گیا۔ یہ ایک تاریخی قانون ہے۔ یہ قانون کام کی جگہ پر ہراساں کیے جانے کے خلاف تحفظ کے طور پر بنایا گیا ہے۔ خواتین کے لیے ایک محفوظ، باعزت ماحول کی وکالت کرتا ہے۔ اس ایکٹ کا مقصد پورے ہندوستان میں کام کی جگہوں پر جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کے واقعات کے بارے میں بیداری پیدا کرنا، روکنا اور ان کا ازالہ کرنا ہے۔ کام کی جگہ پر خواتین کی جنسی ہراسانی (روک تھام، ممانعت، اور ازالہ) ایکٹ، 2013) جسے "POSH ایکٹ" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایکٹ کام کی جگہ پر جنسی ہراسانی کی شکایات سے نمٹنے کے لیے تمام اداروں، تنظیموں، فیکٹریز اور کمپنیوں کو جواب دہ بناتا ہے اور ایک باقاعدہ طریقہ کار کی وضاحت کرتا ہے۔ اس طرح سے ہندوستان میں پہلی مرتبہ خواتین کے لیے کام کرنے یا معاشی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کے لیے محفوظ ماحول کو یقینی بنایا گیا۔

اس قانون کے تحت، جنسی ہراسانی کو سپریم کورٹ نے ایسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور صنفی بنیاد پر منظم امتیازی سلوک کے طور پر تسلیم کیا ہے، جو خواتین کی زندگی اور معاشی و سماجی حق کو متاثر کرتا ہے۔ عدالت نے بہت واضح طور پر جنسی ہراسانی کی تعریف کی اور ساتھ ہی ساتھ آجروں اور سربراہوں کو اس کے ازالے اور روک تھام کے لیے رہنما خطوط فراہم کیے ہیں۔ عدالت عظمیٰ نے خواتین کے لیے محفوظ کام کا ماحول فراہم کرنے اور ہراسانی کی روک تھام کے لیے ''ویشاکھا رہنما خطوط'' کے نام سے لازمی ہدایات دی ہیں۔ یہ ایکٹ، لازمی تعمیل کے طور پر ہر سرکاری، تعلیمی، خانگی ادارے اور کمپنی سے تقاضا کرتا ہے کہ جس میں دس سے زیادہ ملازمین ہوں، وہاں مقررہ طریقے سے

ایک داخلی شکایات کمیٹی (Internal Complaint Committee) تشکیل دی جائے تاکہ خواتین کی جانب سے داخل کردہ کسی بھی قسم کی جنسی ہراسانی کی شکایات کو ایک مقررہ اور انتہائی رازدارانہ انداز میں وصول کیا جائے اور تفتیش کے بعد اس مسئلہ کو حل کیا جائے اور تحفظ بھرا ماحول فراہم کیا جائے۔

داخلی شکایات کمیٹیوں کو سیول عدالتوں کے اختیارات حاصل ہیں۔ کمیٹی تفتیش کے بعد مجرم کو سزا تجویز کرسکتی ہے اور آگے قانونی کاروائی کے لیے پولیس اور عدالت کو بھی شامل کرسکتی ہے۔ایکٹ کی دفعات پر عمل نہ کرنے پر اداروں کے سربراہان اور ذمہ داران کے لیے بھی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ریاستی حکومتوں کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ ہر ضلع میں ڈسٹرکٹ آفیسر مقامی شکایات کمیٹی (LCC) تشکیل دے گی تاکہ غیر منظم شعبے یا چھوٹے اداروں میں خواتین کو جنسی ہراسانی سے پاک ماحول میں کام کرنے کے قابل بنایا جاسکے۔اس قانون میں ترمیم بھی کی گئی۔2024 کا ترمیمی بل جنسی ہراسانی کی شکایت درج کرانے کے لیے 3 ماہ کی مقررہ مدت کو ایک سال تک بڑھایا گیا ہے اور سلسلہ وار واقعات کی صورت میں آخری واقعے کی تاریخ سے 1 سال کے اندر اس کی کاروائی مکمل کرنے کی ہدایت فراہم کی ہے۔

اہم نکات:

- ہندوستان میں کام کی جگہ پر یا عوامی مقامات پر جنسی طور پر ہراساں کرنا ایک بہت عام رجحان سمجھا جاتا ہے۔لیکن قانون کی نظر میں یہ صنفی تعصب پر مبنی جرم ہے۔ جنسی طور پر ہراساں کرنا یعنی ناپسندیدہ جنسی طور پر طے شدہ رویہ، وقار کو ٹھیس پہنچانا، جسمانی رابطہ اور، پسندیدگی کا مطالبہ یا درخواست، غیر شائستہ تبصرے اور اشارے کنایے، فحش مواد دکھانا، سوشیل میڈیا کے ذریعے پیغامات کی ترسیل، ناپسندیدہ زبانی یا غیر زبانی برتاؤ وغیرہ جیسے طرزِ عمل شامل ہیں۔
- کام کی جگہ کے علاوہ عوامی مقامات پر خواتین کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی ہے۔کام کی جگہ پر جنسی ہراسانی ایکٹ، 2013 ایک اہم قانون ہے۔اسے صنفی بنیاد پر تشدد کے خاتمے اور خواتین کی بااختیاری میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔اس قانون کا دائرہ اختیار کافی وسیع ہے۔
- خواتین اور لڑکیوں کے ساتھ کسی بھی طرح کا غیر شائستہ طرزِ عمل ہراسانی کے ضمن میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے سزائیں بنائی گئی ہیں۔ خواتین کے لیے ایک محفوظ اور زیادہ مساوی ماحول کو یقینی بنانے کے لیے تمام اداروں اور سرکاری شعبہ جات اور غیر سرکاری کمپنیوں وغیرہ میں اس قانون کے موثر نفاذ کی ضرورت ہے اور عوام میں بیداری پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

پچھلے صفحات پر تحریر کردہ قوانین کے علاوہ ذیل میں چند اور قوانین کا ذکر کیا جارہا ہے، تاکہ آپ کی معلومات میں اضافہ ہو۔

1- **حمل کا میڈیکل ٹرمینیشن ایکٹ، 1971(The Medical Termination of Pregnancy Act, 1971):**
ہندوستان میں حمل کے خاتمے کو میڈیکل ٹرمینیشن آف پریگننسی ایکٹ (MTP 1971) ایکٹ کے تحت جانچا جاتا ہے۔اس ایکٹ کے مطابق عورت کو کسی طبّی بیماری کی تصدیق کے بعد اگر لازم ہو جائے تو 20 ہفتوں کے اندر اپنا حمل ختم کرنے کی اجازت ہے۔ حمل کی وجہ سے عورت کی جسمانی یا ذہنی صحت کے لیے خطرہ لاحق ہے تو اس کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے مقصد سے اس عمل کو قانونی حیثیت دی گئی ہے

2- **میٹرنٹی بینیفٹ ایکٹ، 1961(The Maternity Benefit Act, 1961):** برسرِ روزگار ماؤں کے لیے بچے کی پیدائش کے دوران اور بچے کی پیدائش سے پہلے کے مرحلے میں کام کرنا مشکل ہوتا ہے۔اس لیے میٹرنٹی بینیفٹ ایکٹ، 1961 قائم کیا گیا۔ ایکٹ ماؤں کو کم از کم 12 ہفتوں کی زچگی کی چھٹی کا حکم دیتا ہے۔ لیکن 2017 کی ترمیم کے بعد چھٹی کو زیادہ سے زیادہ 26 ہفتوں تک بڑھا دیا گیا ہے۔

3- **مساوی معاوضہ ایکٹ، 1976(The Equal Remuneration Act, 1976):** مساوی معاوضہ ایکٹ، 1976 مساوات پر مبنی قانون سازی کے لیے فریم ورک فراہم کرتا ہے۔اس قانون کے تحت، مرد اور عورت دونوں کو یکساں یا مساوی کام کے لیے مساوی معاوضہ کو یقینی بنایا گیا ہے۔اس قانون کے خواتین کو مساوی فوائد اور معاشی مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

4- **کم عمری کی شادی کی ممانعت ایکٹ، 2006(The Prohibition of Child Marriage Act, 2006):** یہ قانون ان جبری شادیوں کو روکتا ہے، جس میں نابالغوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ یہ قانون بچوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔اس قانون کا مقصد اس بات کی ضمانت دینا ہے کہ لڑکیوں کو بالغ ہونے سے قبل شادی کے لیے جبر نہ کیا جائے۔انہیں اپنی زندگی اور شادی کے بارے میں دانشمندانہ انتخاب کرنے کے قابل بنایا جائے۔تاہم صنفی نظریات اور فرسودہ رسم و رواج کی وجہ سے ملک کے کئی حصوں میں اس قانون کو نافذ کرنا کافی مشکل رہا ہے۔

5- **ہندو جانشینی ایکٹ، 1956(The Hindu Succession Act, 1956):** ہندو جانشینی ایکٹ 1956 میں نافذ کیا گیا تھا۔بعد میں اس کی ترمیم کی گئی۔ ترمیمی ایکٹ جو 2005 میں منظور ہوا جسے ہندو جانشینی (ترمیمی) ایکٹ، 2005 کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس قانون کے تحت بیٹیوں کو مشترکہ خاندانوں میں جائیداد کے حقوق فراہم کیے گئے۔اس تبدیلی نے اس بات کو یقینی بنایا کہ وراثت یا جائیداد کی تقسیم مرد اور عورت دونوں میں کی جائے۔

6- خواتین کی غیر مہذب نمائندگی(ممنوعیت)ایکٹ،1986 The Indecent Representation of Women (Prohibition) Act, 1986): یہ ایک اہم قانون ہے جو میڈیا میں خواتین کی غیر مہذب پیش کشی پر روک لگاتا ہے۔ مذکورہ قانون 'پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا، اشتہارات یا دیگر ابلاغ و ترسیل کے پلیٹ فارم پر خواتین اور نوجوان لڑکیوں کی کسی بھی شکل میں غیر مہذب پیش کشی و نمائندگی کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ قانون خواتین کے وقار کے تحفظ کے لیے کوشاں ہے اور خواتین کے تئیں احترام کو فروغ دیتا ہے۔

8.5 نئے فوجداری قوانین اور خواتین (New Criminal laws and Women)

ہندوستانی خواتین کے ساتھ عدم مساوی سلوک اور صنفی بنیاد پر تشدد تاریخی ادوار سے چلا آرہا ہے۔ حالیہ برسوں میں ان کو درپیش بے شمار چیلنجوں میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ حکومت کی جانب سے قانونی فریم ورک کو مضبوط کرنے اور اس کا تدارک کرنے کی مسلسل کوشش کی جاتی رہی ہیں۔ ہندوستان میں قانونی اصلاحات کے تاریخی شواہد بھی موجود ہیں۔ ان اصلاحات کے ذریعے سماج کے کمزور افراد کے لیے تحفظ، انھیں بااختیار بنانے اور مساوات وانصاف کے دیرینہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔۔اس ضمن میں چند IPC میں تبدیلیاں لائی گئی ہیں اور تین نئے قانون متعارف کروائے گئے ہیں ۔ جیسے نیا فوجداری قانون " بھارتیہ نیا سنہتا 2023" (Bharatiya Nyaya Sanhita 2023 – BNS)، تعزیرات ہند، 1860 کا متبادل بنایا گیا ہے جبکہ "بھارتی شہری تحفظ سنہتا 2023" (Bharatiya Nagarik Suraksha Sanhita 2023 – BNSS)، "ضابطہ فوجداری 1973" کی جگہ تبدیل کیا گیا ہے اور " بھارتیہ ساکشیہ ادھینیم 2023" (Bharatiya Sakshya Adhiniyam 2023 – BSA)، انڈین ایویڈینس ایکٹ، 1872 کی جگہ لیا ہے۔ یہ تینوں قوانین بہت اہمیت کے حامل ہیں' کیونکہ وہ جرائم کی روک تھام، متاثرین کے تحفظ اور مجرموں کے خلاف قانونی کارروائی کے لیے جامع قانونی طریقہ کار پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔UNFPA اور Ministry of Panchayeti Raj کے اشتراک سے 2025 میں شائع ڈاکیومنٹ بعنوان " Laws Addressing Gender Based Violence and Harmful Practices- A Primer for Panchayat Representatives" میں نہ صرف خواتین کے تحفظ کے لیے بنائے گئے خاص قوانین کے متعلق تعارفی مواد دیا گیا ہے بلکہ مذکورہ نئے فوجداری قوانین کی بھی حسبِ ضرورت تشریح کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ Bureaue of Police Research and Development کے تحت مذکورہ

قوانین میں خواتین کے تحفظ کے متعلق لائی گئی تبدیلیوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تفصیلات ویب سائٹ http//:bprd.nic.in پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

بھارتیہ نیاسنہتا (Bharatiya Nyaya Sanhita, 2023(BNS): بھارتیہ نیاسنہتا، جس کا ترجمہ "انڈین جسٹس کوڈ" ہے۔ یہ ہندوستان کا نیا ضابطہ فوجداری ہے، جو پرانے تعزیرات ہند (IPC) کی جگہ متعارف کروایا گیا ہے۔ بی این ایس کو 2023 میں پاس کیا گیا اور 1 جولائی 2024 سے یہ قانون نافذ ہوا۔ اگرچہ کہ یہ ایک عام فوجداری قانون کا ضابطہ ہے، لیکن بی این ایس کے کئی حصے خاص طور پر خواتین کے خلاف جرائم کے خاتمے پر توجہ دیتے ہیں۔ یہ قانون عصمت دری، ایسیڈ اٹیک، سائبر کرائم اور جنسی تشدد سے متعلق تمام جرائم سے عصری تقاضوں کے مطابق نمٹتا ہے۔

بھارتی شہری تحفظ سنہتا Bharatiya Nagarik Suraksha Sanhita, 2023 (BNSS): بھارتی شہری تحفظ سنہتا' ہندوستانی شہری تحفظ کوڈ کے متعلق ہے۔ یہ قانون 11 اگست 2023 کو متعارف کرایا گیا تھا۔ یہ ضمانت کی دفعات میں ترمیم کرتا ہے، جائیداد ضبط کرنے کے دائرہ کار کو بڑھاتا ہے اور پولیس اور مجسٹریٹس کے اختیارات کو تبدیل کرتا ہے۔ جس کا مقصد ہندوستان میں 1973 کے موجودہ کریمنل پروسیجر کوڈ (CrPC) کو تبدیل کرنا ہے۔ اس کے تحت خواتین کی گرفتاری، خواتین کی تلاش، عصمت دری کا شکار ہونے والوں کا طبّی معائنہ وغیرہ کے اصول وضوابط میں تبدیلیاں لائی گئی ہیں اور انھیں خواتین کے تحفظ میں معاون بنایا گیا ہے۔

بھارتیہ ساکشیہ ادھنیم، (BSA) Bharatiya Sakshya Adhiniyam 2023: بھارتیہ ساکشیہ ادھنیم' دراصل Indian Evidence Act 1872 (IEA) کا متبادل ہے یہ قانون ہندوستان میں شواہد کے قانون میں ایک اہم تبدیلی کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس ایکٹ کا مقصد عدالتی نظام کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پورا کرنا، جدید ٹیکنالوجی کو شامل کرنا اور زیادہ جامع نقطہ نظر کو اپنانا ہے۔ اس نئے ایکٹ کا مقصد عدالت میں ثبوت کی پیشکش اور تشریح کو ہموار، آسان اور اپ ڈیٹ کرنا ہے۔ IEA جو اصل میں 1872 میں برطانوی راج کے دوران امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ذریعہ نافذ کیا گیا تھا، 150 سال سے زیادہ عرصے سے موجود تھا۔ بھارتیہ ساکشیہ ادھینیم، 2023 (BSA) کو ہندوستان کے نظام انصاف کو جدید بنانے کی طرف ایک اہم اقدام قرار دیا جارہا ہے۔ یہ ایکٹ یکم جولائی 2024 کو نافذ ہوا۔

نئے فوجداری قوانین عصری سیاق وسباق کی مطابقت کے تناظر میں بنائے گئے ہیں۔ ان قوانین کے ذریعے جرائم کی روک تھام کے لیے بنائے گئے قوانین میں زبان اور دفعات کی ترمیمات کی گئیں۔ مذکورہ قوانین کو عصری تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان

قوانین کا بنیادی مقصد موجودہ قانونی نظام میں خلاء کو دور کرنا شامل ہے۔اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جنسی جرائم کی مناسب طور پر سزا دی جائے۔

اہم نکات:

حکومتِ ہند نے خواتین کے استحصال، ہراسانی کو روکنے اور امتیازی سلوک وصنفی تفاوت کے مسائل کو حل کرنے نیز انھیں بااختیار بنانے کے لیے قانون سازی کی ہے۔ان میں حسبِ ذیل اہم قوانین شامل ہیں

The Right of Children to Free and Compulsory Education (RTE) Act, 2009

The Criminal Law (Amendment) Act, 2013

The Protection of Women from Domestic Violence Act, 2005

The Dowry Prohibition Act, 1961

The Indecent Representation of Women (Prohibition) Act, 1986

The Sexual Harassment of Women at Workplace (Prevention, Prohibition and Redressal) Act, 2013

The Prohibition of Child Marriage Act, 2006

The Equal Remuneration Act, 1976

The Maternity Benefit (Amendment) Act, 2017

The 73rd - 74th Amendment of the Constitution mandating 33% reservation for women in the Local Governance.

(Source: Ministry of statistics and program Implimentation, GOI)

8.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوگئے کہ

1۔ ہندوستان کے آئین سے تعارف حاصل کر پائے۔آپ نے یہ جان لیا کہ ہندوستان کا آئین اپنے تمام شہریوں سے 'انصاف، آزادی، مساوات اور بھائی چارے کا وعدہ کرتا ہے۔آئین میں "حیثیت اور مواقع کی مساوات" کا ذکر واضح طور پر صنف پر مبنی امتیاز کو ختم کرنے اور جنس سب کے لیے مساوی حقوق کو یقینی بنانے کے لیے آئین کے عزم کی نشاندہی کرتا ہے۔

2۔ آپ نے یہ بھی واقفیت حاصل کرلی کہ ہندوستانی آئین کے بنیادی ستونوں میں ایک اہم ستون ''صنفی مساوات کا اصول'' ہے۔۔آئین ہمارے لیے اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ عورت و مرد کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے اور انصاف رسانی کا کام آسان ہو۔

3۔ مختلف آرٹیکلز کے ذریعے ہندوستان کا آئین نہ صرف خواتین کو سماج میں برابری فراہم کرتا ہے بلکہ ریاست کو یہ اختیار بھی دیتا ہے کہ وہ خواتین کے حق میں مثبت امتیازی اقدامات کو اپنائے تاکہ ان کو درپیش سماجی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی نقصانات کو بے اثر کیا جاسکے۔بنیادی حقوق قانون کے دائرے میں ہر شہری کو برابری اور قانون کے مساوی تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔مذہب، نسل،ذات، جنس یا جائے پیدائش کی بنیاد پر کسی بھی شہری کے ساتھ امتیازی سلوک کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔آئین کے آرٹیکل 14، 15، 15(3)، 16، 39(a)، 39(b)، 39 (c) اور 42 اہمیت کے حامل ہیں۔

4۔ آپ نے یہ جان لیا کہ ہندوستان میں خواتین کے لیے آئینی دفعات اور ان کے تحت بنائے گئے قوانین' صنفی مساوات اور خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے ملک کے عزم کی عکاس ہیں۔بنیادی حقوق کی ضمانت، سماجی و معاشی انصاف، صنفی بنیاد پر تشدد کے خاتمے کی کوشش نیز سیاسی شرکت اور پالیسی ساز اداروں میں شمولیت و قیادت کو ہندوستان کے آئین و قوانین' خواتین کے حقوق اور مفادات کو آگے بڑھانے کے لیے ایک جامع فریم ورک فراہم کررہے ہیں۔

5۔ قوانین کے نفاذ سے اگرچہ کہ صنفی تشدد کے خاتمہ اور خواتین کی بااختیاری میں اہم پیش رفت ہوئی ہے لیکن مکمل صنفی مساوات کا حصول اور صنفی بنیاد پر تشدد کے مکمل خاتمہ کے لیے مزید وقت درکار ہے۔حکومت، تعلیمی، سماجی وسیاسی اور مذہبی اداروں کے ساتھ ساتھ دیگر افراد اور سیول سوسائٹی کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرے کے آئینی وژن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مل کر کام کریں جہاں خواتین عزت، وقار، تحفظ، مساوات اور آزادی کے ساتھ رہ سکیں اور قومی ترقی کا حصّہ بن سکیں۔

8.7 فرہنگ (Glossary)

- صنفی انصاف : جنسی شناخت کی بنیاد پر امتیاز کے بغیر فیصلہ کرنا
- اختیارات : قدرت رکھنا، قبضہ حاصل کرنا، حکومت
- ترمیم : اصلاح، تغیر و تبدل
- جمہوریت : وہ طرزِ حکومت جس میں حاکمیت اعلیٰ اور اقتدار جمہور کے نمائندوں کو حاصل رہتا ہے
- دفعات : قانونی اصطلاح، قانون کا جز یا شق
- تحفظات : اصطلاح میں کسی طبقے کے لیے حسبِ ضرورت مخصوص فوائد دینا، حد مقرر کرنا

- قانونی چارہ جوئی: عدالت سے رجوع کرنا، قانونی کاروائی
- میراث : ورثہ، ترکہ، وہ جائداد جو مرنے والے فرد کی جانب سے حق داروں کو ملے

8.8 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Questions)

1۔ آئین ہند کا کون سا آرٹیکل مرد وعورت دونوں کو قانون کی نظر میں برابری دیتا ہے؟

A)آرٹیکل15 B)آرٹیکل14 C)آرٹیکل16 D)آرٹیکل42

2۔ آئین ہند کی کون سی دفعہ ریاست کو اجازت دیتی ہے کہ وہ خواتین اور بچوں کے لیے خصوصی اقدامات کرے؟

A)آرٹیکل21 B)آرٹیکل16 C)آرٹیکل15(3) D)آرٹیکل45

3۔ آئین ہند کے مطابق برابر کام کے لیے برابر اجرت کی بات کس آرٹیکل میں کی گئی ہے؟

A)آرٹیکل39(a) B)آرٹیکل39(d) C)آرٹیکل15 D)آرٹیکل42

4۔ زچگی کے دوران کام کی بہتر حالت اور آرام سے متعلق دفعہ کون سی ہے؟

A)آرٹیکل40 B)آرٹیکل42 C)آرٹیکل46 D)آرٹیکل44

5۔ کون سا قانون خواتین کو گھریلو تشدد سے تحفظ فراہم کرتا ہے؟

A) Child Marriage Restrain Act

B) Dowry Prohibition Act 1961

C) Protection of Women from Domestic Violence Act 2005

D) Equal Remuneration Act 1976

مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1۔ آئینِ ہند کا تعارف لکھیں۔

2۔ آرٹیکل 51(A)(e) میں خواتین سے متعلق کیا فریضہ بتایا گیا ہے؟

3۔ آئینی دفعات کے ذریعے خواتین کی بااختیاری کی اہمیت پر نوٹ لکھیے

4۔ آئینی دفعات، کون کونسے خواتین کے حقوق کی ضمانت دیتے ہیں

5۔ میڈیا میں کواتین کی غیر مہذب پیش کشی کے قانون کا تعارف لکھیے

طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ گھریلو تشدد سے تحفظ کے قانون کا تعارف لکھیے اور یہ بتائیے کہ یہ قانون کس طرح سے خواتین کے لیے معاون چابت ہو رہا ہے۔ مفصل جواب لکھیے۔

2۔ قانون برائے جنسی ہراسانی کام کی جگہ پر خواتین کو کیسے تحفظ دیتا ہے؟ لکھیے

3۔ جہیز کی رسم اور اس سے جڑے جبر و تشدد کے خاتمہ کے قانون کا تعارف لکھیے۔

8.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد(Suggested Books for Further Reading)

1۔ Agnes, F. (1999). Law and Gender Inequality: The Politics of Women's Rights in India. OUP, New Delhi.

2۔ Ahuja, Ram (1987) Crime against Women, Rawat Publications, Jaipur,

3۔ Pandey J.N., (2006). "Constitutional Law of India", Central Law Agency, Forty Third Edition, Allahabad.

4۔ Jain, Devaki (ed), (1996), "Indian Women", Publication Division of Ministry of Information and Broadcasting, Government of India.

5۔ https://asiapacific.unwomen.org/en/countries/india/cedaw

6۔ خواجہ عبدالمنتقم'(2012)'ہندوستانی نظامِ قانون' قومی کونسل برائے فروغِ اردو' نئی دہلی

7۔ خواجہ عبدالمنتقم'(2016)'خواتین سے متعلق جنسی و دیگر جرائم' قومی کونسل برائے فروغِ اردو' نئی دہلی

Notes